نور الحبیب ۲۰۰۴

جلد ۴

معراج النبی ص

سیاحِ لامکاں

معراجِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے
چند ممتاز اہلِ علم و قلم کے ادبی شہ پارے

معراج کی رات

حافظ مظہر الدین

جلوہ افروز ہے اک ماہ مبیں آج کی رات
نور ہی نور ہے تا حد یقیں آج کی رات

حرم ناز میں پہنچے شہ دیں آج کی رات
حرم ناز ہے کچھ اور حسیں آج کی رات

عالم کیف میں ہیں عرش معلٰی کے مکیں
عالم وجد میں ہے عرش بریں آج کی رات

قاب قوسین کی منزل تھی محمد کا مقام
رہ گیا سدرہ پہ جبریل امیں آج کی رات

عبد و معبود میں حائل کوئی پردہ نہ رہا
یعنی معبود ہے بندے کے قریں آج کی رات

جس حقیقت کی نہیں فلسفہ دانوں کو خبر
اس سے آگاہ ہیں ارباب یقیں آج کی رات

ہم گنہ گار کی سرکار نے بخشش چاہی
یاد سرکار کو آئے ہیں ہمیں آج کی رات

ڈھل گئی میرے گناہوں کی سیاہی مظہر
کام آیا ہے میرا حسنِ یقیں آج کی رات

عروج کی آخری منزل

معراج نام ہے' عروج کی آخری منزل کا----- جس کے بعد بلندیوں کا تصور ممکن نہ ہو---- آدم علیہ السلام کی معراج کا مقام جنت تھا---- ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سماویہ وارضیہ دکھائے گئے تھے----یونس علیہ السلام کے لئے مچھلی کا پیٹ تجلی گاہ بنا تھا---- موسیٰ علیہ السلام کو یہ جلوہ طور پر نظر آیا تھا---- یہ تمام مقامات انبیاء علیہم السلام کے لئے تجلی گاہ بنے تھے' یہ ان کی معراج تھی-----

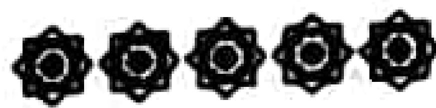
مشاہدات اپنی کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے خواہ کتنے بھی مختلف النوع کیوں نہ ہوں' ان کے معراج ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا---- اس لئے کہ معراج نام ہی مشاہدے کا ہے' یہ مشاہدہ خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ---- آئینہ جمال' خواہ کلام بنے یا ملکوت سماویہ وارضیہ میں نظر آنے والا نور---- طور کی تجلی ہو یا جنت کا حسن و جمال---- یہ سب ذات واجب الوجود کے حسن و جمال کے آئینے ہیں اور ان کی رؤیت کا نام معراج ہے-----

انبیاء علیہم السلام کو یہ کیفیتیں بیداری میں نصیب ہوئی تھیں---- کلیم اللہ نے بیداری میں جلوہ دیکھا تھا---- آدم کی سیر جنت بھی کوئی خواب کا واقعہ نہ تھا---- ابراہیم کا مشاہدہ بھی ظاہری آنکھوں سے تھا---- اور---- یونس کے قلب پر

وحی بن کر گرنے والی تجلی بھی انہیں بیداری ہی میں نصیب ہوئی تھی-----انبیاء علیہم السلام کی معراج کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس حضور ﷺ کی معراج کو کیسے ایک کشفی اور نومی کیفیت قرار دے سکتا ہے؟-----وہاں جلوہ بیداری میں تھا تو یہاں خواب میں کیسے ہو سکتا ہے؟-----کیا خواب حقیقتوں کا مثیل و مماثل ہو سکتا ہے؟-----یہ شرف تو حضور ﷺ کو بخشا ہی اس لئے گیا تھا کہ معراج کے جس سلسلے کی ابتداء آدم علیہ السلام کی سیر جنت سے ہوئی تھی اور وہ کلیم اللہ علیہ السلام کو نظر آنے والی تجلی پر پہنچ کر منتج ہوا تھا، وہ حضور ﷺ پر پہنچ کر مکمل ہو جائے-----حضور ﷺ نے نبوت کی تکمیل ہی نہیں کی، معراج کی تکمیل بھی کر دی-----آدم علیہ السلام کی سیر ابتداء تھی اور حضور ﷺ کی سیر انتہا-----

مسیح بر فلک چارمیں قرار گرفت
کلیم بر جبل طور اعتبار گرفت
غلام ہمت آنم کہ فوق کون و مکاں
براق عزم دوانید و دست یار گرفت

(حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ)



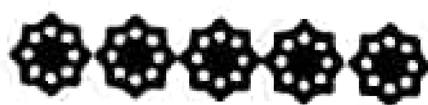
حکمت معراج

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے، اور برگزیدہ

رسول ﷺ نے قریش مکہ کو دعوت توحید دی تھی' اسی روز سے عداوت و عناد کے شعلے بھڑکنے لگے----- ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب اُمڈ کر آ گیا تھا لیکن اس تاریکی میں حضرت ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وجود مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین و طمانینت کا سبب بنا کرتا تھا----- بعثت نبوی کے دسویں سال مہربان و شفیق چچا نے وفات پائی' اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مونس و ہمدم' دانش ور اور عالی حوصلہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ بھی داغ مفارقت دے گئیں----- کفار مکہ کو ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا اب کوئی نہ رہا تھا' جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں نا قابل برداشت حد تک بڑھ گئیں-----

حضور ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور بہیمانہ برتاؤ کیا گیا' اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا----- ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے' رحمت الٰہی نے اپنی عظمت و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لئے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لئے بلایا کہ حضور ﷺ کو اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ناسازگاری' خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کرے----- غور کیا جائے تو سفر اسریٰ کے لئے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا-----

(ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ)



شب اسریٰ کا دولہا

سورج غروب ہوا اور قمر نے اپنے نوری چہرہ سے نقاب اٹھایا اور وہ عزت وکرامت والی رات آئی اور اس رات میں وہ ساعت ہمایوں آئی' جو دیوان قضا میں سیر سرور عالم ﷺ کے لئے مقرر تھی----- سرور کشور رسالت' شہنشاہ نبوت ﷺ آرام فرما ہیں----- نصف شب گذر چکی ہے----- عالم پر خاموشی طاری ہے----- مگر عالم بالا میں دھومیں مچ رہی ہیں----- سماوات پر تشریف آوریٔ سلطان کا غلغلہ بلند ہے----- قدسی تمنائے دیدار میں سرشار ہیں اور پیش گاہ الٰہی سے احکام خاص کا اجرا ہو رہا ہے----- یہی سماں تھا کہ یکایک ہوا چلنے سے رکی----- کواکب کی گردش ختم ہوئی----- رضوان جنت نے جنت کی آئینہ بندی کی----- درِ دوزخ بند ہوئے----- جنت کے دروازے کھول دیئے گئے----- عرش وکرسی کو لباس نور پہنایا گیا----- میکائیل نے رزق کی تقسیم بند کی----- عزرائیل نے قبض ارواح سے منہ موڑا اور حورانِ مہ جبیں آراستہ وپیراستہ ہو کر ہاتھوں میں طبقِ زر وجواہر اٹھا کر غرف جنت میں صف بستہ کھڑی ہو گئیں کہ شاہدِ عالم آج مہمان بن کر آنے والے ہیں-----

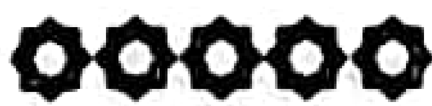
یکایک گھر کی چھت پھٹی اور روح الامین براق برق رفتار لے کر' جو بجلی سے زیادہ تیز گام' روشنی سے سبک خرام تھا' جو خطۂ لاہوت کے سفر کے لئے مخصوص تھا' ستر ہزار ملائکہ مقربین کے ہمراہ اس مکان مقدس میں حاضر ہوئے' جہاں آسمان نبوت کا

نیر اعظم ﷺ آرام فرما تھا---- جس کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگ رہا تھا----ملکوتیوں کے سردار' مقربین کے شہنشاہ نے قدموں میں کھڑے ہو کر قبلہ گاہ ناز کو بصد احترام بیدار کیا---- چشم حق نما کھلی' جبریل کو نرالے ساز و سامان کے ساتھ قدموں میں کھڑا پایا----ایک روایت میں ہے کہ جبریل کھڑے چشم نرگس کے کھلنے کے منتظر رہے---- حکم باری تعالیٰ پہنچا:

قَبِّلْ قَدَمَیْہِ----"جبریل ہمارے محبوب کے قدم چوم لو"-----

جبریل نے اپنے کافوری ہونٹ قدم پاک نبوی پر رکھ دیئے----- کافور کی ٹھنڈک سے چشم دل نواز عجیب انداز سے کھلی' جبریل نے پیغام دیا اور کعبۂ مقدس میں رونق افروزی کی التجا کی----- قدم ناز اٹھا اور رحمت مجسم کعبۂ مقدس میں جلوہ ریز ہوئے-----نورانی رخساروں کی تابش سے کعبہ تجلی کی طرح چمکنے لگا' کیوں کہ کعبہ میں کعبہ کے کعبہ نے نزول اجلال فرمایا-----اس کے بعد براق سواری کے لئے پیش ہوا---- سید الانبیاء ﷺ سوار ہوئے---- جبریل امین نے رکاب تھامی' میکائیل نے لگام پکڑی' اسرافیل نے غاشیہ برداری اختیار کی اور وہ لامکاں کا سیاح' شب اسریٰ کا دولہا' سلطان دارین' مغیث ملوین' حاکم کائنات' متصرفِ موجودات' قاسم نعمۃ اللہ' امین مملکت اللہ' سید الانبیاء' امام الاصفیاء' محمد مصطفیٰ ﷺ ملائک کے نورانی جلوس کے ہمراہ اپنے دار الحکومت سے دار السلطنت کی طرف نہایت شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئے----

(علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمہ)



شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر لا مکاں

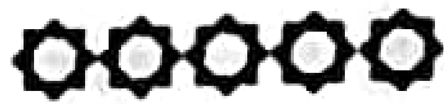
ملائکہ کا رسول، سدرۃ المنتہیٰ کا مسند نشیں، فرشتوں کا سردار، حضرت جبریل امین خدمت اقدس میں براق لے کر حاضر ہے----- سلطان دارین کی بارگاہ میں خالق کونین کا پیامی، حسن ادب کے ساتھ پیغام دعوت عرض کرتا ہے----- مژدۂ جانفزا سناتا ہے----- حضرت کلیم اللہ نے کوہ طور پر حاضر ہو کر دیدار کی آرزو کی تھی، تو بھی لن ترانی کا جواب ملا تھا----- سید الانبیاء آرام میں ہیں، اس وقت وصال کا مژدۂ روح افزا پہنچتا ہے----- نرگس حق، سرمۂ خواب سے مکحل تھیں----- نیند کا عالم تھا----- آنکھ لگی تھی، کس سے لگی تھی----- جس سے دل لگا تھا----- رسول امین نے بیدار کیا----- کھلی تو حق کی طرف کھلی----- ان آنکھوں کے قربان، لگیں تو حق سے لگیں----- کھلیں تو حق کی طرف کھلیں----- حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بالا کا عزم کیا ہے----- جنت سے طلائے مرصع طشت اور آب تسنیم حاضر کیا گیا ہے اور نور و تسکین سے لبریز کر کے سینہ پاک میں محفوظ کیا گیا ہے----- اللہ اللہ! کیا کیا اہتمام ہیں----- حضور براق برق رفتار پر جلوہ گر ہوئے----- مقربین ملائکہ نے رکاب تھامی----- معصوموں کی جماعت ہالہ کی طرح اس بدر منیر کے گرد و پیش چلی----- شہنشاہ کونین سواری پر رونق افروز ہیں----- فرشتوں کا پاک گروہ خدمت میں ہے----- سواری کی سرعت سیر کا یہ عالم کہ جہاں تک نظر جاتی ہے، وہ ایک قدم میں طے ہوتا ہے----- مکہ مکرمہ سے چل کر آن کی آن میں بیت

المقدس پہنچے' جہاں مدتوں کے آرزو مندان دیدار (حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام) چشم تمنا وا کئے منتظر تھے----براق اس حلقہ میں باندھا گیا' جہاں انبیاء علیہم السلام کی سواریاں باندھی جاتی تھیں----اب حضور ﷺ امام ہوئے اور تمام کشور کشایان نبوت نے حضور کے ساتھ نماز ادا کی' (اے زہے نصیب)----عجیب منظر ہے' سید الانبیاء امام ہیں اور سارے انبیاء مقتدی----صلی اللہ علیہ و علیہم وسلم اجمعین)

یہاں شیر و شراب کے جام پیش ہوئے----حضور ﷺ نے دودھ قبول فرمایا' شراب کو ہاتھ نہ لگایا----جبریل نے عرض کی: اصبت الفطرۃ----پھر سواری چلی' پھر اسی شوکت واحتشام کے ساتھ جلوس اٹھا' دم کے دم میں آسمان پر پہنچے' جبریل امین نے دروازہ کھلوایا' دربان نے دریافت کیا: من انت----تم کون ہو؟----کہا' جبریل----پھر پوچھا: من معک----آپ کے ساتھ کون ہیں؟----جبریل امین نے حضور ﷺ کا نام لیا' پھر کیا تھا' غایت شوق سے دربان عرض گزار ہے----کیا حضور ﷺ بلائے گئے ہیں؟----جبریل علیہ السلام نے بشارت سنائی----اس نے دروازہ کھولا----ملائکہ کی آنکھیں دید جمال سے منور ہوئیں----نورانی دل سرور کی لذت سے معمور ہو گئے----اسی طرح حضور ﷺ منازل طے کرتے اور ہر آسمان کے ملائکہ اور انبیاء کو اپنی دولت دیدار سے نوازتے' ان کی تحیت و تسلیم کی نذریں قبول فرماتے' سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے----جبریل امین نے باادب اجازت چاہی اور معذرت----حضور ﷺ رفرف پر آگے بڑھے----پردہ ہائے نور طے کرتے ہوئے' مقام قرب تک پہنچے----جمیل حقیقی نے جمال بے کیف سے حضور کو نوازا----وہ دولتیں

عنایت فرمائیں جو حضور سے قبل کسی کو نہ ہوئی تھیں----- وہ اسرار مرحمت فرمائے، جن پر دوسرا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا----- حضور ﷺ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی کی منزلت پر فائز ہوئے-----فاوحی الی عبده ما اوحی کے اکرام سے نوازے گئے----- جنتوں کی سیریں کرائی گئیں----- نمازیں فرض ہوئیں----- امت نوازی کے قربان، تخفیف کی درخواستیں عرض کیں----- قبول ہوئیں-----واپس تشریف لائے تو زنجیر حجرہ مبارک کی ہنوز حرکت میں تھی اور بستر اقدس گرم تھا-----(صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم)

(حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ)



غلغلۂ شادمانی

اگر آیۂ کریمہ سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کو بنظر غائر دیکھئے تو کچھ اور ہی جلوے نظر آرہے ہیں-----رفتن و ربودن میں جو فرق ہے، وہ مہر نیم روز سے زیادہ واضح ہے----- یہ ایسا نازک مقام ہے کہ یہاں عقل کا کام نہیں----- عقل بآواز بلند کہہ رہی ہے، او دل بے خبر ہوش کی دوا کر، آپے کو سنبھال، تیری کیا مجال کہ تو اس حیرت انگیز سفر کی حقیقت کا ادراک کر سکے-----خبردار! اس سے آگے قدم نہ ڈال، تیرا منہ ہے کہ تو

بولے، یہ سرکاروں کی باتیں ہیں-----یہ رات وہ رات ہے کہ آفتاب عالم تاب بھی اس سے کسب ضیاء کر رہا ہے-----جب تو اس کے پرتو کے مقابل پڑے، تو تجھے معلوم نہ ہو کہ تیرا وجود کیا ہے-----بڑے بڑے مہر جمال اپنی نگاہیں نیچے کئے حیرت جلوہ گری بنے کھڑے ہیں-----اس کی ادنیٰ تابش ذروں کو چمکاتی ہے اور عالم کو روشن بناتی ہے-----

اللہ رے تجلی کہ قمر نے رات بھر نکلنے کی جگہ نہ پائی-----وادی طور میں جس جلوہ پر ہزاروں پردے تھے، آج وہ بے نقاب ہے-----وہ محبوب جس کی ایک جھلک نے جناب کلیم کو بے خود کر دیا تھا، اس رات بے حجاب ہے-----اس کے جلوے کا تو کیا کہنا، مگر دیکھنے والے کو دیکھا چاہئے-----سکان بالا کا دماغ عالم بالا پر ہے----- جگہ جگہ مشتاقوں کا ہجوم----- آمد آمد کی دھوم----- ایک منتظر، سر جھکائے-----ایک ہجوم شوق میں نقد ہوش گمائے-----کوئی مایۂ دل نثار کرنے کو حاضر، کوئی متاع جان کے نچھاور کرنے کو منتظر-----کوئی کہتا ہے، اپنی آنکھیں ان کے قدموں پر ملوں گا-----کوئی کہہ رہا ہے، آج دامن پر مچل مچل کر ایک ایک مراد لوں گا-----کوئی مشتاق، بادلِ بے تاب، سر نیاز جھکائے کھڑا ہے-----کوئی سائل، بادیدۂ پر آب، دست طلب پھیلائے پکار رہا ہے-----

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں
لئے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں
ہمارے دست تمنا کی لاج بھی رکھنا
تیرے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

اللہ اللہ سمک سے سما تک، ایک غلغلہ شادمانی و طنطنہ کامرانی بلند ہوا-----ذرہ

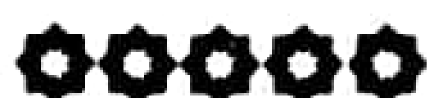
ذرہ' قطرہ قطرہ' اپنی قسمت پر شاداں و خورسند ہے----زمین' آسمان کے آگے جھک کر کہہ رہی ہے کہ آج تو جلوہ گاہ دل ربائی ہے-----آسمان' زمین پر قربان ہو کر کہہ رہاہے کہ یہ دولت تیرے گھر سے پائی ہے-----امیدوں کے غنچے چٹک کر مرادوں کے شادیانے بجا رہے ہیں-----دلوں کے سوز چمک کر شوق کی مشعلیں جلا رہے ہیں-----گلزار اقدس کے مالی محبت کے پھولوں کی کشتیاں نذر کے لئے لائے ہیں-----گلستان طریقت میں خلق عظیم کا لہکتا تختہ اپنی کلیوں سے ہار گوندھ رہا ہے----ورفعنا لک ذکرک کا جھلکتا سہرا ید اللہ فوق ایدیھم کا چمکتا گجرا تیار کر کے یصلون علی النبی کی نچھاور کے ساتھ شان تزک واحتشام دکھارہاہے-----ہاں یہ وہ وقت ہے کہ خدا کو سجود' نبی کو درود' مداح کو جنت' جنت کو امت' امت کو شفاعت' شفاعت کو وجاہت' فقیروں کو ثروت' ذلیلوں کو عزت' ضعیفوں کو قوت' حزینوں کو عشرت' آنکھوں کو نور' دل کو سرور اور مجھ جیسے بے دست و پا کو لطف حضور حاصل ہو گا-----

یہ سہانی گھڑی خیر سے آرہی ہے کہ دارین کے دولہا کو شبستان والا سے مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ سے بزم بالا اور بزم بالا سے مقصد والا تک لے جایا جائے گا----پائے سمک سے تاج سما تک' فرش خاک سے عرش پاک تک' سبحن الذی اسری بعبدہ کا ڈنکا بجے-----دونوں جہاں میں ان کے نام کی دہائی پھرے گی' مہر و ماہ پر سکہ جمے گا-----نقیب سرکار جبریل باوقار منبر سدرہ پر مدح سلطان کا خطبہ پڑھے گا-----عرش وفلک تلووں کی جھلک' نعلین پاک کی چمک دیکھ کر سر جھکائیں گے اور کہیں گے-----

خاک درت بر سر ما تاج باد

ہر شب عمرت شب معراج باد

(علامہ سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ)



جشن رحمت و مسرت

رجب کی 26ویں تاریخ تھی----رات کے گیسو ہر طرف بکھرے ہوئے تھے----مکے کی ساری آبادی محو خواب تھی----تاروں کی چھاؤں میں کائنات کا مرکز آج ام ہانی کے گھر منتقل ہو گیا تھا----در و دیوار سے حبیب کبریا ﷺ کے جلوہ کی روشنی پھوٹی پڑ رہی تھی----رات کا محافظ دستہ عالم بالا سے فرش گیتی کے لئے چلنا ہی چاہتا تھا----حجابِ عظمت سے آواز آئی:

"عرش کی قندیلوں کی روشنی تیز کر دی جائے----جنتوں کی کائنات نئے ڈھنگ سے آراستہ کی جائے----قدم قدم پر تجلیات کی شمعیں روشن کر دی جائیں----روش روش پر بہاروں کا خزانہ بکھیر دیا جائے----کوثر و تسنیم کی سعید موجوں پر نور کی کرن بچھا دی جائے----حوران بہشت حسن مجرد کے شفاف آبگینوں سے حجابات کے پیراہن اتار دیں----ملکوت اعلیٰ کے تمام فرشتے اپنے اپنے آسمانوں پر قطار اندر قطار کھڑے ہو جائیں----افلاک کے تمام سیارے ٹھہر جائیں----وقت کا قافلہ رک جائے----خیر مقدم کے لئے پیغمبران اولو العزم آسمانوں کی گذر گاہوں پر کھڑے ہو جائیں----فرش گیتی سے بہ ہزاراں جاہ و جلال، آج میرا حبیب ﷺ یہاں تشریف لا رہا ہے----وہی حبیب جو میرے

دست قدرت کا نقش اول ہے----- جسے میں نے اپنی ساری کائنات کا مختار بنا دیا"-----

فرمان سنتے ہی عالم قدس میں نورانی مسرتوں کا ایک سماں بندھ گیا----- چشم زدن میں عالم بالا کا نقشہ بدل گیا----- جنت کی سمٹی ہوئی بہاریں فضائے نور پر چھا گئیں----- آسمانوں، صحراؤں پر تجلیات کے آئینے نصب کر دیئے گئے اور نوری کرنوں کا غلاف عرش کی در و دیوار پر چڑھا دیا گیا----- مہتابی کنگروں پر پرچم کبریائی اس شان سے اڑایا گیا کہ سطوت جلال سے عرش کا پایہ ہل گیا----- جنتوں کی سرزمین پر بہاروں نے پھول برسائے----- نظاروں نے منہ چوما----- گل ریز تبسم نے موتی لٹائے----- چمن چمن سنور گیا اور شباب نور کے نئے پیکر میں جگمگاتی ہوئی حوریں قطار باندھ کر ہر طرف کھڑی ہو گئیں-----

دم کے دم میں قدس کا عالم لطیف، بن سنور کر آراستہ ہو گیا----- اتنے میں آسمانی دنیا کا دروازہ کھلا----- تجلیات کے جلو میں حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے----- فضائے نور میں تیرنے والا براق نام کا ایک نورانی سیارہ آج ان کے ہمراہ تھا----- آسمان کی بلندیوں سے اتر کر سیدھے وہ مکے میں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے----- آج ان کے آنے کا انداز ہمیشہ سے نرالا تھا----- دروازے کی بجائے چھت توڑ کر اندر داخل ہوئے-----

حبیب کبریا ﷺ محو خواب تھے----- آنکھیں بند تھیں، دل جاگ رہا تھا----- کچھ دیر سوچنے کے بعد حضرت جبریل آگے بڑھے اور اپنے کافوری لب محبوب کے پائے ناز سے مس کر دیئے----- ٹھنڈک محسوس ہوتے ہی نشان قدرت کی نرگسی آنکھیں کھل گئیں----- دریافت فرمایا، جبریل کیسے آنا ہوا؟----- سفیر غیب نے جواب دیا، خدائے برتر کی طرف سے حریم عظمت میں تشریف ارزانی کا پروانہ لے کر حاضر ہوا ہوں----- سارا عالم قدس بچھڑے ہوئے محبوب کے لئے چشم براہ

ہے-----وہ سرحد تجلیات' جہاں وہم وخیال کے پر جلتے ہیں' آج وہاں آپ کو لباس بشریت میں خرام ناز فرمانے کی دعوت دی گئی ہے----- حضور! تشریف لے چلیں-----زمین سے لے کر آسمان تک' ساری گذرگاہوں پر امیدوں کا ہجوم ہاتھ باندھے کھڑا ہے-----چند ہی لمحے بعد خاک دان گیتی کا ایک بشر براق پر سوار ہو کر اس شان سے عالم قدس کی طرف روانہ ہوا کہ ملکوت اعلیٰ کے مرسلین' نیاز مند غلاموں کی طرح رکاب تھامے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے-----مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین کی ساری جماعتیں عقیدتوں کا خراج لئے حاضر تھیں----- سرکار ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کر کے سب نے امامت کبریا کے ساتھ اپنی نیاز مندی کا کھلا اعلان کیا-----

وہاں سے فارغ ہو کر حضور ﷺ آسمانوں کی طرف چلے-----گذرگاہوں پر خیر مقدم کے لئے پیغمبران اولوالعزم کھڑے تھے-----ہر جگہ قدسیوں کے پرے سلامی کے لئے جھکے ہوئے تھے-----عرش الٰہی کی مانوس فضا میں داخل ہوتے ہی' بیتے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی----- قدم پڑتے ہی عرش کا دل خوشی سے جھوم اٹھا----- پھر وہاں سے آگے بڑھے' بڑھتے رہے----- عالم بشر ہی نہیں' عالم ملکوت بھی پیچھے رہ گیا----- پھر بڑھے' بڑھتے بڑھتے اب وہاں سے' جہاں کی کسی کو خبر نہیں معلوم-----ایک محبوب اپنے محب سے' ایک بندہ اپنے معبود سے' کس طرح ملا؟-----ماتھے کی آنکھ سے' ان دیکھی ہستی کا نظارہ کیوں کر ہوا-----کیا کیا باتیں ہوئیں؟----- پائے گاہ شہنشاہی سے محبوب کو کیا کیا خلعتیں عطا ہوئیں؟-----یہ ساری تفصیلات صیغۂ راز میں ہیں-----

صبح ہوئی تو سارے مکے میں ایک شور برپا تھا-----اہل یقین و خرد خدا کو دیکھنے والی آنکھوں پر نثار ہو گئے-----لیکن نادانوں نے کہا' ایک بشر کے لئے عالم بالا کا سفر ممکن ہی نہیں ہے-----یہ ساری کہانی بالکل من گھڑت ہے-----حیرت ہے کہ

ایک پیغمبر کی زبان سے اس طرح کی انھونی بات سننے میں آ رہی ہے-----

خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے چند فرشتے یہ باتیں سن رہے تھے-----انہوں نے آپس میں کہا :

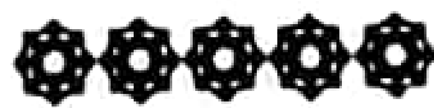
"تمہیں وہ رات یاد ہو گی، جس کی صبح کو عبداللہ کے آنگن میں نور کی بارش ہو رہی تھی-----زمین سے آسمان تک ہر عالم میں رحمت و مسرت کا جشن منایا گیا تھا اور مکے کی ساری فضا فرشتوں کے پروں سے چھپ گئی تھی-----اس موقع پر جب یہ معلوم ہوا کہ یہ سارا اہتمام محمد ﷺ کی تشریف آوری پر ہو رہا ہے، تو کچھ فرشتوں کو اتنی حیرت ہوئی تھی کہ عالم قدس کا پروردۂ ناز اس ظلمت کدۂ خراب میں کیوں کر تشریف لا سکتا ہے؟-----اور آج جب وہ اپنی مانوس دنیا کی طرف چند لمحے کے لئے واپس لے گئے تو بنی نوع انسان کے یہ نادان افراد حیرت سے واقعہ کا ہی انکار کر رہے ہیں، حالانکہ دونوں جہاں اس واقعہ پر گواہ ہیں----- محمد ﷺ کی یہ شان بھی عجیب ہے، وہ یہاں آئے تو فرشتوں کو حیرت اور یہاں سے جائے، تو انسانوں کو حیرت-----ان کی ذات دو حیرتوں کا مجموعہ ہے-----

دوسرے فرشتے نے جواب میں کہا :

"دراصل حیرت تو انسان کی عقلوں پر ہے، جو ان کے یہاں آنے پر حیرت نہیں کرتے، جانے پر حیرت زدہ ہیں-----حالانکہ کسی کا اپنے وطن میں ہونا باعث حیرت نہیں ہے-----باعث حیرت غیر جگہ نظر آنا ہے-----

جمال یار کی زیبائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے خوش بیانی سے

(علامہ ارشد القادری)



نغمۂ معراج

محمد اکبر وارثی

دونوں عالم ہیں نورٌ علیٰ نور کیوں، کیسی رونق فزا آج کی رات ہے
یہ مسرت ہے کس کی ملاقات کی، عید کا دن ہے یا آج کی رات ہے
طور چوٹی کو اپنی جھکانے لگا، چاندنی چاند ہر سو بچھانے لگا
عرش سے فرش تک جگمگانے لگا، رشک صبح فضا آج کی رات ہے
طور پر رفعت لا مکانی کہاں، لن ترانی کہاں من رآنی کہاں
جس کا سایہ نہیں، اس کا ثانی کہاں، اس کا اک معجزہ آج کی رات ہے
خواب راحت میں تھے ام ہانی کے گھر، آ کے جبریل نے یہ سنائی خبر
چلئے چلئے شہنشاہ والا گہر، حق کو شوق لقا آج کی رات ہے
برق سے تیز تر ہے براق آپ کا، کیونکہ خالق کو ہے اشتیاق آپ کا
اب نہیں دیکھا جاتا فراق آپ کا، جلد چلنا روا آج کی رات ہے
باغِ عالم میں بادِ بہاری چلی، سرورِ انبیاء کی سواری چلی
یہ سواری سوئے ذات باری چلی، ابرِ رحمت اٹھا آج کی رات ہے
جذبِ حسنِ طلب ہر قدم ساتھ ہے، دائیں بائیں فرشتوں کی بارات ہے
سر پہ نورانی سہرہ کی کیا بات ہے، شاہ دولہا بنا آج کی رات ہے
عطر رحمت فرشتے چھڑکتے چلے، جس کی خوشبو سے رستے مہکتے چلے
چاند تارے جلو میں چمکتے چلے، کہکشاں زیر پا آج کی رات ہے

اور نبیوں کا یہ مرتبہ ہی نہیں، عرشِ اعظم پہ کوئی گیا ہی نہیں
ایسا رتبہ کسی کو ملا ہی نہیں، جیسا رتبہ تیرا آج کی رات ہے
حکم تھا اے فلک اب قدم چوم لے، جھک کے ہر اک ملک اب قدم چوم لے
عرش بھی بے دھڑک اب قدم چوم لے، تجھ پہ شاہِ دنیٰ آج کی رات ہے
خلوتِ خاص میں یہ حضوری ہوئی، قرب ہی قرب تھا دور دوری ہوئی
تھی جو دل میں تمنا وہ پوری ہوئی، دیدۂ شوق وا آج کی رات ہے
عرش سے ایک قطرہ زباں پر گرا، علم ہر شئے کا اس وقت تجھ کو ہوا
پھر تو دیکھا جو دیکھا سنا جو سنا، گو مگو ماجرا آج کی رات ہے
شہ نے کی عرض امت گنہ گار ہے، بخش دے میرے مولا تو غفار ہے
تجھ کو آساں، نہیں دشوار ہے، فکر روز جزا آج کی رات ہے
پھر یہ حق نے کہا ماہ پارے نبی، تو میرا چاند ہے اور تارے نبی
ایسا گھبرا نہ اے میرے پیارے نبی، ایسی جلدی ہی کیا آج کی رات ہے
لطف جب ہے کہ دیکھیں گے سارے نبی، ہو گی تیری شفاعت پہ رحمت میری
بخش دوں گا محشر میں امت تیری، تجھ سے وعدہ میرا آج کی رات ہے
پھر ہوا حکم رب سیر جنت کرو، اور مکانات امت کے سب دیکھ لو
اور جو کچھ ضرورت ہو ہم سے کہو، بابِ رحمت کھلا آج کی رات ہے
آمد آمد کی جنت میں دھومیں مچیں، حوریں تعظیم کے واسطے جھک گئیں
بلبلیں پھول کی ڈالیاں لے چلیں، ہر طرف مرحبا آج کی رات ہے
ہر مراد دلی حق سے ملتی رہی، واپس آئے کلی دل کی کھلتی رہی
بسترہ گرم زنجیر ہلتی رہی، یہ عجب معجزہ آج کی رات ہے
معجزہ یہ محمد کا تحقیق ہے، جس نے تصدیق کی ہے وہ صدیق ہے
اور جو منکر ہے، جاہل ہے، زندیق ہے، وہ عدوئے خدا آج کی رات ہے
نزع میں قبر میں حشر میں اے خدا، سختی و تنگی و پرسش جرم کا
خوف اکبر کو رہتا ہے بے انتہا، فضل کرنا دعا آج کی رات ہے

C:\FAIZ\AZAM.INP

معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد نصر اللہ مجددی

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
(امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بے شمار معجزات سے نوازا' تمام انبیاء کرام کے معجزات کمالات' اوصاف اور علوم آپ میں جمع فرمادیئے' اسی لئے آپ کو جامع الکمالات' جامع المعجزات اور جامع الصفات پیغمبر کہتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قرآن مجید' جو کہ آپ کو عطا ہوا' یہ بھی ایک اعظم معجزہ ہے' اس کے اعظم معجزہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ :

۱) کوئی اس کی مثل نہیں لا سکتا فاتوا بسورة من مثله۔ (البقرہ)

۲) قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں سے کوئی آیت کم نہیں ہو سکتی۔ انا له لحافظون (حجر) اور آج تک کوئی ثابت نہیں کر سکا کہ کوئی آیت کم ہوئی ہو۔

۳) قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ کوئی اس میں اضافہ نہیں کر سکتا' کوئی اس میں غیر

قرآن داخل نہیں کرسکتا لا یا تیہ الباطل من یدیہ ولا من خلفہ -
قرآن مجید کی چھ ہزار سے زائد آیات ہیں اور ہر آیت تین طرح سے معجزہ ہے :

۱) اس کی مثل نہیں

۲) اس میں کمی نہیں ہو سکتی

۳) اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید اٹھارہ ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے اور اتنے معجزات کسی بھی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے
ہمارے نبی علیہ معجزہ بن کے آئے

ان تمام معجزات میں سے ایک بہت بڑا اور عظیم الشان معجزہ، معراج مصطفےٰ علیہ ہے۔
واقعۂ معراج کے حوالے سے علماء امت نے بہت کچھ لکھا ہے، عہد حاضر میں شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنی تصنیف شرح مسلم شریف میں بڑی تفصیل سے اسرار و نکاتِ معراج رقم فرمائے ہیں، ذیل میں زیادہ تر اسی کی تلخیص کی گئی ہے، البتہ بعض فوائد کا دیگر کتب سے اضافہ کیا گیا ہے۔

معراج کا لغوی معنٰی

سیڑھی یا سیڑھی کے ڈنڈے کے مشابہ چیز کو معراج کہتے ہیں، جس کو پکڑ کر روحیں چڑھتی ہیں اور معراج اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر فرشتے چڑھتے ہیں، اس کی جمع معارج ہے۔
معراج کا اصطلاحی معنی رسول اللہ علیہ کا بیداری میں اپنے جسم کے ساتھ آسمانوں تک جانا، پھر اس کے بعد جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، تشریف لے جانا مراد ہے۔

سفر معراج

مکہ مکرمہ سے بیت المقدس، شب کے تھوڑے سے حصہ میں تشریف لے جانا، نص

قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں پر جانا' وہاں کی سیر' جنت و دوزخ کا مشاہدہ' عجائبات قدرت کا نظارہ اور منازل قرب میں پہنچنا' احادیث صحاح ستہ سے ثابت ہے' اس کا منکر گمراہ ہے۔

معراج شریف بحالت بیداری' روح مع الجسد کے ساتھ ہوئی۔ جمہور علمائے اسلام اور کثیر اجلہ صحابہ کرام کا یہی عقیدہ ہے۔

معراج ۲۷/ رجب المرجب' پیر اور سال نبوت کے بارہویں سال ہوئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ معراج شریف کس مقام پر ہوئی۔

امام بخاری' مسلم' ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ حطیم کعبہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھے کہ آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے۔

نسائی اور طبرانی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کے مطابق آپ ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر پر لیٹے ہوئے تھے تو آپ کو معراج کے لئے لے جایا گیا۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر سوئے ہوئے تھے' وہاں سے اٹھ کر حطیم کعبہ چلے گئے' وہاں سے معراج شروع ہوئی' چونکہ ابتداء میں حضرت ام ہانی کے گھر میں تھے' بعد میں حطیم کعبہ چلے گئے' اس لئے دونوں جگہوں کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کے گھر سے اس کی ابتداء ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام ہانی سے آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داری تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت ام ہانی کے گھر کو اپنا گھر کہا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جس رات حضور ﷺ کو معراج ہوئی' آپ کے پاس براق لایا گیا' جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور تھا' اسے لگام ڈالی گئی

تھی‘اس پر زین چڑھائی گئی تھی۔اس نے حضور ﷺ کے سامنے اچھل کود کی تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا‘تم حضور ﷺ کے سامنے ایسے کر رہے ہو؟ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مکرم شخصیت آج تک تم پر سوار ہی نہیں ہوئی۔تب براق تھم گیااور اس کا پسینہ بہنے لگا۔

آیت اسریٰ میں معراج

سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور ہے :

”پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک‘جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں‘بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے“۔

اس میں معراج کا ذکر ہے۔سفر نامہ میں سات چیزوں کا تذکرہ ضروری ہوتا ہے۔

۱...... سفر کس نے کیا	۲...... سفر کس نے کرایا
۳...... سفر کہاں سے کیا	۴...... سفر کہاں تک کرایا
۵...... سفر کس وقت ہوا	۶...... سفر کتنی دیر ہوا
۷...... سفر کس لئے ہوا	

۱...... سفر کس نے کیا؟	اس کے عبد خاص نے۔
۲...... سفر کس نے کرایا؟	سبحان نے۔
۳...... سفر کہاں سے کیا؟	مسجد حرام سے۔
۴...... سفر کہاں تک کیا؟	مسجد اقصیٰ تک۔
۵...... سفر کس وقت ہوا؟	رات کے وقت ہوا۔
۶...... کتنی دیر میں ہوا؟	رات کے قلیل وقت میں ہوا۔
۷...... سفر کس لئے ہوا؟	تاکہ اپنی نشانیاں دکھائے۔

عموماً یہ ہوتا ہے کہ بڑے سفر کریں تو ماتحت سفر کو بیان کرتے ہیں‘وزراء سفر کریں تو

ان کے ساتھ صحابی اس سفر کو بیان کرتے ہیں' مالک سفر کرے تو خادم اس کو بیان کرتا ہے۔
یہاں طرفہ تماشہ ہے' سفر بندے نے کیا اور بیان اس کا مولیٰ کر رہا ہے۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ اگر صحابہ کرام میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہوتا تو اس سفر کی تمام جزئیات کو بڑے کیف اور وجد سے بیان کرتا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اے محبوب! آپ کے اس سفر کو میرے علاوہ اور کوئی پوری طرح نہیں جانتا' اس لئے میرے سوا اس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔
اگر یہ کہا جائے کہ جبرئیل اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پورے سفر میں وہ بھی ساتھ نہیں رہے' بلکہ سدرۃ المنتہیٰ پر وہ بھی یہ کہہ کر ساتھ چھوڑ گئے

:

بگفتا فرا تر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یک سر موئے بر تر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

لفظ سبحان کے اسرار

رات کے قلیل لحہ میں اتنی عظیم الشان سیر کروا کر واپس لے آنا' عادۃً محال تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اگر مخلوق کے لئے محال ہو تو خالق کے لئے محال ہونا عیب ہے"۔

اس لئے فرمایا:

"وہ ہر عیب سے پاک ہے"۔

اس سفر کے ذکر کی ابتداء سبحان سے ہوئی۔ سبحان' اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا ذکر ہے۔
اس کے آخر میں فرمایا:

انہ ھو السمیع البصیر "بے شک وہ سمیع و بصیر ہے"۔

سمیع و بصیر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی صفت ہے' سو اس سفر معراج کی ابتداء بھی ذکر

سے ہوئی اور انتہاء بھی ذکر پر ہوئی۔ سفر معراج سے آپ ﷺ نماز کا تحفہ لے کر آئے' وہ بھی ذکر ہے۔

مادی انسانوں نے ترقی کی اور ان کی معراج یہ ہے کہ چاند پر پہنچے' وہاں جا کر معلوم ہوا کہ چاند پر مٹی ہے' وہ مٹی کے ڈھیلے بطور سوغات ساتھ لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادی معراج میں انسان مٹی سے آگے نہیں نکل سکا اور روحانی معراج میں انسان خدا تک جا پہنچتا ہے۔

عبدہ کے اسرار

آیت کریمہ میں مذکور ہے :

"پاکی ہے اسے جو اپنے (عبد) بندے کو لے گیا"۔

یہاں سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں عبد کیوں کہا گیا۔ رسول کا لفظ کیوں نہیں استعمال کیا؟

جواب یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کے پاس سے بندوں کی طرف آئے اور عبدہ وہ ہے جو بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس جائے۔ یہ اللہ کے پاس جانے کا ذکر تھا' آنے کا نہیں' اس لئے لفظ رسول نہیں' عبد فرمایا ہے۔ بندے تو دنیا میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں ہیں لیکن کامل عبد وہ ہے' جس کو وہ خود کہے یہ میرا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا جہاں بھی ذکر فرمایا' اپنی طرف نسبت کر کے فرمایا :

الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب (الکھف)

"تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن اتارا"۔

الیس اللہ بکاف عبدہ (زمر)

"کیا اللہ اپنے عبد خاص کو کافی نہیں"۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (والنجم)

''پس اس نے اپنے خاص بندے کی طرف وحی کی' جو بھی وحی کی''۔

لیلاً کے اسرار

آنحضرت ﷺ کو رات کے وقت معراج پر لے جانے میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے دو حکمتیں جو علامہ معین الدین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہیں' بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی حکمت تو یہ ہے کہ دو آفتاب ایک آسمان پر اکٹھے نہ ہو جائیں' اس لئے جب منور آفتاب مغرب کے غلاف میں چھپا دیا تو اس آفتاب رسالت ﷺ کو آسمان پر بلایا۔

دوسری حکمت یہ بیان فرمائی تاکہ صدیق اور زندیق میں فرق ہو جائے' کیوں کہ اگر دن ہوتا تو سب لوگ دیکھتے' انہیں معلوم ہو جاتا اور کوئی شبہ نہ رہ جاتا اور کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''صدقت'' اور عتبہ بن ابولہب نے کہا ''کذبت''۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

میرے پاس براق جو کہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور تھا' لایا گیا' جو کہ منتہائے نظر تک قدم رکھتا تھا۔ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے' راستہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا' ہرشہ کی وادی میں یونس بن متی کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار ہیں' جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نماز پڑھتے دیکھا' حتیٰ کہ میری سواری بیت المقدس پہنچ گئی۔ سواری سے اترا اور سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا' جس کے ساتھ انبیاء باندھا کرتے تھے' پھر مسجد میں داخل ہوا' انبیاء علیہم السلام کو منتظر پایا' انہیں دو رکعت نماز پڑھائی' پھر مجھے آسمانوں کی طرف لے جایا گیا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' انہوں نے خوش آمدید کہا اور

مبارک دی' دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ بن زکریا علیہم السلام سے ملاقات ہوئی' تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' جو بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور وہ مقام ہے' جہاں روزانہ ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں' جو ایک دفعہ داخل ہو جائے' اسے دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ پھر میں مقام استواء پر پہنچا' جہاں قلموں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں' اللہ تعالیٰ کے قرب خاص پہ پہنچا' دیدار الٰہی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا' پچاس نمازوں کا تحفہ ملا' واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے بات ہوئی' انہوں نے کہا:

ارجع الی ربک فان امتک لاتطیق

"اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے' کیوں کہ آپ کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھے گی"۔

آپ واپس گئے' ایک روایت کے مطابق دس اور دوسری کے مطابق پانچ معاف ہوئیں' موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے مطابق بار بار جاتے رہے' حتیٰ کہ پانچ باقی رہ گئیں' موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا' واپس جائیے۔

قلت استحیت من ربی "اب مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے' اب نہیں جاؤں گا"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ یہ نمازیں تو پانچ ہیں' لیکن ثواب پچاس کا ہی ملے گا۔ اس کے ساتھ خواتیم سورہ بقرہ (سورہ بقرہ کی آخری دو آیات) کا تحفہ اور امت کے شرک کے سوا باقی گناہوں کی معافی کی بشارت ملی کہ جو شخص نیک کام کا قصد کرے لیکن نہ کرے' اس کے لئے بھی ایک نیکی کا ثواب لکھا جائے گا اور اگر اس نیکی کو کرے گا' تو دس نیکیوں کا ثواب

لکھا جائے گا اور جو شخص برے کام کا قصد کرے اور وہ اس کام کو نہ کرے' تو اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جائے گا اور وہ برا کام کرے' تو اس کے نامہ اعمال میں ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔"

آپ ﷺ کی واپسی

و النجم اذا ھوی "اس پیارے چمکتے تارے' محمد ﷺ کی قسم! جب یہ معراج سے اترے"۔

آپ ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو آپ نے کفار کو تمام باتیں سنائیں' انہوں نے شور مچایا' جھٹلایا' آپ کے خلاف پروپیگنڈہ تیز کر دیا۔ آپ ﷺ سے بیت المقدس کی عمارت کے بارے میں سوالات کئے' حضور ﷺ فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا' حجابات اٹھا دیئے' وہ جو جو سوال کرتے تھے' میں اسے دیکھ کر بتاتا جاتا تھا۔ انہوں نے ملک شام جانے والے قافلوں کے بارے میں دریافت کیا' آپ ﷺ نے قافلے والوں کے بارے میں جو کچھ بتایا' ان قافلوں کی واپسی پر جب ان سے پوچھا گیا' تو انہوں نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی جو کچھ آپ نے بتایا ہے' وہ صحیح ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ معراج کی من و عن تصدیق کرکے صدیق کا لقب پایا۔

زہے عزت و اعتلائے محمد ﷺ
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد ﷺ
مکان عرش ان کا' فلک فرش ان کا
ملک خادمان سرائے محمد ﷺ

معراج شریف

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی

حضور اکرم ﷺ کے آسمانی معجزات میں سے معراج کا واقعہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل اور ہماری مادی دنیا سے بالکل ہی ماورا اور عقل انسانی کے قیاس وگمان کی سرحدوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔

معراج کا دوسرا نام "اسراء" بھی ہے، اسراء کے معنی رات کر چلانا یا رات کو لے جانا، چونکہ حضور اقدس ﷺ کے واقعۂ معراج کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے، اس لیے معراج کا نام "اسراء" پڑ گیا اور چونکہ حدیثوں میں معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے "عُرِجَ بِیْ" (مجھ کو اوپر چڑھایا گیا) کا لفظ ارشاد فرمایا، اس لیے اس واقعہ کا نام "معراج" پڑا۔

احادیث وسیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کو بہت کثیر التعداد صحابہ کرام ؓ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے، جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا ہے۔

معراج کب ہوئی؟

معراج کی تاریخ، دن اور مہینہ میں بہت زیادہ اختلافات ہیں، لیکن اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ معراج نزول وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔ ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) اور امام رافعی وامام نووی نے تحریر فرمایا کہ واقعہ معراج رجب کے مہینے میں ہوا۔ محدث عبدالغنی مقدسی نے رجب کی ستائیسویں بھی متعین کر دی ہے۔ علامہ زرقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض

مورخین کی رائے ہے کہ یہی سب سے زیادہ قوی روایت ہے۔[زرقانی، جلد۱، صفحہ ۳۵۵ تا ۳۵۸]

معراج کتنی بار اور کیسے ہوئی؟

جمہور علماء ملت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ صرف ایک بار ہوئی۔ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء و محدثین نیز صوفیہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (استاد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ) نے تحریر فرمایا:

و الاصح انه کان فی الیقظة بجسده مع روحه و علیه اهل السنة و الجماعة فمن قال انه بروح فقط او فی النوم فقط فمبتدع ضال، مضل، فاسق---[تفسیرات احمدیہ بنی اسرائیل، صفحہ ۴۰۸]

''اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی، یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ معراج فقط روحانی ہوئی یا معراج فقط خواب میں ہوئی، وہ شخص بدعتی و گمراہ اور گمراہ کن و فاسق ہے''-----

دیدار الٰہی

کیا معراج میں حضور ﷺ نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا؟ اس مسئلہ میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ معراج میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور ان حضرات نے **ما کذب الفواد ما رای** کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا، بلکہ معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اور بعض سلف مثلاً حضرت سعید بن جبیر تابعی نے اس مسئلہ میں کہ دیکھا یا نہ دیکھا، کچھ بھی کہنے سے توقف فرمایا۔ مگر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت نے یہ فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔[شفاء، جلد۱، صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱]

چنانچہ عبداللہ بن الحارث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کوئی کچھ بھی کہتا رہے لیکن ہم بنی ہاشم کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ نے یقیناً اپنے رب کو معراج میں دو مرتبہ دیکھا۔ یہ سن کر حضرت کعب نے اس زور کے ساتھ نعرہ مارا کہ پہاڑیاں گونج اٹھیں اور

فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا اور حضرت محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے "ما کذب الفؤاد ما رای" کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ "رایت ربی" یعنی میں نے اپنے رب کو دیکھا!

محدث عبدالرزاق ناقل ہیں کہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اس بات پر حلف اٹھاتے تھے کہ یقیناً حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض متکلمین نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا اور ابن اسحٰق ناقل ہیں کہ حاکم مدینہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "جی ہاں"۔

اس طرح نقاش نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب کا قائل ہوں کہ حضور ﷺ نے خدا کو دیکھا، دیکھا، دیکھا۔ اتنی دیر تک وہ دیکھا، دیکھا کہتے رہے کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔ [شفاء، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۰]

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شریک بن عبداللہ سے جو معراج کی روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے:

حتی جاء سدرة المنتهی و دنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی ------ [بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۱۲۰، باب قول اللہ وکلم اللہ]

"حضور ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لائے اور عزت والا جبار (اللہ تعالیٰ) یہاں تک قریب ہوا اور نزدیک آیا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا"------

بہرحال علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا دیدار کیا۔

اس معاملہ میں روایت کے علاوہ ایک روایت بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی شوکت و شان اور آن بان کے ساتھ اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر بلایا اور خلعت گاہ راز میں "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" کے ناز و نیاز کے کلاموں سے سرفراز بھی فرمایا مگر ان بے پناہ عنایتوں کے باوجود اپنے حبیب کو اپنا دیدار نہیں کرایا اور حجاب فرمایا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

تو یہ ایک ایسی بات ہے جو مزاج عشق ومحبت کے نزدیک مشکل ہی سے قابل قبول ہوسکتی ہے کیوں کہ کوئی شان دار میزبان اپنے شان دار مہمان کو اپنی ملاقات سے محروم رکھے اور اس کو اپنا دیدار عطا نہ فرمائے۔ یہ عشق ومحبت کا ذوق رکھنے والوں کے نزدیک بہت ہی ناقابل فہم بات ہے، لہٰذا ہم عشق بازوں کا گروہ تو امام احمد بن حنبل ﷫ کی طرح اپنی آخری سانس تک یہ کہتا رہے گا:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب خدا ہی نہ چھپا، تم پہ کروڑوں درود [اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ]

مختصر تذکرۂ معراج

معراج کی رات آپ ﷺ کے گھر کی چھت کھلی اور ناگہاں حضرت جبریل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ ﷺ کو حرم کعبہ میں لے جا کر آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا، پھر ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ ﷺ کے سینے میں انڈیل کر شکم کا چاک برابر کر دیا، پھر آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لائے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کو آپ ﷺ نے اس حلقہ میں باندھ دیا جس میں انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے تمام انبیاء اور رسولوں کو جو وہاں حاضر تھے، دو رکعت نماز نفل جماعت سے پڑھائی۔ [تفسیر روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۱۲]

جب یہاں سے نکلے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے، آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو پسند فرمایا، اگر آپ ﷺ شراب کا پیالہ اٹھالیتے تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ ﷺ کو ساتھ لے کر آسمان پر چڑھے، پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے، دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام سے، جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ملاقاتیں ہوئیں اور کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے اور ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ بوقت ملاقات ہر پیغمبر نے خوش آمدید! اے پیغمبر صالح کہہ کر

آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ پھر آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی، اس کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے، اس درخت پر جب انوار الٰہی کا پرتو پڑا تو ایک دم اس کی صورت بدل گئی اور اس میں رنگ برنگ کے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کی کیفیتوں کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السلام یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ اب اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت حق جل جلالہ نے آپ ﷺ کو عرش بلکہ عرش کے اوپر جہاں تک اس نے چاہا بلا کر آپ ﷺ کو باریاب فرمایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی، چنانچہ قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اس حقیقت کو بیان فرما دیا ہے۔ بارگارہ الٰہی سے بے شمار عطیات کے علاوہ تین خاص انعامات مرحمت ہوئے جن کی عظمتوں کو اللہ جل جلالہ اور رسول ﷺ کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

۱) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں

۲) یہ خوش خبری کہ آپ ﷺ کی امت کا ہر وہ شخص جس نے شرک نہ کیا ہو بخش دیا جائے گا

۳) امت پر پچاس وقت کی نماز

جب آپ ﷺ ان خداوندی عطیات کو لے کر واپس پھرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی امت سے ان پچاس نمازوں کا بار نہ اٹھ سکے گا، لہٰذا آپ ﷺ واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کیجیے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے چند بار آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں آتے جاتے اور عرض پرداز ہوتے رہے، یہاں تک کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ میرا قول بدل نہیں سکتا، اے محبوب! آپ ﷺ کی امت کے لیے یہ پانچ نمازیں بھی پچاس ہوں گی۔ نمازیں تو پانچ ہوں گی مگر میں آپ ﷺ کی امت کو ان پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا اجر و ثواب عطا کروں گا۔

پھر آپ ﷺ عالم ملکوت کی اچھی طرح سیر فرما کر اور آیات الٰہیہ کا معاینہ و مشاہدہ فرما کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں آپ ﷺ نے بیت المقدس سے مکہ مکرمہ تک کی تمام منزلوں اور قریش کے قافلہ کو بھی دیکھا۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے بعد آپ ﷺ مسجد حرام میں پہنچ کر چونکہ ابھی رات کا کافی حصہ باقی تھا، سو گئے اور صبح کو بیدار ہوئے۔ جب رات کے واقعات کا آپ ﷺ نے قریش کے سامنے تذکرہ فرمایا تو رؤسائے قریش کو سخت تعجب ہوا، یہاں تک کہ

بعض کور باطنوں نے آپ ﷺ کو جھوٹا کہا اور بعض نے مختلف سوالات کیے، چونکہ اکثر روسائے قریش نے بار بار بیت المقدس کو دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ کبھی بھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لیے امتحان کے طور پر ان لوگوں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے درودیوار اور اس کی محرابوں وغیرہ کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ ﷺ کی نگاہ نبوت کے سامنے بیت المقدس کی پوری عمارت کا نقشہ پیش فرما دیا، چنانچہ کفار قریش آپ ﷺ سے سوال کرتے جاتے تھے اور آپ ﷺ عمارت کو دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جاتے تھے۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، کتاب الانبیاء، کتاب التوحید، باب المعراج وغیرہ/ ومسلم، باب المعراج وشفاء، صفحہ ۱۸۵/ تفسیر روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۴ تا ۱۰ وغیرہ کا خلاصہ]

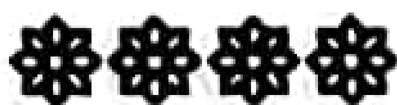
سفر معراج کی سواریاں

امام علائی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ معراج میں حضور ﷺ نے پانچ قسم کی سواریوں پر سفر فرمایا، مکہ سے بیت المقدس تک براق پر، بیت المقدس سے آسمان اول تک نور کی سیڑھیوں پر، آسمان اول سے ساتویں آسمان تک فرشتوں کے بازوؤں پر، ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبریل علیہ السلام کے بازو پر اور سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک رف رف پر۔ [تفسیر روح المعانی، جلد ۱۵، صفحہ ۱۰]

سفر معراج کی منزلیں

بیت المقدس سے مقام قاب قوسین تک پہنچنے میں آپ ﷺ نے دس منزلوں پر قیام فرمایا اور ہر منزل پر کچھ گفتگو ہوئی اور بہت سی خداوندی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا:

۱)...... پہلا آسمان ۲)...... دوسرا آسمان
۳)...... تیسرا آسمان ۴)...... چوتھا آسمان
۵)...... پانچواں آسمان ۶)...... چھٹا آسمان
۷)...... ساتویں آسمان ۸)...... سدرۃ المنتہیٰ
۹)...... مقام مستویٰ جہاں آپ ﷺ نے قلم قدرت کے چلنے کی آوازیں سنیں
۱۰)...... عرش اعظم [تفسیر روح المعانی، جلد ۱۵، صفحہ ۱۰]



سفرِ معراج کی عظمتیں

پروفیسر خلیل احمد نوری

سرکار دو عالم ﷺ کے جلیل القدر اور عظیم الشان معجزات میں سفر معراج سرفہرست ہے۔ بلاشبہ یہ سفر سعادت حضور ﷺ کی بے پناہ عظمتوں کا آئینہ دار اور مقام رسول عربی (علیہ التحیۃ والثناء) کا مظہر ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم کی آیات، مشہور حدیث معراج اور اس سلسلے کی دیگر روایات کو یک جا کیا جائے تو جہاں حیرت واستعجاب سے بھرپور، دل کش وخوب صورت اور مسحور کن سفر نامہ ترتیب پاتا ہے، وہاں قدم قدم پر رسول اکرم ﷺ کی عظمت ورفعت کے مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ علو مرتبت کے لاتعداد نمونے ملتے ہیں اور ہر آن اعزاز واکرام مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کی ایک انوکھی شان سامنے آتی ہے۔

کہیں قائد ملائکہ قدسیوں کے جلو میں "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کی صدا بلند کر رہا ہے، نور کی سواری پیش خدمت ہے، میلوں کی مسافتیں آن واحد میں طے پاتی ہیں، انبیاء وملائکہ منتظر ہیں، اوّل وآخر کے راز سے پردے اٹھ رہے ہیں۔

کہیں ہفت افلاک کی تسخیر ہے، انبیاء ورسل مرحبا کے نعرے بلند کر رہے ہیں---اور---

یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، جو رب العالمین اور مخلوق کے درمیان حد فاصل ہے، لیکن یہاں نہ کوئی فاصل حائل ہے اور نہ ہی فصل کا وجود باقی ہے۔ وصال کے لمحے ہیں---حرم الٰہی تک رسائی ہے---نور السمٰوت و الارض عیاں ہے اور جان جہاں ﷺ محو دید ہیں۔ عزت افزائی ہے، استقبال ہے، محبّ ومحبوب کی رازدارانہ باتیں ہیں اور دل ربائی اور دل نوازی کی ساعتیں ہیں۔ ایک بڑے خطہ زمین، ہفت افلاک اور لامکاں کی طویل ترین مسافت وسیاحت کے بعد جب لوٹتے ہیں تو بستر مبارک ابھی گرم ہے، وضو کے پانی میں روانی ہے اور دروازے کی کنڈی ہل رہی ہے۔

غرض کہ سفر معراج ایسا معجزہ ہے جو تاج دار انبیاء ختم الرسل ﷺ کی عظمت کا نقطہ معراج ہے، جس سے اہل ایمان کو تازگی ملتی ہے اور عاشقوں کو وجدانی کیفیات سے آشنائی نصیب ہوتی ہے۔ زیر نظر میں چند پہلوؤں کا تذکرہ مطلوب ہے:

مشاهدۂ غیب الغیوب

اللہ تعالیٰ ﷻ کا یہ طریقہ مبارکہ ہے کہ وہ انبیاء کرام کو ان امور غیبیہ سے مطلع فرماتا ہے جو عام لوگوں کی نظروں میں پنہاں ہوتے ہیں لیکن ان کے لیے ان پر یقین رکھنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات، ملائکہ کا وجود، جنت ودوزخ، بعث بعد الموت، حشر ونشر، یوم قیامت اور عذاب وثواب کے مراحل وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کا علم ویقین، کمال درجے کا ہونا چاہیے، ایسا یقین جو دوسروں کو منتقل بھی کیا جا سکے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں:

❶ ......وہ علم جو تفکر وتدبر اور استدلال کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اسے علم الیقین کہتے ہیں۔

❷ ......جو کسی چیز کو محض دیکھ لینے سے حاصل ہوتا ہے، یہ عین الیقین ہے۔

❸ ......علم کا تیسرا درجہ وہ ہے جو سب سے بلند، تشکیک وتذبذب کے شائبے سے پاک اور حتمی وقطعی ہے، اسے حق الیقین کہا جاتا ہے، جو انسان کے ذاتی تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام کو جن امور کا علم دوسروں تک منتقل کرنا اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دینا مطلوب ہوتا ہے، جب تک وہ علم خود ان کے پاس بتمام وکمال موجود نہ ہو تو دوسروں تک اسے کیسے منتقل کریں گے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام کو مکاشفات اور مشاہدات کے ذریعے ان غیوب سے مطلع فرماتا ہے۔ چناں چہ ان کی ابتدائی زندگی میں ایسا لمحہ آتا ہے، جب نظم کائنات کے قوانین منسوخ کر دیے جاتے ہیں، حجابات رفع ہوتے ہیں اور ملکوت السمٰوت والارض ان پر ایسے عیاں ہوتے ہیں، جیسے ہاتھ کی ہتھیلی۔ چناں چہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ

سورۃ الانعام میں بیان ہوا ہے:

﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾---[الانعام:۷۶]

"اور اس طرح ہم ابراہیم کو ملکوتِ سماوات و ارض کا مشاہدہ کرواتے رہے"---

﴿وَ لِیَکُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِیۡنَ﴾---[الانعام:۷۶]

"تا کہ وہ اصحابِ یقین میں سے ہو جائے"---

حضرت سیدنا ابراہیم ؑ کے ایک دوسرے مشاہدے اور مکاشفے کا ذکر سورۃ البقرۃ میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ﴾---[البقرۃ:۲۶۰]

"اور جب ابراہیم نے عرض کی، اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ پوچھا کیا تو یقین نہیں رکھتا؟ عرض کی، کیوں نہیں، لیکن دل کی کامل تسلی مطلوب ہے"---

چناں چہ حیات بعد الموت کی کیفیت کو حضرت سیدنا ابراہیم ؑ کے لیے بے حجاب کر دیا گیا۔ حضرت سیدنا موسیٰ ؑ کے مشاہدہ کے لیے جلوۂ حق کا پرتو نمودار ہوا تا کہ وہ کامل علم سے بہرہ ور ہو کر فرعون کے پاس جائیں، جو خود کو "ربُّ الاعلیٰ" کے مرتبے پر فائز سمجھتا ہے۔ نیز حضرت سیدنا خضر ؑ کے ساتھ خاص مدت تک پھرایا گیا، کہ وہ دیکھ سکیں گے کہ دنیا کا نظام کس طرح اللہ تعالیٰ ﷻ کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔

امام الانبیاء ختم الرسل ﷺ کو بھی متعدد مرتبہ ان ہی کیفیات سے گزارا گیا، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ علماء کرام کے اقوال کے مطابق اس نوعیت کے مشاہدات و تجربات آپ ﷺ کو چونتیس مرتبہ ہوئے۔ مثلاً آپ ﷺ نمازِ کسوف ادا فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ آگے بڑھایا، پھر قدرے پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد صحابہ کرام ؓ نے اس کی وجہ پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیۡ رَاَیۡتُ الۡجَنَّۃَ فَتَنَاوَلۡتُ مِنۡھَا عُنۡقُوۡدًا وَّ لَوۡ اَصَبۡتُہٗ لَاَ کَلۡتُمۡ مِنۡہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنۡیَا---[صحیح البخاری، کتاب الکسوف]

"میں نے ابھی جنت کو دیکھا، جس میں انگور کے خوشے لٹک رہے تھے، میں نے چاہا کہ توڑ لوں اور اگر میں توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے"---

ایک بار مدینہ طیبہ سے باہر ٹیلے پر چڑھے اور استفسار کیا:

"لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمھیں بھی نظر آرہا ہے؟"---

لوگوں نے جواب نفی میں دیا، تو فرمایا:

اِنِّیْ لَاَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ---

"یقیناً میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی بارش ہوتے دیکھ رہا ہوں"---

ایک بار ارشاد فرمایا:

رَأَیْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَھَا---

"میں نے زمین کے مشرق و مغرب کے اُفقوں کو دیکھ لیا ہے"---

یوں بھی ہوا کہ خواب میں جلوۂ حق بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا۔ حق تعالیٰ ﷻ نے دریافت فرمایا:

"اے محمد! (ﷺ) کیا تم جانتے ہو کہ فرشتوں کی گفتگو کا موضوع کیا ہے؟"---

آپ فرماتے ہیں:

"میں نے عرض کی، نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ﷻ نے میری پیٹھ پر کندھوں کے درمیان اپنا دستِ قدرت رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینے تک سرایت کر گئی:

فَعَلِمْتُ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ---

"اور زمین و آسمان کی تمام چیزیں میرے لیے عیاں ہو گئیں"---

پھر استفسار ہوا:

"اب بتلاؤ کہ ملائکہ کا موضوع بحث کیا ہے؟ تو میں نے تمام تفصیلات بتلا دیں"---[ترمذی]

گویا جس قسم کے مشاہدات و مکاشفات اور تجربات دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی میں کبھی کبھار لاحق ہوتے تھے، آں حضور ﷺ کو تقریباً ہر روز ہی اس سے مشرف کیا جاتا تھا۔ لیکن جس طرح نبوت و رسالت کے اور پہلوؤں کو آپ ﷺ پر کامل کر دیا گیا تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے انفرادی معجزات و خوارق کو آپ ﷺ کی ذات میں اس طرح مجتمع کر دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ:

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے مصداق بن گئے تھے۔ اسی طرح مشاہدۂ ملکوتِ سماوات و ارض اور جمالِ الٰہی کو بے حجابانہ دیکھنے کی کیفیت کو بھی آپ ﷺ کے لیے مختص کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے وہ مشاہدے، جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کے لیے معراج ہیں، مگر ایسی معراج تو حضور ﷺ کو بار بار ہوتی رہی۔

ضرورت تھی کہ آپ ﷺ کو معراج کے اس درجے سے نوازا جائے، جو اس رسولِ معظم و نبی محتشم ﷺ کو باقی انبیاء علیہم السلام سے ممتاز کر دے، جیسے نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہے، اسی طرح معراج و مشاہدہ کا بھی وہ درجہ میسر آئے، جس کے بعد کوئی اور درجہ نہ ہو۔ چناں چہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ﷻ نے اپنی ذات کا اس قدر قرب عطا فرمایا کہ دو کمانوں کا فاصلہ تھا، بلکہ اس سے بھی کم۔ گویا یہ معراج کا بھی نقطۂ عروج تھا، جس پر آپ ﷺ فائز ہوئے۔

معراج اور نسبت عبدیت

اس جلیل القدر اور رفیع المرتبت معجزے کا ذکر قرآنِ حکیم نے آپ ﷺ کی نسبت عبدیت کے حوالے سے کیا ہے اور اس مقام پر نبوت و رسالت کے منصب کا ذکر نہیں ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾---[بنی اسرائیل:۱]

اور سورۃ النجم میں بھی فرمایا:

﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾---[النجم:۱۰]

اصل میں قرآنِ مجید کی یہ روش ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ ﷻ کے الطاف وعنایات اور خصوصی عطا کا ذکر ملتا ہے، وہاں آپ ﷺ کی اس صفتِ عبدیت کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں نسبتِ عبدیت، نسبتِ نبوت و رسالت سے اعلیٰ ہے۔ رسالت میں نزول ہے اور عبدیت میں عروج۔ کیوں کہ فریضۂ نبوت کو ادا کرتے وقت نبی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مقامِ عبدیت میں اپنے معبود کے جلووں میں گم ہوتا ہے۔ وہاں مخلوق کی طرف رخ تھا، یہاں خالق کی طرف۔ سو وہ لمحہ جو تجلیاتِ ربانی میں بسر ہو، مخلوق میں گزرنے والے لمحے سے افضل ہوا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کی تفہیم کے لیے بارش کے نظام کی تمثیل بیان کی ہے۔ بارش کا نظام یہ ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں، جو بادلوں کی شکل اپنا کر ہواؤں کے دوش پر تیرتے ہوئے پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یہ پانی بارش کی صورت میں زمین پر نازل ہوتا ہے۔ اس نظام پر غور کریں کہ سمندر میں پانی عملِ کشید و تطہیر سے گزر کر لطیف و نظیف ہو جاتا ہے، تو پھر اسے عروج ملتا ہے اور وہ اوپر اٹھتا ہے۔ پھر جب یہی پانی زمین پر نازل ہوتا ہے تو فضائی اور زمینی کثافتیں اور آلودگیاں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ گویا پانی جب فضا اور زمین کو دھوتا ہے تو خود کو گدلا کر لیتا ہے لیکن دوبارہ سمندر میں پہنچنے کے بعد پھر لطافت سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور بخارات بن کر محوِ پرواز ہو جاتا ہے۔

بلا تمثیل نبی اکرم ﷺ راتوں کو بیدار رہ کر قیام فرماتے اور عبادت و ریاضت اور خدا کی یاد کی لذت اس قدر غالب آتی کہ پاؤں متورم ہونے کا بھی احساس نہ ہوتا، یہ سب عروجی کیفیات ہوتیں۔ جب دن کے اجالے میں منصبی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوتے تو لوگ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کے تیر چلاتے۔ کاہن، ساحر اور مجنون وغیرہ کہہ کر پکارتے، تو یہ سب کچھ آپ ﷺ کے قلب منور پر تکدر طاری کر دیتا۔ اس کیفیت کو قرآنِ پاک نے بیان فرمایا ہے:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ﴾---[الانعام:۳۳]

"(اے محبوب!) ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو غم گین کر دیتی ہیں"---

اور آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے:

﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo﴾---[القلم:۲]

"(اے محبوب!) آپ اپنے پروردگار کی عطا سے مجنون نہیں ہیں"---

بلکہ:

﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍo﴾---[القلم:۴]

"آپ تو بلند اخلاق کے حامل ہیں"---

لیکن بایں ہمہ کفار کی ہٹ دھرمی اور ایمان کی دولت سے محرومی اور تہی دستی آپ ﷺ کی طبع مبارک کو گھلا کر رکھ دیتی۔ قرآنِ پاک نے فرمایا ہے:

﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًاo﴾---[الکہف:۶]

"شاید قرآنِ مجید پر ایمان نہ لانے سے غم کے باعث آپ خود کو ہلاک کر ڈالیں گے"---

چناں چہ غم خوارِ انسانیت ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ جب ایسی کیفیات سے گزرتی، تو حکم ہوتا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُo قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاo نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًاo اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًاo اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًاo اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًاo اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًاo وَ اذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًاo﴾---[المزمل:۱تا۸]

"اے چادر لپیٹنے والے والے محبوب! رات کو (نماز کے لیے) قیام فرمایا کریں

مگر تھوڑا، یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس پر کچھ بڑھا دیا کریں اور (حسبِ معمول) قرآن خواب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں، بے شک ہم جلد ہی اِلقا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام، یقیناً رات کا اُٹھنا (نفس پر) قوی دباؤ ڈالتا ہے اور اُس وقت بات بہت سیدھی نکلتی ہے، بلاشبہ آپ کو دن میں بڑی مصروفیات ہیں اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کیجیے اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہیے"---

اس طرح آپ ﷺ رات کو عبداللہ بن کر عروجی صفت سے متصف ہوتے۔ حاصل یہ کہ نسبتِ عبدیت آپ ﷺ کے لیے بلند ترین نسبت تھی۔ اس لیے عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے موقع پر یہی مناسب و موزوں تھا کہ باقی نسبتوں کو چھوڑ کر نسبتِ عبدیت کا ذکر کیا جاتا۔

سفرِ معراج کے تین مراحل کا فلسفہ

سفرِ معراج کے تین مراحل ہیں:

1. ......حرم مکہ سے بیت المقدس تک
2. ......بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک
3. ......سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی بھی تین حیثیات ہیں:

1. ......بشری حیثیت
2. ......ملکوتی اور نورانی حیثیت
3. ......حقیقتِ محمدی (ﷺ)

سفر کے پہلے مرحلے میں بشریت کا اظہار ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کی بشری قوتیں نقطۂ کمال کو چھو رہی ہیں۔ آپ ﷺ عام انسانوں کی طرح مادی لوازم کے محتاج نہیں اور نہ ہی عالمِ بشریت کی حدود و قیود کے پابند ہیں۔

دوسرے مرحلے میں آپ ﷺ کی ملکوتی و نورانی صفت کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ عام انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کے باوجود نورانی حیثیت کے حامل ہیں۔

تیسرے مرحلے میں حقیقتِ محمدی کا اظہار مطلوب تھا کہ یہی واحد ذات ہے، جو حسن و جمالِ ازلی کا اس شان سے مشاہدہ کرنے کی تاب رکھتی ہے کہ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی﴾۔ اس میں حکمت بھی تھی کہ ذاتِ حق کے جلووں سے متصف ہو کر آپ ﷺ حقیقت کے درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔ چناں چہ امام عبدالوہاب شعرانی رقم طراز ہیں:

اِنَّہٗ اِذَا مَرَّ عَلٰی حَضَرَاتِ الْاَسْمَاءِ الْاِلٰھِیَّۃِ صَارَ مُتَخَلِّقًا بِصِفَاتِھَا، فَاِذَا مَرَّ عَلَی الرَّحِیْمِ کَانَ رَحِیْمًا، وَ عَلَی الْغَفُوْرِ کَانَ غَفُوْرًا، وَ عَلَی الْکَرِیْمِ کَانَ کَرِیْمًا، وَ عَلَی الْحَلِیْمِ کَانَ حَلِیْمًا، وَ عَلَی الشُّکُوْرِ کَانَ شُکُوْرًا، وَ عَلَی الْجَوَّادِ کَانَ جَوَّادًا، وَ ھٰکَذَا فَمَا یَرْجِعُ مِنْ ذَالِکَ الْمِعْرَاجِ اِلَّا وَ ھُوَ فِیْ غَایَۃِ الْکَمَالِ---[الیواقیت والجواہر، جلد۲، صفحہ۳۶]

''آپ اسماءِ الٰہیہ کے مقامات سے گزرے تو آپ ﷺ ان صفات سے متصف ہوتے چلے گئے۔ جب اسم ''الرحیم'' کے مقام سے گزرے تو رحیم ہو گئے اور اسم ''الغفور'' سے گزرے تو غفور، اسم ''الکریم'' سے گزرے تو کریم ہو گئے اور جب اسم ''الحلیم'' سے گزرے تو حلیم اور جب اسم ''الشکور'' سے گزرے تو شکور ہو گئے۔ لہٰذا جب آپ ﷺ معراج سے لوٹے تو آپ ﷺ ہر کمال کی انتہا کو چھو رہے تھے''---

امامتِ کبریٰ

بیت المقدس میں انبیاء و ملائکہ کا عظیم اجتماع آپ ﷺ کی آمد کا منتظر تھا، ارواحِ انبیاء سے ملاقات ہوئی تو حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے تعارف کرواتے ہوئے کہا:

''اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، جس نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، فرشتوں کا مسجود بنایا اور تمام نبیوں کو میری ذرّیت قرار دیا''---

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو اجابت سے سرفراز کیا، کشتی کے ذریعے غرق ہونے سے بچایا اور نبوت عطا فرمائی''---

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

''مجھے خلیل بنایا، میرے لیے آگ کو گلزار کیا اور ملکِ عظیم عطا کیا''---

یوں ہی حضرات سیدنا موسیٰ، داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام کے تعارف و خطبے بھی کتب میں مذکور ہیں۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَ کَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ اَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْہِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ جَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَ جَعَلَ اُمَّتِیْ امۃً وَّسَطًا وَّ جَعَلَ اُمَّتِیْ ھُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْاٰخِرُوْنَ وَ شَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَ وَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَ رَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَ

جَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّ خَاتَمًا---[المواهب اللدنيه و زرقانی، جلد۶، صفحہ۵۲]

''تعریف ہے اس معبود کی جس نے مجھے سب جہانوں کے لیے رحمت اور بشیر ونذیر بنایا۔ مجھ پر ایسی کتاب نازل کی، جس میں ہر شے کا واضح بیان موجود ہے۔ تمام امتوں سے میری امت کو بہتر اور وسط بنایا اور ایسی امت ہونے کا اعزاز بخشا کہ وہی اوّل و آخر ہے۔ میرے لیے میرے سینے کو کشادہ کر دیا، مجھ سے بوجھ اتارا اور میرے ذکر کو بلند کیا۔ مجھے فاتح وخاتم بنایا''---

یہ سن کر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گروہِ انبیاء علیہم السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

بِهٰذَا فَضَّلَکُمْ مُحَمَّدًا---

''ان ہی خصائص کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم سب پر فضیلت حاصل ہے''---

آسمانوں پر استقبال کے لیے انتخاب انبیاء کی حکمت

حدیثِ پاک میں ہے:

''پہلے آسمان پر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے، دوسرے پر حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام نے، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام نے، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام نے، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سید ہر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا''---

ان آٹھ انبیاء کرام علیہم السلام کے انتخاب میں کیا حکمت تھی؟ اس پر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی توجیہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے، جسے یہاں بتغیرِ قلیل نقل کیا جاتا ہے:

''مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء علیہم السلام کی ملاقات بہت سی نصائح دینی پر مشتمل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہانِ عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے سارے راستے میں اپنے دربار تک درجہ بدرجہ امراءِ عظام کو مقرر کیا کرتے تھے، اسی طرح ان انبیاء کرام علیہم السلام کا تعین بھی آسمانِ اوّل سے آسمانِ ہفتم تک کیا گیا۔

آدم علیہ السلام اوّل البشر ہیں، اوّل الانبیاء ہیں، اس لیے ان کا تعلق آسمانِ اوّل سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے ترکِ جنت کا الم برداشت فرمایا تھا مگر جب زمین پر تشریف لائے اور خلافتِ ارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد ورفقاء سے زمین آباد ہو گئی، تب ان کا وہ الم مبدل بہ سرور ہو گیا۔

اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَ اللّٰه (مکہ مکرمہ)

ترک فرمانے والے تھے، مگر اقامت مدینہ منورہ اور اشاعتِ اسلام ونشرِ علوم کے بعد فتح ونصرت کے اعلام بلند ہوئے تو آپ ﷺ کا بھی الم ترکِ مکہ، متبدل بہ سرور ہو گیا۔

یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام میں قرابت بھی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اصطباغ بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوالِ زہد وتقویٰ میں بھی دونوں متحد الاحوال تھے۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر یعنی دوسرے آسمان پر حضور ﷺ کو ملے۔ دونوں کو ہمارے نبی ﷺ کے زہد وتوکل اور اعراض عن الخلق کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چھوڑا تھا اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اکمال صداقت اور اتمامِ حقانیت کا حضور ﷺ کے ہاتھوں پر پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال مبارکہ کو نبی کریم ﷺ سے مماثلت کلی ہے۔ دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحان شاقہ دینے پڑے۔ دونوں میں عفو وکرم کا وفور ہے۔ دونوں نے اخوانِ پیشہ کو ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کے مژدہ سے جاں بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحبِ امر وحکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ وجلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

چوتھے فلک پر حضرت ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرتِ درس اور شغف تعلیم میں ادریس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت ہمارے نبی ﷺ کی تھی۔ ﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ حضور ﷺ ہی کے لیے فرمایا گیا ہے۔

پانچویں فلک پر حضرت ہارون علیہ السلام ملے۔ ہارون علیہ السلام اپنی قوم وامت میں ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے اور یہی انوار ہمارے نبی ﷺ میں بھی واضح اور آشکار ہیں۔

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحبِ شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی، غازی ومجاہد بھی اور مہاجر ومناظر بھی۔ ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں، ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور یہی کعبۂ آسمانی بیت المعمور کے مہتمم ہیں، یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمٰن ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ نے کعبہ کو ارجاسِ اوثان سے پاک کیا اور آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق

اللہ تعالیٰ ﷻ نے امت محمد یہ کے لیے کعبہ کو قبلۂ نماز بنایا اور آپ ﷺ ہی نے ملت حنیفہ کو زندہ فرمایا اور آپ ﷺ ہی نے درود شریف میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا اور ہمارے نبی ﷺ حلیہ کے لحاظ سے بھی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔

ہمارے نبی ﷺ پھر یہاں سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔ گویا آپ ﷺ کو مقام ابراہیم، بیت المعمور سے بھی اوپر رفعت حاصل ہوئی، تو اس سے یہ ظاہر ہے کہ مقام ابراہیم سے بھی اوپر تشریف لے جانے والے حضور ﷺ ہی مقام محمود والے ہیں اور وہی ﷺ ''آدَمُ وَ مَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ'' فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں''---

[رحمۃ للعالمین، جلد ۳، صفحہ ۱۳۲-۱۳۲]

بڑھ اے محمد ﷺ قریں ہو احمد ﷺ

حضور سید المرسلین ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے، جو اس سفر کا حاصل اور خلاصہ تھا۔ ذات باری تعالیٰ کے قریب ہوئے پھر اور قریب ہوئے۔ لامکاں کے مکین نے اپنے حرم خاص سے آگے بڑھ کر اپنی شان کے لائق استقبال کیا:

﴿ثُمَّ دَنَا﴾---[النجم: ۸] ''پھر حضور قریب ہوئے''---

﴿فَتَدَلّٰی o﴾---[ایضاً] ''اور پھر جلوۂ حق بھی قریب ہوا''---

یہاں تک کہ قوسین یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ بہر حال یہ وہ مقام ہے، جس کے بیان کے لیے الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے اور اس حقیقت کو معانی و الفاظ کا پہناوا نہیں پہنایا جا سکتا۔ ہاں، مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کا قصیدہ بڑی معاونت کرتا ہے:

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے، اُسی سے ملنے، اُسی سے، اُس کی طرف گئے تھے

زمان و مکان کی وسعتیں سمٹ گئیں

سفرِ معراج سے واپسی ہوئی تو بستر مبارک گرم، وضو کا پانی رواں اور کنڈی ہل رہی تھی۔ یہ سب عظمت رسولِ اکرم ﷺ کے مظاہر ہیں۔ ربِ قدوس و سبوح کی قدرت سے یہ سب کچھ نہ بعید ہے اور نہ ناممکن۔ نصِ قرآنی اس پر شاہد ہے کہ بعض لوگوں کے لیے زمان و مکان کی وسعتیں سمیٹ دی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی رضی اللہ عنہ نے ملکہ سبا کا تخت نو سو میل کی مسافت سے پلک جھپکنے کی مدت میں لاکر پیش کر دیا۔ قرآن نے کہا:

﴿فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾---[النمل:۴۰]
"سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے سامنے (پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں) موجود پایا، تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے"---

یوں ہی قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ اصحابِ کہف تین سو نو سال تک غار میں سوتے رہے، جب اٹھے تو:

﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ کَمْ لَبِثْتُمْ ط قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ﴾---[الکہف:۱۹]
"ان میں سے ایک کہنے والے نے پوچھا، تم کتنا عرصہ تک یہاں رہے ہو؟ وہ بولے ایک دن یا ایک دن سے کم"---

اسی طرح حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام کا واقعہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہے کہ ان پر ایک سو سال تک موت طاری رہی اور جب حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

﴿کَمْ لَبِثْتَ﴾--- "تم کتنا عرصہ لیٹے رہے ہو"---

تو جواب دیا:

﴿لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ﴾---[البقرہ:۲۵۹]
"ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ یہاں ٹھہرا رہا ہوں، فرمایا، نہیں، بلکہ تم سو سال تک یہاں رہے ہو"---

مندرجہ بالا تینوں واقعات میں صحابیِ سلیمان علیہ السلام، اصحابِ کہف اور عزیر علیہ السلام کے لیے زمان و مکان کی حدود سمیٹا جا سکتا ہے تو ختمی مرتبت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ سب کچھ کیوں کر ناممکن ہو سکتا ہے؟ نا معلوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم جل جلالہ کے حضور میں کتنا عرصہ گزارا، کتنی صدیاں بسر ہوئیں اور اس مدت میں زمین و آسمان کی ساری مشینری کو ایک نقطے پر منجمد کر دیا گیا، واپس ہوئے تو یہ مشینری اسی نقطے سے پھر متحرک ہو گئی۔

عظیم معاشرت کے اصول

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہجرت سے کچھ عرصہ قبل پیش آیا اور مؤرخین و مفکرین اسلام اس پر متفق ہیں کہ ہجرت کا واقعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا اہم موڑ اور اسلامی مملکت کے قیام کا نقطۂ آغاز ہے۔ اسی سے عزت و افتخارِ ملتِ اسلامیہ کے دھارے پھوٹ رہے ہیں۔ چناں چہ اس موڑ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں بلا کر آئندہ کا لائحہ عمل بتایا اور

اسلامی مملکت کے خدوخال واضح کیے۔ بین السطور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ کفار کی ستم رانیوں کے دن اب گنے جاچکے ہیں اور مسلمان مظلومی کی زندگی کو خیر باد کہنے والے ہیں۔ چناں چہ جہاں سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا سفرِ معراج کے بیان سے ہوئی، وہیں اس سورت میں آگے چل کر ان خطوط سے بھی آگاہ کردیا گیا، جو اسلامی مملکت کے اصول ہوں گے۔ وہ یہ ہیں:

1 اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کی جائے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ﴾---[بنی اسرائیل:۲۳]

2 والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں:

﴿وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾---[ایضاً]

3 رشتہ داروں، غریبوں اور بے یارومددگار مسافروں کو بے سہارا نہ چھوڑا جائے:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ﴾---[ایضاً:۲۶]

4 دولت کو ضائع نہ کیا جائے، ایسے لوگ شیاطین کے بھائی ہیں:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾---[ایضاً:۲۷]

5 خرچ کرنے میں نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ ہی فضول خرچی کی اجازت ہے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ﴾---[ایضاً:۲۹]

6 رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:

﴿اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ﴾---[ایضاً:۳۰]

7 رزق کی کمی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو تمہارا اور تمہاری اولاد کا رزق ہمارے ذمہ ہے:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَ اِیَّاکُمْ﴾---[ایضاً:۳۱]

8 جنسی تسکین کے لیے زنا کے قریب مت جاؤ، یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَ سَآءَ سَبِیْلًا﴾---[ایضاً:۳۲]

9 شرعی حق کے بغیر کسی بھی جان کا خون نہ بہایا جائے:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾---[ایضاً:۳۳]

10 یتیموں کے مال کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال میں نہ لایا جائے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾---[ایضاً:۳۴]

11 وعدوں کی پاس داری نہایت ضروری ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾---[ایضاً]

12 ناپ تول میں کمی وزیادتی کی اجازت نہیں ہوگی، ورنہ تجارتی امور غلط سلط ہو جائیں گے:

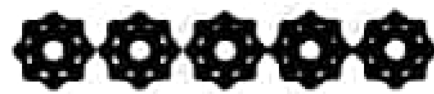
﴿وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾---[ایضاً:۳۵]

13 جس چیز کا علم نہ ہو، اس کا اتباع نہ کیا جائے، انسان کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق جواب دہ ہونا ہے:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۝﴾---[ایضاً:۳۶]

14 غرور وتکبر کی چال نہ چلو، ایسا کرنے سے تم پہاڑوں کی چوٹیوں سے تو بلند نہیں ہو سکتے:

﴿وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۝﴾---[ایضاً:۳۷]



غم نامه بسلسله سانحه

داتا دربار و عبد اللہ شاہ غازی علیہما الرحمۃ

الوزير الكويتي والنائب السابق
السيد يوسف السيد هاشم الرفاعي

بسم الله الرحمن الرحيم



الكويت - الديوان الرفاعي :-

تعزية

معالي جناب المحترم الأخ الشيخ حنيف طيب المحترم دامت بركاتهم
جناب المكرم الفاضل الشيخ وجاهت رسول المحترم دامت بركاتهم
فضيلة الأخ الشيخ محب الله نوري المحترم دامت بركاتهم
فضيلة الأخ الشيخ أبو الحسنات كرم شاه دامت بركاتهم
فضيلة الأخ الشيخ المفتي محمد خان قادري دامت بركاتهم
ولكافة إخواننا أهل السنة والجماعة في باكستان

تألمنا كثيرا جدا ونستنكر الجريمة الخطيرة المنكرة على مقام حضرت الشيخ عبد الله شاه غازي رحمه الله تعالى التي تشابه الجريمة السابقة على مقام داتا گنج بخش علي هجويري رحمه الله تعالى التي قام بها أعداء الله وأعداء الرسول الأعظم (ص) وأعداء أولياء الله الصالحين. نعزيكم بهذه المصيبة ونسأل الله تعالى أن ينتقم من الظالمين المجرمين وأنصارهم ويقهرهم جميعا آمين.

من أخيكم الحزين



الكويت - المنصورية ص.ب : ٦٥٢٣٠ الرمز البريدي ٣٥٦٠١ تلفون : ٢٢٥١٨٢٢٢ (٠٠٩٦٥) نقال : ٩٩٨٨٩٩٦٤ (٠٠٩٦٥)
KUWAIT - A-Mansouriyah - P.O. Box: 65230 - Code 35601 - TEL.: (00965) 22518222 - Mob.: (00965) 99889964
WWW.RIFAIEONLINE.COM الموقع الالكتروني (الانترنت)

نعت شریف

منفرد ہے وہ مہ لقاؤں میں — وہ یگانہ ہے دل رباؤں میں
عرشی نغمہ گرِ جمال اس کے — فرشی اس کے غزل سراؤں میں
شہر شہر اس کے چاہنے والے — اس کے عشاق گاؤں گاؤں میں
عاصیوں کے ہیں محترم محبوب — وہ ہیں مقبول پارساؤں میں
پوچھ قرآن سے کہ حسن ہے کیا — حق کے محبوب کی اداؤں میں
اُن ﷺ کے در پر پہنچ گئے آخر — کم نہ چھالے تھے گرچہ پاؤں میں
ہم نے دیکھے نظارے جنت کے — شہرِ سرکار ﷺ کی فضاؤں میں
سانس لی ہم نے بھی کئی ہفتے — طیبہ کی جنتی ہواؤں میں
مجھ کو شامل کیا گیا صد شکر! — رومی ، جامی کے ہم نواؤں میں
اے خوشا آج ہے شمار مرا — نعت کے ذوق آشناؤں میں
میں تو روزِ ازل سے ہوں بخدا — ان کی دہلیز کے گداؤں میں

روزِ محشر بھی گزرے گا طارقؔ
اُن ﷺ کے لطف و کرم کی چھاؤں میں

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کے احاطہ مزار کے بعد
حضرت عبد اللّٰہ شاہ غازی قدس سرہ کے دربار پر دھماکے؟

حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ

طیبہ ضیاء چیمہ

حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ ۷۲۰ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور بحیثیت ایک تاجر سندھ پہنچے تھے۔ آپ کا نسب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی کے والد امام محمد بن عبداللہ نفس زکیہ، سیدنا حضرت امام حسن بن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اولاد میں سے تھے۔ خلفاء راشدین کے دور خلافت کے بعد اموی دور حکمرانی اور پھر عباسیوں کا دورِ خلافت شروع ہوا، ان دونوں ادوار میں اہل بیت پر بے حد مظالم ڈھائے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے گئے۔

۱۳۶ ہجری میں جب حضرت عبداللہ شاہ غازی کے والد امام محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے مدینہ منورہ سے علوی خلافت تحریک شروع کی تھی، تو بنوامیہ کی حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی۔

محمد نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم عبداللہ بن حسن کو اس ضمن میں بصرہ روانہ کر دیا۔ اس زمانے میں سادات کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ روا رکھا جاتا تھا، اس ظلم کے کئی واقعات معروف ہیں۔ محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے بنو امیہ کے خلیفہ مروان ثانی کے عہد میں بنو ہاشم کے اکثر بزرگوں سے بیعت لے لی تھی۔ بنو عباس کے خلیفہ دوم ابو جعفر منصور کے عہد حکمرانی میں انہوں نے اہل حجاز سے خفیہ بیعت لینی شروع کر دی۔ منصور کو علم ہوا تو اس نے امام نفس زکیہ کو ایک خط لکھا کہ اگر وہ اپنے ارادوں سے باز آجائیں تو انہیں عمر بھر کے لیے بیش بہا انعامات اور وظائف دیے جائیں گے مگر محمد نفس زکیہ نے منصور کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اس پر خلیفہ منصور نے ایک لشکر جرار بھیجا، جس نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ محمد نفس زکیہ بھی اپنے چار سو جانثاروں کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلے اور ایک مختصر لڑائی کے بعد شہید ہو گئے۔ دوران لڑائی آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ شاہ غازی کو اپنے بھائی کے پاس بصرہ بھیج دیا، آپ کے چچا ابراہیم علی بھی شہید کر دیے گئے۔ عبداللہ شاہ غازی وہاں بصرہ سے ۷۶۰ء میں سندھ پہنچ گئے۔ آپ خلیفہ منصور کے دور میں سندھ تشریف لائے تھے۔ آپ کی سندھ آمد کے ضمن میں دو قسم کے بیان تاریخ میں ثابت ہیں، ایک یہ کہ آپ تبلیغ اسلام کے لیے سندھ تشریف لائے تھے اور دوسرے یہ کہ آپ تجارت کے لیے سندھ آئے تھے۔ جب آپ سندھ آئے تو تجارت کے لیے اپنے ہمراہ بہت سے گھوڑے بھی لائے تھے۔ آپ کی آمد پر سندھ کے لوگوں نے آپ کے نسب عالی کی وجہ سے آپ کو بہت عزت و احترام دیا۔ آپ بارہ برس تک تبلیغ اسلام میں سرگرداں رہے اور مقامی آبادی کے سیکڑوں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ ایک عظیم ہستی، حسنی و حسینی نسب والے تھے، آپ کے والد اور چچا کی شہادت کے بعد عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے آپ کی گرفتاری کے بھی احکامات صادر کر دیے گئے۔ گورنر سندھ عمر بن حفص آپ کے حسنی و حسینی منصب عالی کی وجہ سے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ کو ایک ساحلی ریاست میں بھیج کر ایک راجہ کا مہمان بنا دیا۔ راجہ نے آپ کو نہایت عزت و منزلت کے ساتھ اپنے ہاں چار سال مہمان رکھا، اس دوران آپ نے تبلیغ اسلام کا مشن جاری رکھا اور یہاں بھی سیکڑوں لوگوں کو مسلمان کیا۔ اس زمانے میں آپ پہلے صوفی بزرگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے سندھ میں تبلیغ اسلام کے لیے منتخب کیا تھا۔ سندھ میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ شاہ غازی نے اسلام کی شمع جلائی تھی۔ اولیاء کرام کے حفاظتی انتظامات منجانب اللہ

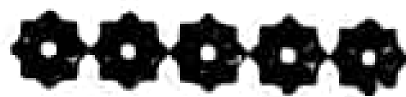
ہوتے ہیں، آپ کی حفاظت بھی ایک زندہ کرامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عباسی دور حکمرانی میں عمر بن حفص جیسے ایک نیک شخص کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا، گورنر نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تاریخ کی کتب میں آپ کے حالات زندگی کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ آپ اس زمانے کے صوفی بزرگ گزرے ہیں، جب تصوف پر تحقیق اور تعلیم عام نہ تھی۔ آپ ۷۷۳ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کراچی، کلفٹن میں آپ کا مزار ہے۔

حکومت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک خطہ پر اور دوسری قلب پر۔ خطہ پر کئی لوگ حکمرانی کرتے ہیں لیکن جس نے قلب فتح کر لیا، قلب اس کا ہو کر رہ گیا۔ جب حاکم دنیا پر حکمرانی کر رہے تھے، اس وقت اللہ والے دلوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ حاکم زمین فتح کر رہے تھے اور اللہ والے قلوب فتح کر رہے تھے۔ جس شخص کو جس ولی اللہ سے نور اسلام نصیب ہوا، وہ اس کے آستانے کا ہو گیا۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی کا شمار بھی ان فاتحین میں ہوتا ہے، جنہوں نے دلوں پر حکومت کی، اہل سندھ کے قلوب کو مشرف بہ اسلام کیا۔ لیکن ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا؟

داتا صاحب علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے کے بعد اب حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دھماکے؟؟؟

ہم دہشت گردوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں، مگر خود کو جاننا نہیں چاہتے۔ بزرگان دین نے ہمیں مسلمان کیا، لیکن ہم نے انہیں کیا دیا؟ ہم اپنے دہشت گرد خود ہیں، احسان فراموش ہیں، اپنے دشمن خود ہیں، ناشکر گزار ہیں، اپنے قاتل خود ہیں، بے رحم اور بے حس ہیں، دہشت گردی کے لہولہان آئینے میں جو عکس دکھائی دے رہا ہے، وہ ہمارا ہی عکس ہے۔ ہم اپنے اعمالوں کے مجرم ہیں، ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں، حمیت و غیرت سے محروم ہو چکے ہیں، ہمارے دل وہ قبر ہیں جہاں نہ کوئی دیا نہ دعا۔

[روزنامہ نوائے وقت، لاہور، مورخہ ۱۰/۱۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء]



تبصرہ کتب

﴿تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں﴾

تحمید رحمان

اللہ عزوجل خالق و مالک بھی ہے اور رب العالمین بھی--- بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اس کی بے حد وحساب نعمتوں پر سراپا سپاس رہے اور حتی المقدور حمد بجالائے--- اسی سپاس کی بجا آوری کے لیے شعراء کرام نے حمدیں کہیں، اگرچہ بطور فن اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی، یہی وجہ ہے کہ حمدیہ مجموعے بہت کم شائع ہوئے ہیں--- عہد حاضر کے سب سے بڑے نعت گو شاعر راجا رشید محمود، جن کے پچاس سے زائد نعتیہ مجموعے چھپ چکے ہیں--- اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے نعت اور تنقید نعت پر متعدد گراں قدر مقالات اور کتب تصنیف کیں اور ہر ماہ نعتیہ مشاعرہ اور نعت کے نام سے مجلّہ شائع کرتے ہیں، جو فروغ نعت میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں---

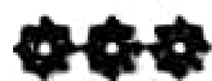
انھوں نے نعت کے ساتھ ساتھ حمد کی طرف بھی توجہ دی، انہی کی تحریک پر ماہ نامہ نور الحبیب میں گزشتہ تین چار سال سے ہر ماہ حمد بھی شامل کی جاتی ہے اور اب بعض دیگر ماہ نامے بھی جزوی طور پر اس روش پر گامزن ہوا چاہتے ہیں--- محترم راجا صاحب کے اب تک چار حمدیہ مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں:

❶ حمد میں نعت--- اس مجموعہ کی ۶۶ منظومات کے ہر ہر شعر میں رب کریم کی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ اس کے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نعت وتوصیف بھی ہے۔

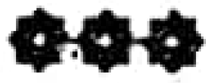
❷ سجود تحیت ❸ خدائے شہ زمن اور

❹ زیر تبصرہ مجموعہ حمد "تحمید رحمان"--- اس میں بھی اسم اللہ کے اعداد کی نسبت سے ۶۶ حمدیں ہیں، تقریباً ہر حمد میں کوئی نہ کوئی نعتیہ شعر التزاماً شامل ہے، جو راجا صاحب کی نعت سے والہانہ دلچسپی اور سرکار ابد قرار سے محبت وشیفتگی کی علامت ہے--- بطور نمونہ چند اشعار:

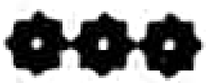
یہ سبزہ زار، یہ بوٹے، یہ پھول، یہ خوشے — کرم یہ سارے ہیں انساں پہ رب العزت کے
تعلقات ہیں رب و رسول میں گہرے — وہ ان کو چاہتا ہے اور یہ چاہتے ہیں اسے



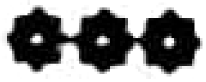
نور بے شبہ زمین و آسماں کا ہے خدا — سب سے پہلے جس نے نورِ مصطفیٰ پیدا کیا
مصطفیٰ نے "طالع لی" کا جو فقرہ کہہ دیا — عاصیوں کا بن گیا آمرزگار ان کا خدا
ہے زمین شعر و انشا و ادب کی طرفگی — مزرعِ نعت نبی میں کُل تحمیذ و ثنا



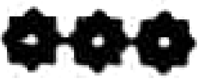
میری آنکھوں میں، دماغ و دل کے سب خلیات میں — خانہ کعبہ ہے، طیبہ کی گلی ہے رات دن
میری عز و وقر کا، فخر و تبختر کا سبب — حمد و نعت مصطفیٰ کی شاعری ہے رات دن



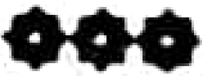
جو سیکھ گیا الفت سرکار میں جینا — آیا ہے اسے نعت سرائی کا قرینہ
ہے حب نبی، خوف خدا قلب میں جس کے — تنویر فزا کیوں نہ ہو اس شخص کا سینہ
ہے ذکر خداوند دوعالم جو لبوں پر — محمود یہی بام عبادت کا ہے زینہ



دنیا و عقبیٰ میں چاہے تو جو اپنی بہتری — پڑھ درود آقا پہ اور کر اپنے رب کی بندگی



آئے خدایا مجھ کو پیمبر کے شہر میں — آنی تو آخرش ہے گھڑی ارتحال کی
کیسے نہ رب کعبہ کا ہو اس پہ لطف خاص — الفت جو دل میں رکھتا ہو آقا کی آل کی



ہمارے سر پہ یہ جو نیلگوں افلاک کی چھت ہے — خدا کی رحمت ورافت کی اک زندہ علامت ہے
جو قرآں رب ہر عالم کے حکموں سے عبارت ہے — تو کردار نبی ہر حرف خالق کی وضاحت ہے
نگاہ لطف ہے محمود خالق کی مری جانب — مجھے حاصل جو حمد و نعت کی خدمت کا خلعت ہے

غرض ساری کتاب ہی انتخاب ہے۔۔۔صفحات ۱۱۲، ہدیہ ۲۰۰ روپے
ناشر: مدنی گرافکس، عقب مزار قطب الدین ایبک، نیو انارکلی لاہور، فون ۰۴۲-۳۷۲۳۰۰۰۱

انوار کنز الایمان

کتاب زندہ قرآن حکیم منبع وسرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔۔۔دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ہیں۔۔۔اردو میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر سے لے کر اب تک بہت سے اہل علم وقلم نے تراجم کیے ہیں مگر جو انفرادیت، محبوبیت اور مقبولیت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو ملی، وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آئی۔۔۔آپ نے ۱۳۳۰ھ میں "کنز الایمان" کے نام سے یہ ترجمہ املا کروایا تھا جو بلاشبہ اسم بامسمی اور علم، ادب، عشق، محبت، عرفان، ایقان اور ایمان کا بیش بہا خزانہ ہے۔۔۔ترجمہ کا کام انتہائی نازک ہوتا ہے، اس کے لیے صرف لغت کافی نہیں بلکہ ایک مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے زبان وبیان پر مکمل دسترس کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ترجمہ کا تعلق کتاب اللہ سے ہو پھر تو یہ انتہائی پیچیدہ

اور نازک مرحلہ ہوتا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی پر ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے عربی زبان وادب پر ملکہ راسخہ کے ساتھ ساتھ بیسوں علوم میں مہارت تامہ درکار ہوتی ہے--- اس حوالے سے دیکھا جائے تو اعلیٰ حضرت کی شخصیت ممتاز نظر آتی ہے، جنہیں ستر سے زائد علوم پر دسترس تھی، لیکن آپ کا اصل طرۂ امتیاز یہ تھا کہ آپ نے قرآن کی روح کو اردو میں منتقل کیا ہے اور عظمت الوہیت اور ادب نبوت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے جب کہ دیگر بدمذہبوں کے تراجم اس لازمی وصف سے عاری نظر آتے ہیں---

گزشتہ سال (۱۴۳۰ھ) ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' کو سو سال مکمل ہونے پر ''رضا ریویو پٹنہ'' نے کنزالایمان نمبر شائع کیا، جسے مفید اور قابل قدر اضافہ کے ساتھ اہل سنت کے نامور صحافی ملک محبوب الرسول قادری نے نہایت خوب صورت اسلوب میں شائع کیا ہے۔ ملک صاحب دینی، سیاسی اور صحافتی میدان میں بڑے متحرک اور گوناگوں اوصاف کے حامل ہیں، وہ انٹرنیشنل غوثیہ فورم، انوار رضا لائبریری کے بانی ہیں اور کئی مفید نمبر اور کتابیں شائع کر چکے ہیں--- زیر تبصرہ ۹۴۴ صفحات پر مشتمل عظیم وضخیم کتاب ''انوار کنزالایمان'' کی اشاعت ان کا لائق تحسین اور قابل تقلید کارنامہ ہے---

''انوار کنزالایمان'' حسب ذیل بارہ ابواب اور ضمیمہ پر مشتمل ہے:

باب اوّل: ترجمہ قرآن: اصول وشرائط
باب دوم: کنزالایمان، منظر وپس منظر
باب سوم: کنزالایمان: علمی وفنی مباحث
باب چہارم: تنقیدات، تعاقبات: کنزالایمان کے خلاف شائع مواد کا تنقیدی جائزہ
باب پنجم: کنزالایمان: لسانی وادبی مطالعہ
باب ششم: کنزالایمان: دیگر تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ
باب ہفتم: تبصرے وجائزے
باب ہشتم: حاصل مطالعہ: کنزالایمان کے متعلق دانش وروں کے انٹرویو
باب نہم: تفسیرات اور کنزالایمان
باب دہم: کنزالایمان کے فکری اثرات
باب یازدہم: کنزالایمان پر شائع مقالات کا اشاریہ
باب دوازدہم: تراجم کنزالایمان کے عکوس

(لیکن اس باب میں صرف حضرت صدرالشریعہ کے قلمی ترجمہ کا عکس شامل ہے)۔ [تبصرہ نگار]

ان ابواب میں نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خاں قادری، علامہ ارشد القادری، شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، فیض ملت علامہ اویسی، مفتی سید عبدالمبین نعمانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مفتی سید شاہ حسین گردیزی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر مجید اللہ، مولانا قمرالزمان اعظمی، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، علامہ محمد صدیق ہزاروی، مفتی مطیع الرحمن رضوی،

مولانا محمد الیاس اعظمی وغیرہ پاک وہند کے نامور دانش وروں کے مقالات ہیں۔

ضمیمہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی کا مقالہ ''کنزالایمان کے خلاف سازش اور مثبت جواب'' اور ''کنزالایمان پر اعتراضات کا علمی محاسبہ'' کے نام سے کتابچہ جو پیر محمد کرم شاہ الازہری نے خواجہ حمید الدین سیالوی کی فرمائش پر ان کے نام سے عربی میں تحریر کر کے سعودی عرب و امارات کے حکام کو بھجوایا تھا اور دیگر تحریریں اور قطعات تاریخ واہل علم وقلم کے تاثرات مندرج ہیں---آغاز میں ''میزان حروف'' کے سرنامہ سے ناشر و مرتب ملک محبوب الرسول قادری کا تعارفی مضمون ہے---غرض یہ گراں قدر علمی سرمایہ لائق مطالعہ ہے، جسے بڑی آب وتاب سے مضبوط جلد، عمدہ کاغذ اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ شائع کیا گیا ہے---

صفحات:۹۴۴، ہدیہ:۵۰۰ روپے

افکار نورانی

قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی سیاسی بصیرت کے حامل جید عالم دین اور بلند پایہ مبلغ اسلام تھے، انہیں عربی، انگریزی، سواحلی اور دنیا کی دیگر کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا--- وہ ایک باہمت اور جرأت مند رہنما تھے، جنہوں نے وقت کے جابر حکمرانوں کے سامنے اعلاء کلمہ حق کا فریضہ سرانجام دیا--- وہ بڑے حاضر جواب تھے، ان کی یہ صلاحیتیں پریس کانفرنسوں میں کہنہ مشق صحافیوں کے تند و تیز سوالات کے جواب میں کھل کر سامنے آتیں--- زیر تبصرہ سہ ماہی انوار رضا کا افکار نورانی نمبر آپ کے ایسے ہی فکر انگیز انٹرویوز پر مشتمل ہے، جسے اہل سنت کے نامور صحافی ملک محبوب الرسول قادری نے کتابی شکل میں مدوّن کیا ہے--- نورانی میاں کے یہ ارشادات علمی وسیاسی حلقوں اور عالمی حالات پر نظر رکھنے والے دانش وروں کے لیے معلومات کا بیش بہا خزینہ اور ہماری ملی، سیاسی، سماجی اور دینی تاریخ کا روشن باب ہیں--- آغاز میں ''مولانا شاہ احمد نورانی کا رنگ خطابت'' کے عنوان سے مرتب کتاب کا معلوماتی مضمون بھی لائق مطالعہ ہے---صفحات:۴۰۰، ہدیہ:۳۶۰ روپے

ملنے کا پتا: انٹرنیشنل فورم، انوار رضا لائبریری، بلاک ۴، جوہر آباد، ضلع خوشاب

آواز حق

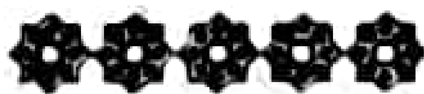
لیبیا کے شہر بن غازی میں منعقدہ انٹرنیشنل میلاد کانفرنس (۱۴۳۱ھ) میں ملک محبوب الرسول قادری بھی شامل ہوئے---اس موقع پر کرنل معمر قذافی نے جو روح پرور خطاب کیا، اسے ملک صاحب نے مرتب کر کے اردو میں آواز حق کے نام سے شائع کیا ہے---صفحات:۲۴، ہدیہ:۲۰ روپے

حب اہل بیت اور اکابر اہل سنت

تحریر: سید نور محمد قادری ترتیب: سید محمد عبداللہ قادری

باہتمام: ملک محمد محبوب الرسول قادری صفحات:۴۸، ہدیہ:۴۰ روپے

پتا: اسلامک میڈیا سنٹر، A-۲۷/دربار مارکیٹ، شیخ ہندی سٹریٹ، لاہور



یادِ رفتگاں

مدیر اعلیٰ

عالم آخرت کی جانب قافلے تیزی سے رواں دواں ہیں--- گزشتہ کچھ عرصہ سے تو علماء و صلحاء و خطباء اس تیزی سے رخصت ہو رہے ہیں کہ علم و فضل اور وعظ و خطابت کی محفل یک بیک سنسان ہو کر رہ گئی:

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
"پیاروں" نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

خطیب اسلام صاحبزادہ سید شبیر حسین شاہ حافظ آبادی

بلبل چہک رہا تھا ریاضِ رسول میں

ابھی اہل سنت کے مقتدر علماء کرام علامہ فیض احمد اویسی اور علامہ مفتی غلام سرور قادری کے چہلم بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ۶/ اکتوبر کی دوپہر کو عالم اسلام کے نامور خطیب پیر سید شبیر حسین شاہ حافظ آبادی بھی داغ مفارقت دے گئے--- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

موصوف کم وبیش تیس پینتیس سال تک افق خطابت پر چھائے رہے اور اپنی سحر انگیز خطابت سے لوگوں کے سینوں کو محبت رسول، حب اہل بیت کرام اور عظمت صحابہ عظام سے سرشار کرتے رہے--- پیر سید شبیر حسین شاہ حافظ آبادی ۱۹۴۷ء میں گوجرانوالہ کے ایک قصبہ منڈیالہ تیگہ میں پیر سید نواب علی شاہ کے گھر پیدا ہوئے--- مختلف مدارس میں جا کر دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۷۱ء میں حافظ آباد کی مرکزی جامع مسجد "الفاروق" کو اپنی دینی، ملی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا--- آپ کے منفرد طرز خطابت، خوش الحانی اور سحر انگیز آواز کی وجہ سے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں سامعین کا تانتا بندھنے لگا--- واقعہ کربلا کو آپ نے ایسے دل سوز انداز میں بیان کیا کہ لاکھوں عشاق کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ رکنے والا سیلاب آج تک جاری و ساری ہے--- ملک کے کونے کونے اور شہر شہر سے لوگ آپ کی جادو بھری آواز کی شعلہ نوائی اور منفرد طرز خطابت کو سننے کے لیے دیوانہ وار آتے اور پھر اپنے قلوب کو عشق رسول، محبت صحابہ و اہل بیت سے لبریز کر کے لوٹتے--- واقعہ کربلا کو بیان کرنے میں جو منفرد انداز آپ نے اختیار کیا، اس سے آپ کی شہرت دیکھتے ہی دیکھتے ملک سے نکل کر بیرون ملک بلکہ پوری دنیا میں پہنچ گئی--- آپ کی تقاریر کی کیسٹیں دنیا کے کونے کونے میں سنی جانے لگیں--- ہر سال محرم کا چاند دکھائی دیتا تو گلی کوچوں سے لے کر ٹریکٹر ٹرالیوں

اورمحراب ومنبر سے آپ کی آواز میں ہندالولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ فارسی رباعی بلند ہونے لگتی:

شاہ است حسین ، بادشاہ است حسین
دین است حسین ، دین پناہ است حسین

پیر سید شبیر حسین حافظ آبادی باغ و بہار شخصیت تھے، آپ کا محبت بھرا انداز دلوں کو موہ لیتا تھا--- بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے---

پیر سید شبیر حسین شاہ نے تبلیغ دین کے سلسلہ میں لاکھوں میل کا سفر طے کیا، آپ نے ایک درجن سے زائد کتب تصانیف کیں، جن میں قرآن پاک کی تفسیر اور شرح بخاری شامل ہیں---

انھیں حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ادارہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ سے بڑی محبت تھی--- ۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۰ء تک کے دو عشروں میں تو بڑی باقاعدگی سے ہر سال عرس فقیہ اعظم میں شمولیت کرتے رہے، بلکہ دو دن دارالعلوم میں قیام پذیر رہتے--- دارالعلوم کے جلیل القدر فرزند مولانا محمد عارف نوری سے ان کا بڑا یارانہ تھا--- اسی طرح مناظر اسلام مولانا ضیاء اللہ قادری اور مولانا محمد فاضل سے بڑی دوستی تھی--- یہ چاروں یار دو دن اکٹھے رہتے تو گلستان محبت میں عجب بہار دکھائی دیتی--- عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کے باوجود دارالعلوم کے پروگراموں میں ان کی محدود شرکت کا سلسلہ قائم رہا--- وصال سے دو ماہ پہلے ان سے ملاقات ہوئی تو بڑے درد بھرے انداز میں کہنے لگے، دوست داغ مفارقت دے گئے، اب تنہا رہ گیا ہوں---

موصوف گونا گوں صلاحیتوں کے حامل تھے--- بلا شبہ ان کا جنازہ حافظ آباد کی تاریخ کا بہت بڑا جنازہ تھا--- اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہوئے انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے صاحبزادگان، بھائی صاحبزادہ فدا حسین شاہ اور جملہ محبین کو صبر جمیل ارزانی فرمائے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و اصحٰبہ اجمعین

علامہ عبد الخالق شمس

شاہ صاحب کے وصال سے اگلے روز ۷ /اکتوبر کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے ممتاز فاضل مولانا ابوالطاہر عبدالخالق شمس اور چند گھنٹوں بعد ان کے صاحبزادے محمد طیب بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے---

موصوف بہترین صلاحیتوں کے حامل جید عالم دین تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد فیض باغ لاہور میں جامعہ شمسیہ کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا، جو گزشتہ کم و بیش پینتالیس سال سے تعلیمی خدمات سرانجام دے رہا ہے--- مولانا مرحوم چند سالوں سے صاحب فراش تھے--- اللہ تعالیٰ باپ بیٹے کی مغفرت فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل ارزانی فرمائے اور ان کے صاحبزادے یاسر شمس کو ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے---

پیر ڈاکٹر عبد الحمید

پھول نگر (بھائی پھیرو) کے سیاسی، سماجی اور دینی رہنما پیر طریقت پیر ڈاکٹر عبد الحمید اختر سروری قادری راہی ملک بقا ہو گئے--- وہ گونا گوں اوصاف کے حامل تھے، عرصہ تک روزنامہ نوائے وقت کے نمائندہ، پریس کلب ضلع قصور کے جنرل سیکرٹری، جے یو پی، جماعت اہل سنت اور دیگر کئی تنظیمات کے عہدیدار رہے--- پنجابی کے نعت گو شاعر بھی تھے اور شاعر اہل سنت صوفی اصغر علی اصغر کے شاگرد تھے--- ان کا پنجابی نعتوں کا مجموعہ "من ٹھار مدینہ" اور ترجمہ قصیدہ بردہ شائع ہو چکا ہے--- محترم سلطان منیر اور دیگر صاحبزادگان ان کے مشن پر گامزن ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے---

محمد اقبال نوری

حرمین شریفین، مصر اور بعض دیگر بلاد اسلامیہ کے اسفار کے ساتھی اور بہت پیارے دوست محمد اقبال نوری (بصیر پوری) بھی داغ مفارقت دے گئے--- جواں سالی میں ان کی اچانک موت پر اہل خانہ اور احباب سوگوار ہیں--- اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں درجات بلند کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے--- اور

● ......احقر کے بڑے بھائی مولانا ابو العطاء محمد ظہور اللہ نوری کے پوتے اور صاحبزادہ مولانا عطاء اللہ کے نومولود فرزند وفات پا گئے--- اللہ تعالیٰ اس عزیز کو اپنے والدین کی بخشش کا ذریعہ بنائے اور انھیں صبر جمیل سے نوازے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے منظور نظر اور بہت مخلص مریدین میں سے:

۱......محترم حاجی عبد الرازق نوری، کراچی---

۲......حاجی محمد ابراہیم نوری، دارغہ والا، لاہور---

۳......حاجی محمد عبد اللہ نوری، دارغہ والا، لاہور--- اور

● ......دار العلوم کے مستفیض خواجہ مولانا محمد اشرف، وینڈلہ جاگیر---

● ......حافظ محمد امین نوری کی والدہ اور نیاز احمد نوری، بصیر پور کی ساس صاحبہ

● ......مولانا غلام علی، بہاول نگر کی نانی صاحبہ---

● ......حافظ نصیر احمد بن مولانا حاجی نذیر احمد نوری (عارف والا) کی خالہ صاحبہ اور عبد الغفار، لاہور کی والدہ کے سانحہ ارتحال پر بارگاہ رب کریم میں دعا ہے کہ وہ جملہ مرحومین کی مغفرت فرما کر انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر و اجر سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



طبی موت......اور ڈاکٹر کی ذمہ داری

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

یہ سوال کئی بار ہمارے قارئین ذی وقار کی طرف سے ہمیں موصول ہوا کہ طبی موت کیا ہے اور کسی شخص کو اگر مصنوعی تنفس پر رکھا گیا ہے اور مصنوعی تنفس کے نظام کو ہٹانے سے اس کی موت واقع ہوتی ہے تو یہ طبی موت ہوگی یا قتل؟ آج اس موضوع پر چند نکات پیش خدمت ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ موت سے کیا مراد ہے اور وہ، جسے طبی موت کہا جاتا ہے، وہ کیا ہے؟ بظاہر موت انسان کے اعضاء رئیسہ (دل، دماغ، گردے، پھیپھڑے وغیرہ) کے کام چھوڑ دینے کا نام ہے۔ چناں چہ کسی کی موت کی تصدیق اسی وقت کی جاتی ہے جب اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے، وہ سانس لینا بند کر دے، اس کی نبض ڈوب جائے اور بدن بے حس و حرکت ہو جائے۔ یہ تو موت کی عام صورت ہے، جسے طبعی موت کہا جاتا ہے، لیکن طبی موت یہ ہے کہ اطباء (ڈاکٹرز) یہ کہہ دیں کہ یہ شخص انتقال کر چکا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے، جب مریض مسلسل بے ہوشی میں ہوتا ہے اور اسے سانس لینے میں دقت یا دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ ہوش میں بھی ہوتا ہے مگر اس کے اعضاء ایک ایک کر کے کام چھوڑ رہے ہوتے ہیں، تاہم اس کا نظام تنفس ختم نہیں ہوتا، البتہ سست پڑ جاتا ہے۔ ایسے میں ڈاکٹرز کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے نظام تنفس کو آلات کی مدد سے بحال رکھا جائے اور انہیں یہ امید ہوتی ہے کہ عارضی طور پر

آلاتِ تنفس کے ذریعہ اس کے تنفس کو ممکن بنا کر قدرتی نظام کو بحال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات کسی کا دل بیٹری سے چل رہا ہوتا ہے اور وہ زندہ سلامت ہوتا ہے، کسی کے گردے فیل ہو چکے ہوتے ہیں مگر وہ ڈیالیسس (Dialysis) پر چل رہا ہوتا ہے۔ اگر ڈیالیسس کا عمل روک دیا جائے تو طبی طور پر اس کا ہفتے بھر سے زیادہ زندہ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ ہائی بلڈ پریشر، شوگر اور بعض دیگر امراض میں بھی مریض دوا پر چل رہا ہوتا ہے، دوا اگر بند کر دی جائے تو طبی طور پر اس کا زندہ رہنا بظاہر ممکن نہیں ہوتا۔ دماغی ٹیومر یا صدمہ دماغ کی صورت میں جو کسی حادثے کی صورت میں لاحق ہوتا ہے، وہ مریض بے ہوش ہوتا ہے اور اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہوتا، اسی لیے وہ اپنے قریبی عزیزوں تک کو پہچان نہیں پاتا لیکن ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش میں لگے ہوتے ہیں اور اس کے دیگر اعضاء بسا اوقات متاثر ہوتے ہیں اور بسا اوقات کام کر رہے ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے اکثر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مریض نیم مردہ ہے یا مصنوعی زندگی پر اس کا دارومدار ہے۔ اس کیفیت سے بعض مریض نکل بھی آتے ہیں اور مکمل طور پر شفایاب ہو جاتے ہیں لیکن اکثر کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ عرصہ نہ صرف اعزا کے امتحان و آزمائش کا ہوتا ہے بلکہ ڈاکٹرز کے لیے بھی بسا اوقات اس میں کڑی آزمائش ہوتی ہے۔ ڈاکٹرز کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اسے کب تک مصنوعی نظام مہیا کیا جائے اور کب ہٹا لیا جائے۔ ہمارے ہاں چوں کہ ہسپتالوں میں مصنوعی نظام حیات کی مشینیں بھی کم ہوتی ہیں، اس لیے ایک مریض کو زیادہ عرصہ ایک مشین مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ دوسرے مریض منتظر ہوتے ہیں نیز یہ کہ مریض کے لواحقین کا بھی اور دیگر جہات کا دباؤ بھی ڈاکٹرز کے لیے پریشان کن ہوتا ہے۔
پھر بسا اوقات ڈاکٹر یہ محسوس کرتے ہیں کہ دوسرا مریض جسے مشین مہیا کرنا ضروری ہے، اس کا مشین کی معمولی مدد کے ذریعہ بچ جانا اس پہلے مریض کی بہ نسبت زیادہ ممکن ہے۔ ان صورتوں میں ڈاکٹرز کے لیے فیصلہ کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ وہ جس مریض کو مصنوعی نظام تنفس یا ڈیالیسس مہیا کر رہے ہوتے ہیں اس امید سے کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کی مدد سے مریض کا اپنا قدرتی نظام سنبھل کر کارآمد ہو جائے گا۔ مگر جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مریض انتہائی کمزور ہے، اس کے دیگر اعضاء اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور صرف مصنوعی نظام تنفس کے ذریعہ ہی وہ سانس لے رہا ہے، تو وہ یہ نتیجہ بآسانی اخذ کر لیتے ہیں کہ مریض سے مصنوعی آلات الگ کرتے ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایسے میں وہ مریض کے اعزاء کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں تا کہ وہ

مصنوعی آلات ہٹانے کی اجازت دے دیں اور اعزاء عموماً ایسا کرنے میں متامل ہوتے ہیں، کہ وہ امید کی آخری کرن تک مریض کی زندگی کی آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ چناں چہ ڈاکٹرز کو اس صورت میں خود فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ کیا کریں؟ یہاں بعض ڈاکٹرز یہ استفسار کرتے ہیں کہ اس صورت میں جب کہ مریض مصنوعی آلات سے تو سانس لے کر زندہ ہوتا ہے اور آلات ہٹاتے ہی وہ مر جاتا ہے تو کیا ڈاکٹرز کا آلات ہٹانا اقدام قتل کے زمرے میں تو نہیں آتا؟ اس سلسلہ میں مختلف ممالک میں علمی مذاکرے ہوتے رہے ہیں، فقہ اسلامی جدہ اور فقہ اسلامی انڈیا کے علاوہ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل بھی اس پر غور کر چکی ہے۔ ہم یہاں فقہ اسلامی جدہ میں ہونے والے علمی مذاکرہ کے بعد طے پانے والی قرارداد پیش کرتے ہیں، تاکہ عالمی سطح پر اہل علم کی فکر و رائے جو تقریباً اجماع کی ایک صورت ہے، سامنے آسکے اور حتمی نتیجہ تک پہنچا جاسکے۔

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کی کونسل کا تیسرا اجلاس اردن کے دارالحکومت عمان میں مؤرخہ ۸ تا ۱۳ر صفر ۱۴۰۷ھ، مطابق ۱۱ تا ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۲ء منعقد ہوا۔

اس اجلاس میں "حرکت قلب اور تنفس جاری رکھنے والے آلات" کے موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں پر بحث ہوئی اور ماہر اطباء کی مفصل توضیحات سنی گئیں۔ اس کے بعد کونسل نے یہ قرارداد منظور کی:

اگر کسی شخص میں مندرجہ ذیل دو علامتوں میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے تو شرعاً اسے مردہ تصور کیا جائے گا اور اس پر موت کے تمام احکام جاری ہوں گے:

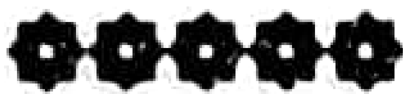
① اس شخص کے دل کی حرکت اور تنفس مکمل طور پر اس طرح رک جائے کہ ماہر اطباء یہ کہیں کہ اب اس کی واپسی ممکن نہیں۔

② اس کے دماغ کے تمام وظائف بالکل معطل ہو جائیں اور ماہر اور تجربہ کار اطباء اس بات کی صراحت کریں کہ یہ تعطل اب ختم نہیں ہوسکتا اور اس کے دماغ کی تحلیل ہونے لگی ہے۔

ایسی حالت میں محرک حیات آلات کو اس شخص سے ہٹالینا جائز ہے، خواہ اس کا کوئی عضو مثلاً قلب، محض آلے کی وجہ سے مصنوعی حرکت کر رہا ہو۔

و اللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب

[بشکریہ ماہ نامہ فقہ اسلامی، کراچی]



''حدیثِ نور اور حدیثِ عدمِ سایہ'' کے ماخذ

مصنَّف عبدالرزاق کی اشاعت

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

امت مسلمہ کا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ سرکار ابد قرار رحمت عالم سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سبب تخلیق کائنات ہیں---اللہ تعالیٰ جل وعلا نے آپ کے فیضِ نور سے کائنات کو تخلیق فرمایا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک میں صراحت موجود ہے---اہل علم کے ہاں یہ حدیث جابر ''حدیث نور'' کے نام سے معروف ہے---اس معرکۃ الآراء اور شہرۂ آفاق حدیث کو صدیوں سے ائمہ و محدثین، مفسرین، محققین اور علماء ''مصنف عبدالرزاق'' کے حوالے سے بالفاظ مختلفہ اپنی اپنی تصانیف میں نقل کرتے چلے آئے ہیں---امت مسلمہ کی اکثریت نے ان حوالہ جات پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث کو قبول کیا، مگر بعض لوگوں نے جلد بازی میں اس کا انکار کر دیا، بعد ازاں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

جب مصنف عبدالرزاق کا نسخہ مجلس علمی کی طرف سے طبع ہوا تو اس انکار میں مزید شدت آ گئی اور چیلنج کے انداز میں یہ کہا جانے لگا کہ اگر حدیث نور ثابت ہے تو دکھاؤ--- حالانکہ یہ مطبوعہ نسخہ خود اس کے مرتب شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کی صراحت کے مطابق ناقص ہے، جیسا کہ انھوں نے جلد اوّل کے آغاز میں تنبیہ کے عنوان سے متنبہ کیا ہے--- بایں ہمہ "میں نہ مانوں" کی رٹ جاری رہی---

اللہ تعالیٰ جل وعلا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گزشتہ سال (۲۰۰۴ء) حضرت ڈاکٹر محمد امین برکاتی (مارہرہ شریف، انڈیا) اور محترم محمد رفیق برکاتی کی جستجو سے مصنف عبدالرزاق کا مخطوطہ افغانستان سے دستیاب ہوا، جس میں تخلیق نور محمدی پر مستقل باب موجود ہے اور حدیث جابر بھی صحیح سند کے ساتھ مفصل درج ہے---

الحمد للہ! نور حبیب ﷺ کی اوّلیت پر دال حدیثِ نور کے ماخذ مصنف عبدالرزاق کے مخطوطہ کی دریافت پر مبنی اس عظیم خوش خبری کی اشاعت کا شرف سب سے پہلے "نورالحبیب" کو حاصل ہوا، ہم نے جولائی ۲۰۰۴ء کے ادارتی صفحات پر یہ خبر شائع کی تھی---

اللہ رب العزت کا بے پایاں شکر کہ اس کتاب کا ابتدائی اہم حصہ "الجزء المفقود من الجزء الاوّل من المصنف" کے عنوان سے بڑے عمدہ پیرائے میں بیروت سے طبع ہو چکا ہے--- اس مطبوعہ حصہ پر تحقیقی کام دکتور عیسٰی بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری سابق مدیر عام اوقاف، دبئی نے کیا ہے اور آغاز میں بہت مفید مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے، جب کہ عالم عرب کے ممتاز فاضل دکتور محمود سعید ممدوح نے تقریظ لکھی ہے---

مصنف عبدالرزاق کا یہ نو طبع شدہ حصہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس میں حدیث نور کے علاوہ حضور ﷺ کے عدم سایہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث پاک بھی درج ہے--- حضور ﷺ کی نورانیت اور آپ کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں اس حدیث کو محدثین کرام نے اپنی کتب میں درج کیا، مگر ایک طائفۂ قلیلہ اس کا بھی منکر رہا، بلکہ چند سال قبل تو ایک سنی کہلانے والے فاضل نے سیرت نگاری کی آڑ میں اس مسئلہ کا بڑی شد و مد سے انکار کیا اور اس پر بڑے عقلی گھوڑے دوڑائے--- اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل و کرم سے یہ حدیث بھی سند صحیح کے ساتھ اس نسخہ میں شامل ہے---

جس طرح "نورالحبیب" نے اس مخطوطہ کی خبر شائع کر کے اوّلیت حاصل کی، یوں ہی ان احادیث

(حدیث نور اور حدیث عدم سایہ) کے مکمل متن مع سند پر مبنی اصل کتاب کا عکس شامل کرنے میں بھی ''نور الحبیب'' ہی کو اوّلیت حاصل ہو رہی ہے، اسی طرح اس مخطوطہ کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی سب سے پہلے نور الحبیب میں شائع ہو رہا ہے--- (متعلقہ مواد کا عکس اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں، البتہ یہاں یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ ائمہ و محدثین سے منقول کتب کے نسخہ جات میں اختلاف الفاظ ہمیشہ سے مسلّم رہا ہے، موطا امام مالک کے متعدد مختلف نسخے اس پر شاہد عادل ہیں--- حدیث نور کے الفاظ کا اختلاف بھی اسی نوعیت کا ہے تاہم معنوی طور پر کوئی خاص فرق نہیں ہے)

آخر میں ہم اس نسخہ کی دریافت سے اشاعت تک کے تمام مراحل میں حصہ لینے والے حضرات خصوصاً محترم حاجی محمد رفیق برکاتی، شیخ دکتور عیسیٰ حمیری اور مفتی محمد عباس رضوی کے شکر گزار ہیں کہ ان کی کاوشوں سے یہ عظیم سرمایہ امت مسلمہ تک پہنچا--- اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جملہ اہل علم کو اس کتاب سے مستفیض ہونے اور قبول حق کی توفیق مرحمت فرمائے---

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحبہ اجمعین

بصیر پور شریف
25/دسمبر 2005ء

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب

٣- عبدالرزاق عن معمر عن يحيى بن أبي كثير[١] عن ضمضم[٢] عن أبي هريرة قال: ما رأيت أحسن من رسول الله صلى الله عليه وسلم كأن الشمس تجري في عينيه.

٤- عبدالرزاق عن ابن جريج[٣] قال: أخبرني نافع[٤] أن ابن عباس قال:/ لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظل /٢ب ولم يقم مع شمس قط إلا غلب ضوءه ضوء الشمس، ولم يقم مع سراج قط إلا غلب ضوءه ضوء السراج[٥].

= رقم (٣٣٥٨)، وأبو داود (٤٠٩/٤)، والنسائي ١٨٣/٨، وأبو يعلى (٢٦٢/٣)، وأحمد (٤٢٢/٣٠) فالحديث صحيح بما تقدم.

(١) يحيى بن أبي كثير الطائى مولاهم أبي نصر اليمامي روى عن ضمضم ثقة ثبت لكنه يدلس ويرسل انظر التقريب (٧٦٣٢).

(٢) هو ضمضم بن جوس اليمامي،روى عن أبي هريرة وعبدالله بن حنظلة الأنصاري، وهو ثقة (التقريب ٢٩٩١، وتهذيب التهذيب ٢٣٠/٢) .

(٣) هو عبدالملك بن عبدالعزيز بن جريج الأموي المكي، ثقة فاضل، وكان يدلس ويرسل، مات سنة تسع وأربعين ومائة، التقريب (٤١٩٣)، وتهذيب التهذيب (٦١٦/٢)، وتهذيب الكمال (٣٣٨/١٨).

(٤) هو أبو عبدالله المدني مولى عبدالله بن عمر بن الخطاب، أصابه ابن عمر في بعض مغازيه، ثقة ثبت فقيه مشهور، مات سنة سبع عشرة ومائة (التقريب ٧٠٨٦، تهذيب الكمال ٢٩/٢٩، تهذيب التهذيب ٢١٠/٤).

(٥) إسناده صحيح، وقد ذكر الحديث الإمام السيوطي في الخصائص الكبرى بتحقيق الهراس (١٦٩/١) وعزاه إلى الحكيم الترمذي عن ابن ذكوان، ولم نقف على هذه الرواية في كتب الحكيم التى بين أيدينا من مخطوط ومطبوع =

مصنف عبدالرزاق (مطبوعہ) سے حدیث عدم سایہ کا عکس

ترجمہ حدیث عدم سایہ

''امام عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا مجھے امام نافع نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا، جب آپ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کے نور کی روشنی، شمس پر غالب آ جاتی، اسی طرح کسی چراغ کے سامنے قیام ہوتا تو آپ کے نور کی روشنی چراغ پر غالب رہتی'' --- [مصنف عبدالرزاق، جلد ۱، صفحہ ۵۶، حدیث ۴]

ترجمہ حدیث نمبر ۳

''عبدالرزاق، معمر سے، وہ یحیٰی بن کثیر سے، وہ ضمضم (الیمامی) سے، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، (آپ کی نورانیت کا یہ عالم تھا) گویا کہ سورج آپ کی آنکھوں سے روشن ہو رہا ہے'' ---

[مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر ۳، جلد ۱، صفحہ ۵۶]

نوراً كله بل نوراً من نور الله من رآه (بديهةً)* هابه ومن رآه مراراً استحبه أشد استحباب(١).

١٨- عبدالرزاق عن معمر(٢) عن ابن المنكدر(٣) عن جابر(٤) قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أول شيء خلقه

---

* في الأصل بديها ولعل الصواب ما أثبتناه (بديهةً) وقد يكون خطأ من الناسخ.

(١) إسناده صحيح، فقد تقدم ترجمة معمر برقم (١) أما الزهري عن سالم عن أبيه فهي من أصح الأسانيد التي ذكرها الحفاظ، كالإمام أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهوية كما في كتاب إرشاد طلاب الحقائق للنووي (١/١١٢)، كما وأخرجه بمعناه الترمذي (٥/٥٩٩)، وابن أبي شيبة في المصنف(٦/٣٢٨)، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه: كان إذا وصف النبي صلى الله عليه وسلم قال: لم يكن بالطويل الممغط ولا بالقصير المتردد، وكان ربعة القوم... إلى أن قال: من رآه بديهة هابه ومن خالطه معرفة أحبه يقول ناعته لم أر قبله ولا بعده.

(٢) تقدم ترجمته برقم (١).

(٣) هو محمد بن المنكدر بن عبدالله بن الهدير التيمي، أبو عبدالله المدني ،احد الأئمة الأعلام، روى عن جابر بن عبدالله وأبو هريرة وعائشة وابن عباس وابن عمر وغيرهم، وروى عنه خلق كثير منهم زيد بن أسلم والزهري والثوري وابن عيينة والأوزاعي، وهو ثقة فاضل، مات سنة ثلاثين ومائة (التقريب ٦٣٢٧، تهذيب التهذيب ٣/٧٠٩، تهذيب الكمال ٢٦ /٥٠٣).

(٤) هو جابر بن عبدالله بن عمرو بن حرام بن سلمة الأنصاري السلمي، يكنى أبا عبدالله وأبا عبدالرحمن، أحد المكثرين عن النبي صلى الله عليه وسلم له ولأبيه صحبة كان مع من شهد العقبة وغزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم تسع عشرة غزوة، مات سنة ثمان وسبعين للهجرة، وهو آخر -

٦٣

مطبوعہ نسخہ مصنف عبدالرزاق سے حدیث نور کا عکس

الله تعالى؟ فقال: هو نور نبيك يا جابر خلقه الله، ثم خلق فيه كل خير، وخلق بعده كل شيء، وحين خلقة أقامه قدامه من مقام القرب اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعه أقسام فخلق العرش/ والكرسي من قسم: وحملة العرش وخزنة الكرسي من قسم، وأقام القسم الرابع في مقام الحب اثني عشر ألف، ثم جعله أربعة أقسام فخلق القلم من قسم، واللوح من قسم، والجنة من قسم، ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثني عشر ألف سنة جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والكواكب من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثني عشر ألف سنة، ثم جعله أربعه أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء وأقام الجزء الرابع في مقام الحياء اثني عشر ألف سنة ثم نظر الله عز وجل إليه فترشح النور عرقاً فقطر منه مائة ألف وأربعة. ٤/

- أصحاب رسول الله موتاً بالمدينة ،ويقال أنه عاش أربعاً وتسعين سنة (الإصابة ٤٥/٢ الاستيعاب لابن عبدالبر ٢١٩/١، أسد الغابة ٢٥٦/١).

- قلت: بعد بيان تراجم هؤلاء الأعلام الثقات يتضح من خلاله أن الحديث صحيح الإسناد.

[وعشرون ألف وأربعة آلاف]* قطرة من نور، فخلق الله من كل قطرة روح نبي، أو روح رسول ثم تنفست أرواح الأنبياء فخلق الله من أنفاسهم الأولياء والشهداء والسعداء والمطيعين إلى يوم القيامة، فالعرش والكرسي/ من نوري /٤ والكروبيون من نوري والروحانيون والملائكة من نوري والجنة وما فيها من النعيم من نوري، وملائكة السموات السبع من نوري، والشمس والقمر والكواكب من نوري، والعقل والتوفيق من نوري، وأرواح الرسل والأنبياء من نوري، والشهداء والسعداء والصالحون من نتاج نوري، ثم خلق الله اثني عشر ألف حجاب فأقام الله نوري وهو الجزء الرابع، في كل حجاب ألف سنة، وهي مقامات العبودية والسكينة والصبر والصدق واليقين، فغمس الله ذلك النور في كل حجاب ألف سنة فلما أخرج الله النور من الحجب ركبه الله في الأرض فكان يضيء منها ما بين المشرق والمغرب كالسراج في الليل المظلم، ثم خلق الله آدم من الأرض فركب فيه النور في جبينه، ثم انتقل منه إلى شيث، وكان ينتقل من طاهر إلى طيب، ومن

---

* سقط في نسخة المصنف بتقديم وتأخير في الألفاظ وقد أثبتنا عبارة الشيخ الأكبر من كتاب تلقيح الفهوم (خ ل ١٢٩ ب) لأنها أضبط من عبارة النص.

طيب إلى طاهر، إلى أن أوصله الله صلب عبدالله بن عبدالمطلب، ومنه إلى رحم أمي آمنه بنت وهب، ثم أخرجني إلى الدنيا فجعلني/ سيد المرسلين وخاتم النبيين ورحمة للعالمين /١٥أ وقائد الغر المحجلين وهكذا كان بدء خلق نبيك يا جابر[١].

(١) أورده الشيخ الأكبر محي الدين بن عربي في كتابة تلقيح الفهوم (خ ل١٢٨ أ) بنفس اللفظ، وأخرجه بمعناه الخركوشي في شرف المصطفي (٧٠٣/١) عن علي كرم الله وجهه، وذكره العجلوني في كشف الخفا (٣١١/١)، فقال: رواه عبدالرزاق بسنده عن جابر بن عبدالله، والقسطلاني في المواهب اللدنية (٧١/١)، كما وأخرجه عبدالملك بن زيادة الله الطبني في فوائدة عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه في جملة حديث طويل: ياعمر أتدري من أنا ؟ أنا الذي خلق الله عز وجل أول كل شيء نوري فسجد لله فبقي في سجوده سبعمائة عام ،فأول كل شيء سجد نوري ولا فخر ياعمر أتدري من أنا ، أنا الذي خلق الله العرش من نوري والكرسي من نوري واللوح والقلم من نوري والشمس والقمر من نوري، ونور الأبصار من نوري، والعقل الذي في [رؤوس] الخلائق من نوري، ونور المعرفة في قلوب المؤمنين من نوري ولا فخر، اهـ. ذكره المحدث السيد محمد جعفر الكتاني في كتابه العلم النبوي (ل خ١٣٣/٢).

وقد حل الإمام الحلواني في كتابه مواكب ربيع (٢٧-٣٣)، إشكالات معاني حديث جابر فقال مانصه: (وقد) روي الحديث بروايات شتى وفيه ككل إشكالات خمسة (الإشكال الأول) أن أولية النور المحمدي فيه يعارضها ما جاء بأسانيد متعددة أن الله تعالى لم يخلق شيئاً مما خلق قبل الماء وكذا خبر أول ما خلق الله روحي وخبر أول ما خلق الله القلم وخبر أول ما خلق الله اللوح وخبر أول ما خلق الله العقل وغير ذلك من أخبار الأولية ثم هي -

حدیث "کان نورا کله بل نورا من نور اللّٰہ"

حدیث ۱۷ : عبد الرزاق عن معمر عن الزهری عن سالم عن ابیه انه قال رایت النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم بعینی هاتین و کان نورا کله بل نورا من نور اللّٰہ من رآه بدیهة هابه و من رآه مرارا استحبه اشد استحباب---

"عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ سالم سے، وہ اپنے والد ابوامیہ تمیمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، آپ سراسر نور بلکہ (نورٌ من نور اللہ) اللہ کے نور میں سے نور تھے، جس شخص کی نظر اچانک آپ پر پڑتی، اس پر آپ کی ہیبت طاری ہو جاتی اور جو بار بار شرف زیارت سے مشرف ہوتا وہ آپ کی شدید محبت کا اسیر ہو جاتا"---[مصنف عبدالرزاق، جلد ۱، صفحہ ۶۲، ۶۳، حدیث ۱۷]

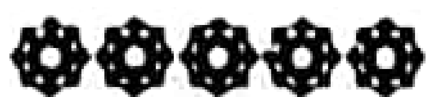
ترجمہ حدیثِ نور

"امام عبدالرزاق، معمر سے وہ ابن منکدر سے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی شے پیدا کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اے جابر! وہ تیرے نبی کا نور ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرما کر اس میں ہر خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر شے پیدا کی، جب اس نور کو پیدا فرمایا تو اسے بارہ ہزار سال تک مقام قرب پہ اپنے سامنے قائز رکھا، پھر اس کے چار حصص کیے، ایک حصہ سے عرش و کرسی، دوسرے حصہ سے حاملین عرش اور خازنین کرسی پیدا کیے، پھر چوتھے حصہ کو مقام محبت پر بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار میں تقسیم کیا، ایک سے قلم، دوسرے

سے لوح، تیسرے سے جنت بنائی، پھر چوتھے کو مقام خوف پر بارہ ہزار سال رکھا، پھر اس کے چار اجزاء کیے، ایک جز سے ملائکہ، دوسرے سے شمس، تیسرے سے قمر اور ستارے بنائے، پھر چوتھے جز کو مقام رجا پر بارہ ہزار سال تک رکھا، پھر اس کے چار اجزاء بنائے، ایک سے عقل، دوسرے سے علم وحکمت، تیسرے سے عصمت وتوفیق بنائی، پھر چوتھے کو مقام حیا پر بارہ ہزار سال تک رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر نظر کرم فرمائی تو اس نور کو پسینہ آیا، جس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نور کے قطرے جھڑے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قطرہ سے نبی کی روح یا رسول کی روح پیدا کی، پھر ارواح انبیاء نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان انفاس سے تا قیامت اولیاء، شہداء، سعداء اور فرماں برداروں کو پیدا فرمایا، تو عرش وکرسی میرے نور سے، کروبیون میرے نور سے، روحانیون میرے نور سے، ملائکہ میرے نور سے، جنت اور اس کی تمام نعمتیں میرے نور سے، ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے، شمس وقمر اور ستارے میرے نور سے، عقل وتوفیق میرے نور سے، ارواح رسل وانبیاء میرے نور سے، شہداء، سعداء اور صالحین میرے نور کے فیض سے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے میرے نور کے جز رابع کو ہر پردہ میں ہزار سال رکھا اور یہ مقامات عبودیت، سکینہ، صبر اور صدق ویقین تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہزار سال تک اس پردہ میں غوطہ زن رکھا، جب اسے اس پردہ سے نکالا اور اسے زمین پر متمکن کیا تو اس سے مشرق ومغرب یوں روشن ہوئے جیسے تاریک رات میں چراغ، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا تو ان کی پیشانی میں نور رکھا، پھر اسے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل کیا، پھر وہ طاہر سے طیب اور طیب سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا ہوا عبداللہ بن عبدالمطلب کی پشت میں اور آمنہ بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے شکم میں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں پیدا فرما کر رسل کا سردار، آخری نبی، رحمۃ للعالمین اور روشن اعضاء والوں کا قائد بنایا۔ تو جابر! یوں تیرے نبی کی تخلیق کی ابتدا ہوئی"---

[مصنف عبدالرزاق، جلد۱، حدیث ۱۸]





بسم الله الرحمن الرحيم

باب في تخليق نور محمد صلى الله عليه وسلم عبد الرزاق عن باب

معمر عن الزهري عن السائب بن يزيد قال إن الله تعالى خلق شجرة و

لها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد صلى الله عليه

وسلم في حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاوس ووضعه

على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة ثم خلق

مرآة الحياء ووضعها باستقباله فلما نظر الطاوس فيها رأى صورته

أحسن صورة وأزين هيئة فاستحيى من الله فسجد خمس مرات فصارت

علينا تلك السجدات فرضا موقتا فأمر الله تعالى بخمس صلوات

على محمد صلى الله عليه وسلم وأمته والله تعالى نظر إلى ذلك

النور فعرق حياء من الله تعالى فمن عرق رأسه خلق الملائكة

ومن عرق وجهه خلق العرش والكرسي واللوح والقلم والشمس

والقمر والحجاب والكواكب وما كان في السماء ومن عرق صدره

خلق الأنبياء والرسل والعلماء والشهداء والصالحين ومن عرق

حاجية

الصفحة الأولى من المخطوطة

مخطوطہ مصنّف عبدالرزاق ـــــ پہلے صفحہ کا عکس

ابن جبير مثله • عبد الرزاق عن معمر عن ابن ابى نجيح عن
مجاهد قال كان يقول فى هذه الآية وان كنتم مرضى او
على سفر او جاء احد منكم من الغائط قال هى للمريض تصيبه
الجنابة اذا خاف على نفسه فله الرخصة فى التيمم مثل
المسافر اذا لم يجد الماء • تم الجزء الاول من مصنف عبد
الرزاق بن همام الصنعانى ويليه الجزء الثانى
وبدأ بباب اذا لم يجد الماء وقد تم الفراغ
من نسخه ضحى يوم الاثنين التاسع
من شهر رمضان الميمون سنة ثلث
وثلاثين وتسعمائة من هجرة سيد
المرسلين واكمل الخلق اجمعين
صلى الله عليه وسلم
فى بغداد المحروسة على
يد الفقير اسحق ابن
عبد الرحمن السليمانى
غفر الله له ولوالديه

الصفحة الأخيرة من المخطوطة

مخطوطہ کا آخری صفحہ

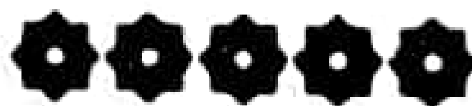
ہر وصف، ہر کمال میں یکتا کہوں تجھے

مہرِ دنیٰ، مہِ فتدلیٰ کہوں تجھے / عکسِ جمالِ روئے خدا کا کہوں تجھے
قاسم کنوزِ ملک خدا کا کہوں تجھے / "جانِ مرادو کانِ تمنا کہوں تجھے"
ارض و سما میں اعظم و اکبر خدا کے بعد / سب سے بزرگ اے شہ والا کہوں تجھے
حد ہی نہیں کوئی ترے حسن و جمال کی / ثابت کے بیٹے (رضی اللہ عنہ) نے جو کہا تھا کہوں تجھے
نقشِ جمیل، عظمتِ اخلاق، تیری ذات / کردار کا نمونۂ زیبا کہوں تجھے
کوئی ترا مثیل نہیں کائنات میں / ہر وصف، ہر کمال میں یکتا کہوں تجھے
کس کی رضا خدا کی رضا ہے، لکھوں تری / کس کو ملی نویدِ فترضیٰ، کہوں تجھے
امروز و دوش کا ہے تو دانش ورِ عظیم / شاہِ جہانِ حکمتِ فردا کہوں تجھے
دنیا میں بے کسوں کا مددگار و دل نواز / محشر میں عاصیوں کا سہارا کہوں تجھے
ہر کشتِ آرزو کے لیے ابرِ گل فشاں / ہر دشتِ زیست کا چمن آرا کہوں تجھے
ناقص مرا کلام، مری فکر نارسا / کیا اہتمامِ نعت کروں، کیا کہوں تجھے

طارق ہے مجھ پہ بھی بڑا احسانِ کبریا
میں بھی خدا کی نعمتِ عظمیٰ کہوں تجھے

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



فنِ کتابت اور عربوں کے حافظے

مولانا ہدایت اللہ

فنِ کتابت تہذیب وتمدن کا مظہر، اجتماعی زندگی کا پرتو، خوش حالی اور فارغ البالی کا طبعی نتیجہ ہے۔ اسی وجہ سے دنیائے عالم میں سب سے قبل مصر و بابل میں فنِ کتابت کی ابتداء و ایجاد، بصورتِ تصاویر و اشکال ہونے کا پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا اور بعدازاں وہاں سے شام فینیشیا میں آ کر یہ رسم الخط حروف تہجی کی شکل اختیار کر گیا اور ۱۰۰۰ ق م یونان نے اس کو ترقی دے کر بلند معیار پر پہنچا دیا۔ پھر وہاں سے بتدریج دیگر ممالک میں پھیل گیا۔ [تاریخ فلسفۂ مغرب]

جزیزہ نما عرب میں پہلے پہل یمن میں فنِ کتابت کا رواج ہوا، پھر یمن سے حیرہ اور انبار میں بادشاہوں کے باہم دیگر تعلقات کی بنا پر منتقل ہوا۔

ابنِ ندیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے:

''سب سے قبل جس نے عربی خط لکھا، وہ قبیلہ بولان کے تین اشخاص، مرارہ بن مرہ، اسلم بن سعدہ اور عامر بن جدہ تھے، جو انبار میں مقیم تھے اور وہ اس رسم الخط کو 'حیری' کہتے تھے، پھر بشر بن عبدالمالک کندی نے انبار سے سیکھ کر حرب کی قرابت کی وجہ سے مکہ معظمہ میں اس کی تعلیم دی'' --- [محاضرات وغیرہ]

بایں ہمہ فنِ کتابت عرب میں نہایت معمولی اور غایت درجے کم تھا، بہت کم اشخاص اس سے آشنا تھے، گویا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا۔ علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے:

''جب رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو قریش میں سے صرف سترہ آدمی لکھنا

جانتے تھے"---

بدیں وجہ قرآن پاک میں عربی قوم کو اُمی اور اَن پڑھ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک سے ارشاد ملاحظہ ہو:

نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَ لَا نَحْسُبُ---

"ہم ان پڑھ لوگ ہیں، حساب اور کتابت نہیں جانتے"---

فنِ کتابت کے عام رواج اور فروغ نہ پانے کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کے حافظے نہایت قوی اور اوجِ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ سیکڑوں اشعار کے قصیدے ایک ہی مجلس میں، ایک ہی دفعہ سن کر حفظ کر لیتے تھے اور جو بات ایک دفعہ کان میں داخل ہوگئی، وہ تا دمِ زندگی محفوظ ہوگئی اور یادداشت کو اس قدر عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ وہ تحریر کو عیب کی طرح چھپاتے تھے اور جن کے پاس تحریر ہوتی تھی، اس کو کمزور حافظے والا شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۶۸ھ) نے عمر بن ربیعہ ؓ (۲۳ھ - ۹۳ھ) کا لمبا قصیدہ جس کا مطلع:

امن آل نعم انت غاد فمبکر
غداۃ غد أم رائح فمھجر

ہے، ایک ہی دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا۔ [مختصر جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ۳۵]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو صاحب بھی تم میں سے اپنا کپڑا بچھا دے گا، تا آں کہ میں اس میں دعا کر دوں، پھر وہ اسے اپنے سینے سے لگا لے تو اسے کبھی نسیان نہ ہوگا---

چناں چہ میں نے اپنی چادر بچھا دی اور میرے پاس صرف وہی چادر تھی، آپ ﷺ نے اس پر دم کر دیا، پھر میں نے سینے سے لگا لیا، بخدا مجھے اس دن سے کبھی نسیان نہیں ہوا"---[مشکوٰۃ، صفحہ: ۵۳۵]

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مروان بن حکم (۶۵ھ) نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ ؓ (۵۷ھ) سے حدیثیں سنیں اور اپنے منشی کو کہا کہ لکھتے جاؤ اور ایک سال کے بعد پھر انھی احادیث کے سننے کی گزارش کی، تو آپ نے بلاکم وکاست پہلے کی طرح سنا دیں۔

امام شعبی فرماتے ہیں:

"میں نے کبھی کوئی چیز لکھی نہیں اور نہ کبھی کسی سے بات دہرائی ہے [جامع بیان العلم،

صفحہ ۳۵]اور جو کچھ میں نے کسی سے سنا ہے، وہ مجھے حفظ ہے"---

مکحول کہتے ہیں:

"وہ نہایت فقیہ اور ذکی انسان تھے"---[مقدمہ تحفۃ الاحوذی، صفحہ ۲۲۶]

ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) فرماتے ہیں:

"میرا کسی ضرورت سے جب 'بقیع' سے گزر ہوتا ہے تو اپنے کانوں کو بند کر لیتا ہوں، کہ مبادا کوئی بکواس اور فحش کلام حافظہ میں محفوظ ہو جائے، خدا کی قسم! میرے کان میں جو بات ایک دفعہ آ گئی، وہ مجھے کبھی نہیں بھولی [جامع ابن عبدالبر، صفحہ ۳۵] اور صرف اسّی (۸۰) دن میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا"---

قتادہ کا بیان ہے:

"(حضرت سیدنا) سعید بن میسبؓ (۱۴ھ - ۹۳ھ) سے میں نے بڑا کوئی عالم نہیں پایا۔ حسن بصریؓ کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ سعید سے دریافت کیا کرتے تھے"---

مکحول شامی کہتے ہیں:

"میں نے طالب علمی کے زمانے میں سارا جہان چھان مارا، لیکن ابن میسب سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں پایا"---[اکمال، مقدمہ تحفۃ الاحوذی]

قتادہ، حضرت سعید بن میسبؓ فقیہ مدینہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے متواتر کئی دن تک علمی استفادہ کرتے رہے۔ حضرت سعید نے کہا:

"تمھیں یہ یاد بھی ہے؟"---

قتادہ نے کہا:

"جی ہاں! آپ نے فلاں مسئلہ کا یہ جواب ارشاد فرمایا تھا اور فلاں کا یہ اور اس مسئلے میں حسن بصری کا یہ قول ہے"---

حضرت سعید کہنے لگے:

"میرا یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ خدا کی مخلوق میں کوئی تم جیسا انسان بھی ہوگا"---

یحییٰ قطان فرماتے ہیں:

"میں نے سفیان ثوری (۹۷ھ - ۱۶۱ھ) سے کسی کو احفظ نہیں پایا، ان کو تیس ہزار احادیث یاد تھیں۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سینے میں جو بات بھی ودیعت

رکھی ہے، اس نے کبھی خیانت نہیں کی"---[مقدمہ تحفۃ الاحوذی، صفحہ ۲۱۶]

سفیان بن عیینہ کو سات ہزار حدیثیں یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ ائمہ کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے حافظے اور دیانت کی بنا پر قابل حجت ہیں۔[مقدمہ تحفہ، صفحہ ۲۲۱]

وہ خود کہتے ہیں:

"زہیر بن معاویہ میرے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ اپنی کتاب سے دیکھ کر پڑھائیے۔ میں نے کہا کہ میری یادداشت کتاب سے بہتر ہے، کتاب میں نے بعد میں اپنے حافظے سے مرتب کی ہے"---[کفایہ بغدادی، صفحہ ۲۴۱]

سلیمان بن حرب قاضی مکہ (۱۴۰ھ - ۲۲۴ھ) کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ انھوں نے دس ہزار حدیثیں اپنے حافظے سے بیان کیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ یحییٰ قطان (۱۲۰ھ - ۱۹۸ھ) نے مجھ سے کہا کہ سلیمان بن حرب سے حماد بن زید (م ۱۹۹ھ) کی احادیث سنا کرو۔ چناں چہ میں اور علی بن مدینی (۱۶۱ھ - ۲۳۴ھ) ان کے پاس گئے، عرض کیا کہ حماد بن زید کی احادیث کتاب سے دیکھ کر پڑھاؤ تو انھوں نے فرمایا:

لَیْسَ اِلَیَّ الْکِتَابُ سَبِیْلٌ اِنَّمَا کَتَبْتُ کِتَابِیْ مِنْ حِفْظِیْ وَ حِفْظِیْ اَصَحُّ مِنْ کِتَابِیْ---[کفایہ بغدادی، صفحہ ۲۴۱]

"کتاب کی کوئی ضرورت نہیں، کتاب اپنی یادداشت سے تیار کی ہے، میرا حافظہ کتاب سے زیادہ قوی اور درست ہے"---

امام احمد فرماتے ہیں:

"دارالخلافہ بغداد کے پل پر سے ابوزرعہ (۲۰ھ - ۲۶۴ھ) سے کوئی احفظ اور زیادہ یادداشت والا نہیں گزرا، صرف قرآن کے بارے میں دس ہزار احادیث یاد تھیں اور وہ حافظے میں یکتائے روزگار شمار کیے جاتے تھے"---

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

"میں نے وکیع (۱۲۹ھ - ۱۹۷ھ) سے کوئی زیادہ حافظے والا نہیں پایا"---[کفایہ، صفحہ ۲۵۹]

ابوداؤد فرماتے ہیں:

"وکیع کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی"---

ابراہیم بن منہاس کہتے ہیں:

''اگر مجھے کسی چیز پر رشک آتا تو وہ صرف وکیع کا حافظہ ہے''---[مقدمہ تحفہ،صفحہ۲۳۶]

امام ابوزرعہ فرماتے ہیں:

''میں نے علی بن مدینی (۱۶۱ھ - ۲۳۴ھ)، عمر بن علی اور ابن شاذ کوفی سے کوئی زیادہ حافظے والا نہیں پایا''---[ترمذی]

عبداللہ بن مبارک (۱۱۸ھ - ۱۸۱ھ) کا حافظہ بے نظیر تھا۔ان کے والد نے کہا:

''اگر تمہاری کتابیں میرے ہاتھ لگ گئیں تو میں جلادوں گا''---

انھوں نے فرمایا:

''کوئی مضائقہ نہیں، یہ سب کتابیں میرے سینے میں محفوظ ہیں''---

شعیب بن حرب کہتے ہیں:

''ابن مبارک نے اپنا نظیر نہیں پایا''---

شعبہ کہتے ہیں:

''ابن مبارک جیسا بے نظیر شخص ہمارے پاس نہیں آیا، انھوں نے قریباً بیس ہزار حدیثیں بیان کی ہیں''---[مقدمہ تحفہ،صفحہ۲۲۷]

محمد بن ابوبکر مقدمی کہتے ہیں:

''میں نے عبدالرحمان بن مہدی (۱۲۵ھ - ۱۹۸ھ) سے کوئی یادداشت میں قوی نہیں پایا''---

قواریری کہتے ہیں:

''انھوں نے مجھے اپنے حافظہ سے بیس ہزار حدیثیں لکھوائیں''---

امام ذہلی کا بیان ہے:

''میں نے ابن مہدی کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی''---

امام شافعی فرماتے ہیں:

''میں نے ان کو دنیا میں بے نظیر پایا''---[مقدمہ تحفہ،صفحہ۲۲۹]

امام ترمذی (۲۰۹ھ - ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے شیخ بندار سے سنا کہ ابواحمد زبیری سے کوئی زیادہ حافظے والا ہم نے نہیں دیکھا''---[ترمذی]

قاضی ابومحمد اصبہانی کہتے ہیں:

''میں نے ۵ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا'' ---[کفایہ]

ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں:

''میں نے مامون کی مجلس میں چار سالہ بچہ دیکھا، جس نے قرآن پاک پڑھا ہوا تھا'' ---[کفایہ، صفحہ ۶۴]

ابوداؤد خفاف کا بیان ہے:

''اسحاق بن راھویہ (۱۶۱ھ - ۲۳۰ھ) نے گیارہ ہزار احادیث اپنے حافظے سے لکھوائیں، پھر ان کا کتاب سے مقابلہ کیا گیا تو ایک شوشے کی بھی کمی بیشی نہ تھی'' ---

خود اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں:

''جو بات میں سن لیتا ہوں، وہ مجھے ہمیشہ کے لیے یاد ہو جاتی ہے'' ---

[مقدمہ تحفۃ الاحوذی، صفحہ ۲۱۳]

امام احمد، محدث نفیلی (۲۳۴ھ) کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم نے ان سے زیادہ احفظ نہیں پایا'' ---[اکمال]

رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں:

''میں نے امام دارمی (۱۸۱ھ - ۲۵۵ھ) سے کسی کو زیادہ حافظ نہیں پایا'' ---

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں:

''وہ عقل و دانائی، عبادت و زہد اور حافظہ میں ضرب المثل تھے'' ---

حافظ ابوذر سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے دار قطنی (۳۰۲ھ - ۳۸۵ھ) جیسا کسی کو پایا؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا:

''خود انھوں نے اپنا نظیر نہیں پایا، کجا میں'' ---

ابوعبداللہ الحاکم فرماتے ہیں:

''وہ حافظہ، فہم اور ارتقاء میں یکتائے روزگار تھے'' ---

خطیب بغدادی کہتے ہیں:

''وہ علل و اسماء الرجال میں غایت درجہ پر تھے'' ---[مقدمہ دار قطنی، مطبع انصاری]

مکحول تابعی (۱۱۸ھ) فرماتے ہیں:

''میں جو کچھ اپنے سینے میں محفوظ کرتا ہوں، اسے جب چاہتا ہوں، موجود پاتا ہوں'' ---[مقدمہ تحفہ، صفحہ ۲۳۵]

علی بن مدینی کہتے ہیں:

''محدثین میں سے امام احمد (۱۶۴ھ - ۲۴۱ھ) سے زیادہ کوئی حافظ نہیں تھا''---

ابوزرعہ کہتے ہیں:

''انھیں ایک لاکھ حدیث یاد تھی''---[مقدمہ تحفہ، صفحہ ۲۱۱]

امام شافعی (۱۵۰ھ - ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

''میں نے سات سال کی عمر میں قرآن یاد کر لیا تھا اور دس سال کی عمر میں موطا امام مالک یاد کر لیا تھا''---

امام احمد فرماتے ہیں:

''اسحاق بن راھویہ مجھ سے کہنے لگے، آؤ! تمھیں بے نظیر انسان دکھاؤں، چناں چہ وہ مجھے امام شافعی کے پاس لے گئے''---

امام ابوثور فرماتے ہیں:

''میں نے شافعی جیسا کوئی نہیں دیکھا''---[مقدمہ تحفہ، صفحہ ۸۸]

امام شافعی فرماتے ہیں:

''امام مالک (۹۵ھ - ۱۷۵ھ) اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم نابود ہو جاتا، صرف احکام کے متعلق بجز تیس احادیث کے امام مالک کے پاس موجود پائیں اور ابن عیینہ (۱۰۷ھ - ۱۹۸ھ) کے پاس بجز چھ احادیث کے سب موجود پائیں''---[مقدمہ زرقانی]

ابومسعود محدث، اصبہان تشریف لے گئے، اتفاقاً ان کے پاس کتابیں نہ تھیں، چناں چہ انھوں نے ایک ہزار حدیث زبانی لکھوائی، جب کتابیں منگوا کر ان سے مقابلہ کیا گیا تو نہایت معمولی اختلاف پایا گیا۔[کفایہ]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں:

''امام بخاری (۱۹۴ھ - ۲۶۵ھ) بچپن میں ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے پاس تعلیم کے لیے جایا کرتے تھے اور کچھ نہ لکھتے، چند دن کے بعد ہم نے ان کو ملامت کی، کہ تم لکھتے کیوں نہیں؟ امام صاحب فرمانے لگے، جو کچھ تم نے لکھا ہے مجھے دکھاؤ، ہم نے ان کو دکھایا تو کہا کہ انھوں نے ڈیڑھ ہزار حدیث پر اضافہ کیا اور تمام کی تمام حافظہ سے سنا ڈالیں، پھر ہم اپنی کتابوں کی صحت ان کے حافظہ سے کرنے لگے''---

[مقدمہ فتح الباری، صفحہ ۱۹۴]

امام بخاری جب سمرقند تشریف لے گئے تو اس وقت سمرقند میں چار سو محدث کامل الفن اور مرجع خلائق موجود تھے، ان کو امام صاحب کے تبحر علمی اور بے نظیر حافظہ کی خبر پہنچ چکی تھی۔ چناں چہ انھوں نے اتفاق کر کے ایک 'علمی مجلس' منعقد کی، جس میں امام صاحب کو مغالطہ دینے میں پوری قوت صرف کر دی گئی اور طرفہ یہ کہ یہ مجلس متواتر نو دن تک جمی رہی، جس میں شامیوں کی احادیث کو عراقیوں کی اسانید میں اور اہل عراق کی سندوں کو اہل شام کی حدیثوں میں اور حجاز کے متنوں کو یمن کی سندوں میں خلط ملط کر کے پیش کیا گیا۔ امام موصوف نے آن کی آن میں ساری تلبیس اور غلطیوں کی قلعی کھول کے رکھ دی۔ بالآخر سمرقندی حیران و ششدر رہ گئے اور امام صاحب کے خداداد حافظہ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بایں ہمہ امام بخاری پر کسی قسم کی گرفت نہ کر سکے۔

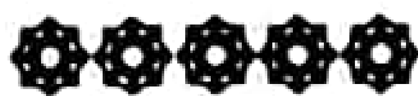
امام ترمذی کا بھی حافظہ ضرب المثل تھا۔ امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے حدیث کے دو اجزاء لکھے تھے، ہم مکہ معظمہ کے راستہ میں تھے کہ اتفاقاً شیخ ہمارے پاس سے گزرے میں نے اپنے کسی رفیق سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی شیخ ہیں، میں ان کی تلاش میں چل نکلا اور غلطی سے اصل کتابوں کے بجائے دو اور کتابیں اٹھا کر لے گیا۔ بالآخر ان کو پا لیا اور سماع کی اجازت طلب کی تو انھوں نے قبول فرما لی اور یادداشت سے مجھے حدیثیں سنانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میری طرف دیکھا تو کہا، تمھیں شرم نہیں آتی، یہ کیا مذاق ہے؟ پھر میں نے سارا ماجرا سنا دیا اور میں نے کہا مجھے وہ سب زبانی یاد ہے تو وہ کہنے لگے، اچھا پڑھو! تو میں نے وہ سب کا سب سنا دیا تو فرمایا، یہاں آنے سے قبل تم نے کہہ لیا ہوگا، میں نے عرض کی، جی نہیں۔ پھر میں نے کہا اور فرمائیں، تو پھر انھوں نے مجھے چالیس حدیثیں اور سنائیں اور فرمایا کہ یہ سناؤ، چناں چہ میں نے اوّل تا آخر سب سنا دیں تو انھوں نے فرمایا:

مَا رَأَیْتُ مِثْلَکَ --- "تجھ جیسا میں نے نہیں دیکھا" --- [مقدمہ تحفۃ الاحوذی]

امام ترمذی (۲۰۹ھ - ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

"امام بخاری (۱۹۴ھ - ۲۵۶ھ) نے مجھ سے کہا کہ جس قدر آپ مجھ سے مستفید ہوئے ہیں، میں اس سے زیادہ آپ سے مستفید ہوا ہوں" ---

قوت حافظہ سے متعلق یہ چند نام بطور نمونہ مشتے از خروارے ہیں۔



امام احمد بن حنبل اور امام شافعی علیہما الرحمۃ

دو عظیم ہستیاں

علم اور عبادت کی اہمیت

ابن آدم

امام احمد بن حنبل ﷺ کی ایک ننھی سی بچی تھی، جو یہ سوچا کرتی تھی کہ میرے والد اتنی غیر معمولی عبادت کرتے ہیں کہ دنیا ان کی عبادت کو ضرب المثل سمجھتی ہے۔ وہ کہتی کہ آخر اس سے زیادہ کیا عبادت ممکن ہے کہ دن مسجد میں حدیث پڑھانے میں گزریں اور راتیں مصلّے پر کھڑے ہو کر رونے میں۔ ان دو مشاغل کے علاوہ میرے والد کو کسی چیز سے غرض نہیں ہے۔ وہ یہ بھی سوچا کرتی کہ امام شافعی ﷺ جن کے لیے میرے والد ہر وقت دعا کرتے ہیں، آخر وہ کس درجہ کے انسان ہوں گے اور آخر ان کی عبادت گزاری کس درجہ اور کس شان کی ہوگی؟

امام شافعی ﷺ قاہرہ میں رہتے تھے اور امام احمد بن حنبل ﷺ بغداد میں رہا کرتے تھے۔ قاہرہ اور بغداد کا فاصلہ اتنا تھا کہ اگر آپ اس زمانہ کے لحاظ سے دیکھیں تو ملاقات کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ امام شافعی ﷺ کا پیغام امام احمد ﷺ کو ملا کہ میں بغداد آنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ بغداد میں فلاں محدث کے علم میں ایک حدیث ہے اور میں ان سے براہِ راست اس حدیث کو سننے کے لیے آنا چاہتا ہوں، ان کی عمر اتنی ہوگئی ہے کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ دنیا سے رخصت نہ ہو جائیں۔

چناں چہ ان سے ایک روایت سننے کے لیے انھوں نے قاہرہ سے بغداد کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں نہ ریل گاڑیاں ہوتی تھیں اور نہ جہاز ہوتے تھے، لیکن قافلے چلا کرتے تھے اور قافلوں کو منظم کرنے والے ہوتے تھے، جیسے آج کل ٹریول ایجنٹ ہوتے ہیں، انھیں جمّال کہا جاتا تھا۔ وہ

ایک شہر سے دوسرے شہر تک کارواں لے کر جایا کرتے تھے، تنہا سفر کرنا مشکل ہوتا تھا۔ راستے میں نہ کھانے کا انتظام ہے، نہ پانی ہے اور نہ سرائے۔ البتہ پورا کارواں جب چلے گا تو چار سو پانچ سو افراد پر مشتمل ہوگا۔ وہ اپنا انتظام بھی کرے گا اور کھانے پینے کا بندوبست بھی اسی کے ذمہ ہوگا اور راستے میں اپنی حفاظت کا انتظام بھی وہی کرے گا، اس لیے لوگ بہت پہلے سے قافلے میں اندراج کرالیا کرتے تھے۔ اعلان ہو جاتا تھا کہ فلاں تاریخ کو قافلہ روانہ ہوگا، جسے جانا ہو وہ پیسے جمع کرادے اور قافلہ میں شامل ہو کر روانہ ہو جائے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کرائے کے پیسے جمع کروائے اور قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کرائے کے پیسے پہلے سے جمع کروانے پڑتے تھے اور کھانے کے پیسے ساتھ لے لیے جاتے تھے اور وقت پر جمع کروانے پڑتے تھے۔ اس لیے جس جگہ قافلہ پڑاؤ ڈالا کرتا تھا، اس جگہ قرب و جوار سے لوگ آکر دکانیں بھی لگایا کرتے تھے، ان سے قافلے والے نقد پیسوں پر کھانا لیا کرتے تھے، اس طرح کئی ماہ کا سفر کر کے امام شافعی بغداد پہنچ گئے۔ قیام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہی ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کم سن بیٹی کو خصوصی ہدایات دے دیں کہ تمھیں میرے استاد کا خاص خیال رکھنا ہے، انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ بچی کو بڑا اشتیاق پیدا ہوا کہ اب یہ دیکھنے کا موقع ملے گا کہ ان کی رات کی عبادت کیسی ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کی نماز مسجد میں جا کر ادا کی اور واپس آکر آرام کی غرض سے بستر پر لیٹ گئے۔ بچی تھوڑی دیر میں اپنے والد کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھتی کہ وہ مصلے پر کھڑے ہیں اور رو رہے ہیں، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ کا دروازہ کھول کر دیکھتی کہ وہ بستر پر دراز ہیں اور سو رہے ہیں۔ اس کو خیال ہوا کہ شاید آج سفر سے آئے ہوئے ہیں، تھکن کی وجہ سے سو گئے ہیں، شاید تہجد میں اٹھیں گے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تہجد میں بھی نہیں اٹھے، فجر کی اذان پر بھی نہیں اٹھے، جب امام احمد بن حنبل نماز فجر کے لیے مسجد جانے لگے تو انھوں نے آواز دی کہ 'حضرت! جماعت تیار ہے تشریف لے چلیے'۔ امام شافعی نے چادر اتار کر پھینکی اور ان کے ساتھ مسجد روانہ ہو گئے۔ بچی حیرانی سے یہ تمام منظر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ معلوم نہیں کیا معاملہ ہے، ویسے تو میرے والد کے بھی شیخ اور استاد ہیں، مگر تمام رات سوئے رہے۔ صبح کو فجر کی نماز کے لیے وضو کیے بغیر ہی مسجد چلے گئے اور وضو کا پانی جوں کا توں رکھا رہا، آخر میرے والد ان کے کس عمل کی وجہ سے ان کے اتنے قائل ہیں کہ ہر وقت ان کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سنت کے مطابق فجر کے بعد مسجد میں بیٹھے رہے اور ذکر کرتے رہے، سورج نکلنے کے بعد اشراق کے نوافل ادا کر کے گھر واپس آئے کہ مسنون طریقہ یہی ہے۔ حضرت

امام شافعی ﷺ فجر پڑھ کر ہی واپس آ گئے اور پھر بستر پر لیٹ گئے۔ جب ناشتا لگ گیا اور انھیں ناشتا کے لیے بلایا گیا تو وہ دوبارہ چادر پھینک کر ناشتا کے لیے آ کر بیٹھ گئے۔ اب یہ بچی دیکھتی کہ اس کے والد ہمیشہ سے تھوڑا کھاتے ہیں، اس نے شاید یہی سنا تھا کہ بزرگ بہت تھوڑا کھاتے ہیں، لیکن امام شافعی کو دیکھا کہ انھوں نے خوب ڈٹ کر ناشتا کیا۔ اس کا یہ خیال ہوا کہ اگر وہ واقعی بزرگ ہیں تو ان کے اندر یہ باتیں کیوں ہیں؟ اور اگر ان کے اندر یہ باتیں ہیں تو پھر یہ بزرگ کس طرح ہیں؟

اسی اثنا میں امام احمد نے استاذ گرامی سے پوچھا:

''رات آرام سے گزری، ٹھیک طرح سے سو گئے تھے؟''---

امام شافعی نے جواب دیا:

''رات اللہ تعالیٰ کے فضل سے آرام سے گزری، مگر میں سویا ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں''---

انھوں نے پوچھا:

کیا وجہ ہوئی؟ امام شافعی نے جواب دیا، رات جب تم نے عشاء کی نماز پڑھائی تو تم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَ اِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ﴾---

(یہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات میں سے ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ) اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک اسے خوش حالی نصیب نہ ہو جائے''---

امام شافعی نے فرمایا:

''اس آیت مبارکہ کو سن کر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس آیت سے تو اسلامی قانون افلاس نکلتا ہے، پھر میں نے غور کیا تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس قانون افلاس کی بنیاد اخلاقی اصول پر ہے، پھر مجھے خیال آیا کہ اس سے تو یہ حکم بھی نکلتا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ اس سے تو فلاں حکم بھی نکلتا ہے''---

وہ بیان کرتے گئے اور امام احمد سنتے گئے۔ پھر انھوں نے کہا:

''جب ۱۰۸ ویں مسئلہ پر پہنچا تو تم نے مجھے فجر کی نماز کے لیے آواز دے دی''---

اب جا کر بچی کو معلوم ہوا کہ امام شافعی ﷺ کی ایک رات میرے والد کی ہزاروں راتوں کے اوپر بھاری ہے۔ اس لیے کہ اس کے والد جو کچھ کر رہے ہیں وہ اپنی ذات کے لیے کر رہے ہیں اور

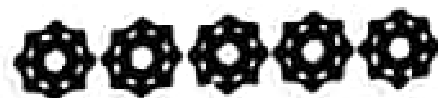
امام شافعی ﷺ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ پوری امت کے لیے ہے اور امت آج تک ان کے اس کام سے استفادہ کر رہی ہے۔

سوال کا دوسرا حصہ اگرچہ موضوع سے متعلق نہیں ہے لیکن بچی کے دل میں بھی یہ خیال تھا کہ زیادہ کیوں کھاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں بھی سوال پیدا ہو۔ امام احمد ﷺ نے ان سے پوچھا کہ 'آپ کا سفر کیسا گزرا؟' امام شافعی نے کہا:

''سفر میں تھوڑی سی پریشانی رہی، اس لیے کہ جب میں قاہرہ سے روانہ ہوا تو میرے ساتھ پیسوں کی جو تھیلی تھی، درہم اور دینار کی، وہ راستے میں گم ہو گئی، اب میرے سامنے دو ہی صورتیں تھیں، ایک تو یہ کہ قاہرہ واپس چلا جاؤں اور دوبارہ پیسوں کا انتظام کر کے آؤں، اس عرصہ میں یہ قافلہ نکل جاتا اور جس محدث کی خدمت میں جا رہا ہوں وہ چراغ سحری ہیں، نہ معلوم کب گل ہو جائے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤں کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا، میں نے اس دوسری صورت پر عمل کرنے کو ترجیح دی، میرے قافلے کے ساتھیوں نے میری بہت عزت اور خدمت کی، لیکن مجھے ان کی آمدنی پر بہت زیادہ اعتماد نہیں تھا کہ جائز ہے یا ناجائز، اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب انسان کی جان پر بن جائے تو مشکوک آمدنی میں سے بقدر ضرورت کھا سکتا ہے، اس لیے میں نے تیسرے چوتھے دن ان سے بقدر ضرورت کھانا قبول کیا اور پورے چھ ماہ کے سفر میں شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھا سکا، آج پہلی مرتبہ مجھے حلال اور جائز کھانا ملا، دوسرے یہ کہ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ حلال رزق میں خاص نور ہوتا ہے، جس کا اندازہ دسترخوان پر بیٹھ کر ہی ہو جاتا ہے، آج تمہارے دسترخوان پر بیٹھ کر مجھے جتنا نور نظر آیا اتنا کسی اور دسترخوان پر کبھی نظر نہیں آیا تھا، اس لیے میں نے آج اس نور سے خوب استفادہ کیا''---

ان کی اس بات سے بچی کے دوسرے سوال کا جواب بھی مل گیا۔ امام شافعی ﷺ بہت سے ائمہ فقہ میں ایک امام فقہ تھے اور ان کی طرح کے اللہ تعالیٰ نے سیکڑوں ائمہ فقہ پیدا کیے تھے، انھوں نے ایک رات میں قرآن مجید کے تین الفاظ سے ۱۰۸ مسائل کا استنباط کیا، کتنے فقہا نے کتنے مسائل قرآن مجید سے نکالے ہوں گے، اس کا اب کچھ نہ کچھ اندازہ امت کا ہر شخص کر سکتا ہے۔

[بہ شکریہ ماہ نامہ ساحل، کراچی، فروری ۲۰۰۶ء]



سکّوں پر نقش کی ابتداء

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی ذہانت

امام ابراہیم بن محمد بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب 'المحاسن و المساوی' میں کسائی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید کے پاس ایوان خلافت میں گیا، خلیفہ کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، اس نے چاندی کی ایک تھیلی پھاڑ کر اپنے خدام خاص میں بانٹنے کا حکم دیا، اس کے ہاتھ میں ایک ایسا درہم تھا، جس کی لکھائی چمک رہی تھی اور وہ اس کی چمک دمک میں محو تھا۔ وہ عام طور پر مجھے دل چسپ اور عجیب باتیں سنایا کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا، کیا تم جانتے ہو کہ سونے چاندی پر لکھائی کی ابتدا سب سے پہلے کس نے کی؟ میں نے کہا، سب سے پہلے یہ کام عبدالملک بن مروان نے کیا، خلیفہ نے مجھ سے اس کا سبب دریافت کیا، میں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا، مجھے تو صرف یہ معلوم ہے کہ اس کام کا ایجاد کنندہ وہی ہے۔ رشید نے کہا، لو سنو! میں تمہیں ساری کہانی سناتا ہوں:

جو رومی چادریں مصر میں تیار کی جاتی تھیں، ان پر رومی زبان میں چھپائی ہوتی تھی، مصر کے اکثر باشندے شاہ روم کے دین یعنی عیسائیت کے پیروکار تھے، اس لیے ان چادروں پر باپ، بیٹا، روح کے پختہ نقوش چھپے ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی دور تک چلتا رہا، سب سے پہلے

خلیفہ عبد الملک، کو عیسائیوں کے اس انداز تبلیغ کا احساس ہوا، وہ ذہین فطین شخص تھا، ایک روز اس کے سامنے ایک مصری چادر آئی، اس نے اس کی چھپائی دیکھی تو حکم دیا کہ اس پر نقش عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا جائے، جب اس نے ترجمہ دیکھا تو اس کو نہایت برا اور ناپسند قرار دیا اور کہنے لگا:

یہ دین اسلام کی رو سے کتنی ناپسندیدہ بات ہے کہ مصری چادروں پر ایسی چھپائی ہو، جب کہ ایسے ہی نقش و نگار برتنوں اور کپڑوں پر بھی کیے جاتے ہیں، جنہیں مصر میں بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس شہر کے بنے ہوئے پردوں وغیرہ پر بھی ایسے ہی چھاپے لگائے جاتے ہیں اور یہ کام بڑے وسیع پیمانے پر دنیا کے اکناف واطراف میں پھیل جاتا ہے۔

چناں چہ اس نے مصر کے عامل عبدالعزیز بن مروان کو ایسے نقش و نگار مٹانے کا حکم دیا، نیز یہ حکم دیا کہ ان چادروں پر یہ چھاپا جائے:

شهد الله انه لا اله الا هو ---

یہ لکھائی خصوصاً چادروں پر ابھی تک ویسے ہی موجود ہے، اس میں کمی، بیشی یا تبدیلی نہیں کی گئی۔

خلیفہ نے تمام اسلامی شہروں کے حکام کو لکھ بھیجا کہ رومی نقش و نگار والی جو چادریں ان کے پاس موجود ہیں، ان سے یہ رومی لکھائی فوراً مٹا دیں، اگر اس کے بعد یہ چادریں کسی کے پاس پائی گئیں، تو اسے سخت سزا ملے گی اور قید بھی کاٹنا پڑے گی۔

جب یہ نئی چادریں جن پر کلمہ توحید چھپا ہوا تھا، تیار ہو کر روم پہنچیں تو شاہ روم کو بھی اس کی خبر ہوئی، اس کے سامنے جب کلمہ توحید کا ترجمہ کیا گیا تو اس نے اسے سخت ناپسند کیا، غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے مسلمانوں کے خلاف نہایت گندی زبان استعمال کی۔

شاہ روم نے فوراً خلیفہ عبدالملک کو یہ خط لکھا کہ مصر میں جو چادریں بنتی تھیں اور ان پر چھپائی کی جاتی تھی، وہ شروع سے اب تک رومی طرز پر ہی کی جاتی رہی، اب تم نے آکر اس کو ختم کر دیا ہے، اگر تم سے پہلے آنے والے مسلمان خلفاء یہ کام نہ کر کے صحیح تھے تو پھر یہ تم نے غلطی کی ہے، اگر تم نے یہ کام درست کیا تو پھر وہ سب غلط تھے۔ میں تمہارے لیے ایک ایسا تحفہ بھیج رہا ہوں جو یقیناً تمہارے شایان شان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم چھپائی کو ویسا ہی رہنے دو جیسے یہ پہلے تھی۔ شکریہ اور تحفہ قبول کر کے امیر بن جائیں۔ (یہ تحفہ واقعی بہت ان مول اور قیمتی تھا)

عبدالملک نے رومی بادشاہ کا خط پڑھا تو ایلچی کو واپس بھیج دیا اور کہا، میں اس خط کا کوئی

جواب نہیں دوں گا اور وہ قیمتی تحفہ بھی واپس کر دیا۔ ایلچی نے واپس جا کر جب تحفہ رومی بادشاہ کو دیا تو اس نے تحفے میں دوگنا اضافہ کر دیا اور ایلچی کو دوبارہ عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور ساتھ یہ لکھ بھیجا، میں سمجھتا ہوں تم نے میرے تحفے کو معمولی سمجھ کر واپس کر دیا ہے اور میرے خط کا جواب بھی نہیں دیا، لہٰذا میں اس تحفے کو دوگنا کر کے بھجوا رہا ہوں اور میں وہی چاہتا ہوں جو پہلے کہا تھا کہ چھپائی کو ویسے ہی رہنے دیا جائے۔ عبدالملک نے پہلے کی طرح کوئی جواب نہ دیا اور تحفہ خط سمیت واپس کر دیا۔

شاہِ روم نے تیسری مرتبہ خلیفہ کو خط لکھا، پہلے خطوں کے جواب طلب کیے اور کہا، تم نے مجھے جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا، میرے تحائف بھی حقیر سمجھ کر واپس کر دیے اور میری ضرورت کو بھی پورا نہیں کیا، پہلے میں نے خیال کیا کہ شاید تم نے میرے تحفے کو حقیر سمجھا ہے، تو میں نے دوبارہ اسے دوگنا کر کے بھجوایا، مگر تم نے پھر وہی رویہ اختیار کیا، اب میں اس کو تگنا کر رہا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے پہلے کی طرح چادروں پر چھپائی کرنے کا حکم نہ دیا تو میں درہموں اور دیناروں پر نقش کا حکم دے دوں گا، تمہیں معلوم ہے اس وقت تمام درہموں اور دیناروں پر وہی نقش رائج ہے جو ہمارے ملک میں نقش کیا جاتا ہے۔ (اسلام میں ابھی درہم و دینار پر نقش نہیں کیا جاتا تھا) میں ان پر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گالی نقش کروا دوں گا، جب تم انہیں دیکھو گے تو تمہارا پسینہ چھوٹ جائے گا۔ تم میرے تحفے قبول کر لو اور پہلے کی طرح چھپائی کا حکم دے دو، میرے بھیجے ہوئے تحائف قبول کرنا ہی میرے لیے تمہارا تحفہ ہوگا، جس سے تم مجھے اپنا دوست بنا لو گے اور ہمارے تعلقات بدستور قائم رہیں گے۔ جب خلیفہ نے یہ خط پڑھا تو اس کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا، زمین اس کے لیے تنگ ہوگئی، وہ ششن وپنج میں پھنس گیا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔ وہ کہنے لگا، میں اس وقت خود کو تمام مسلمانوں سے زیادہ منحوس سمجھتا ہوں، کیوں کہ محض میری ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ایک کافر سے گالی کا سبب بن رہی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ گناہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری ذات سے منسوب ہو جائے گا اور اسے تمام مسلمان مل کر بھی ختم نہیں کر سکیں گے، اس لیے کہ اس وقت تجارت اور لین دین کے باہمی معاملات رومی درہم و دینار کے بل بوتے پر قائم ہیں۔

خلیفہ نے فوراً مسلمانوں کے تمام ارباب حل وعقد کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا تو ان میں سے کسی کی رائے اس کے دل کو نہ بھائی، آخر کار روح بن زنباع نے کہا:

خلیفۃ المسلمین! آپ کو معلوم ہے کہ اس مسئلے کا حل کس کے پاس ہے؟ مگر جان بوجھ کر آپ نے اس شخصیت کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

عبدالملک کہنے لگا، تو ہلاک ہو جائے، مجھے بتا تو سہی، وہ کون سا ہے؟ روح نے کہا، جاؤ اہل بیت سے محمد باقر کے پاس جاؤ۔

عبدالملک نے کہا، واقعی تم سچ کہتے ہو، لیکن میں متذبذب اور مضطرب ہوں، خلیفہ نے گورنر مدینہ کو لکھا کہ تم خود ذاتی طور پر محمد بن علی بن الحسین کی خدمت میں حاضری دو اور ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم یہاں تشریف آوری کے لیے اور تین لاکھ درہم گھریلو اخراجات کے لیے پیش کرو اور جس کسی کو وہ ساتھ لانا چاہیں تم انہیں سہولت مہیا کرو۔ خلیفہ نے جواب آنے تک شاہِ روم کے ایلچی کو مہمان خانے میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

جب امام محمد باقر ؓ کے پاس خلیفہ کا پیغام پہنچا تو کہنے لگے، پریشان ہونے کی بات نہیں، کیوں کہ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں:

۱ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی بے حرمتی کرنے کے لیے اہل روم کو کھلا نہیں چھوڑے گا۔

۲ دوسرا راستہ اس بارے میں خود کچھ کر گزرنے کا ہے۔

عامل نے پوچھا، وہ کون سا راستہ ہے؟ امام محمد باقر ؓ نے فرمایا:

تم ایسے کاری گر تلاش کرو، جو تمہارے سامنے درہموں اور دیناروں پر مہریں لگائیں، سکوں پر ایک طرف کلمہ توحید نقش کیا جائے اور دوسری طرف نبی کریم ﷺ کے لیے درود شریف نقش کیا جائے اور گولائی میں شہر اور سال جس میں سکہ بنایا گیا ہو، نقش کیا جائے۔ تیس درہم کا وزن اس طریقے سے تقسیم کرو کہ اس کے تین درجے بن جائیں، دس درہم کا وزن دس مثقال ہو، دس کا چھ مثقال اور دس درہموں کا وزن پانچ مثقال ہو۔ یہ سب اوزان مل کر اکیس مثقال بن جائیں گے، پھر جو تیس درہم کے برابر ہو، سات مثقال پر اس کو تقسیم کیا جائے، تو ہر ایک کا وزن سات مثقال ہو جائے گا اور ان کو شیشے کے سانچے میں ڈھالا جائے تا کہ کمی بیشی نہ ہو سکے۔ پھر درہموں کو دس مثقال کے وزن پر بنوایا جائے اور دیناروں کو سات مثقال کے وزن پر بنایا جائے۔

اس وقت ان درہموں کو کسرویہ کہا جاتا تھا، جنہیں آج کل بغلیہ کہتے ہیں، کیوں کہ رأس الجمل

(بادشاہ کا نام) نے حضرت سیدنا عمرؓ کے لیے یہ کسروی سکے تیار کروائے تھے۔ دراصل درہم کچھ ہلکے اور کچھ بھاری تھے، ٹیکس ادا کرتے وقت رعایا پر بھاری سکوں کی ادائی مشکل تھی، اس لیے حضرت سیدنا عمرؓ نے حساب دان جمع کر کے دراہم کا وزن برابر کر دیا اور درمیانہ وزن زیر استعمال مقرر فرمایا۔ اس سے پہلے کسروی سکہ جو موجود تھا، اس پر بادشاہ کی تصویر تھی اور کرسی کے نیچے فارسی میں 'خوش خور' لکھا تھا یعنی خوش گواری سے کھاؤ۔

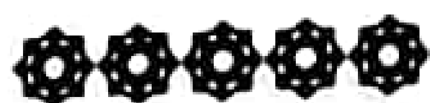
اسلام سے قبل درہم کا وزن ایک مثقال تھا اور کچھ دراہم وہ تھے، جن کا وزن چھ مثقال تھا اور کچھ کا وزن پانچ مثقال تھا اور ان کو دراہم سمریہ کہتے تھے، کچھ ان میں ہلکے ہوتے اور کچھ بھاری اور ان پر نقش فارس کا ہوتا تھا۔

عبدالملک نے اسی طرح کیا، جس طرح اسے امام محمد باقر بن علی بن الحسینؓ نے فرمایا تھا اور انہوں نے مشورہ دیا کہ تمام اسلامی شہروں میں اپنے سکے پہنچائیں اور لوگوں کو یہی سکے استعمال کرنے کا حکم دیں۔ جو ان درہم و دینار کو استعمال نہ کرے، اس کو کڑی سزا دی جائے اور تمام دوسرے سکے کھوٹے قرار دے کر سرکاری ٹکسال میں جمع کیے جائیں تا کہ انہیں اسلامی سکوں میں تبدیل کیا جائے اور اسلامی سکوں کے ساتھ ہی تمام تجارتی لین دین کیا جائے۔

عبدالملک نے اسی طرح کیا اور شاہِ روم کے ایلچی کو بھی یہی جواب دے کر واپس کر دیا کہ تو جو کرنا چاہتا ہے، اس سے تجھے اللہ تعالیٰ ہی روک سکتا ہے اور میں اپنے عاملین کو پہلے حکم دے چکا ہوں کہ رومی طرز کی چھپائی ختم کر دی جائے، لہٰذا میں اپنے فیصلے سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔

جب خلیفہ عبدالملک کا یہ پیغام شاہِ روم تک پہنچا تو اس کے عوام نے اس کو کہا کہ تو نے جو دھمکی شاہِ عرب کو دی تھی، اسے فوراً عملی جامہ پہنا دے۔ وہ کہنے لگا، میں نے تو جو اسے لکھا تھا، وہ محض اسے غصہ دلانے کے لیے کہا تھا، لیکن اب میں یہ کام کرنے سے عاجز ہوں، کیوں کہ اس صورت میں اہل اسلام ہمارے سکوں سے خرید و فروخت ختم کر دیں گے۔ چناں چہ وہ اپنی دھمکی پر عمل نہ کر سکا اور جو کچھ امام محمد باقر بن علی بن الحسینؓ نے کہا تھا، وہ ابھی تک باقی ہے۔

پھر یہ کہہ کر رشید نے اپنی مٹھی میں بند سارے درہم اپنے خادموں کی طرف پھینک دیے اور خود دوسری باتیں کرنے لگا۔



پروفیسر علامہ محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمہ

محمد عبدالستار طاہر مسعودی

ولادت باسعادت

فخرِ اہلِ سنت حضرت علامہ پروفیسر محمد نور بخش توکلی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۷۷ء میں بمقام کوچک قاضیاں ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوئے۔[۱]

تحصیل علم

آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی مدارس میں حاصل کی، پھر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں داخل ہوئے، وہاں سے ایم اے عربی میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے۔

ذریعۂ معاش

ذریعۂ معاش کے لیے آپ نے تعلیم و تدریس کا شعبہ اختیار کیا، ۱۸۹۳ء میں ہندو محمدن سکول، انبالہ چھاؤنی میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔[۲]

۱۸۹۶ء میں میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں پروفیسر مقرر ہوئے، بعد ازاں لاہور تشریف لائے

اور ایک عرصہ تک دارالعلوم جامعہ نعمانیہ لاہور کے ناظم تعلیمات اور انجمن نعمانیہ کے ماہوار رسالہ کے ایڈیٹر رہے۔

انھی ایام میں گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ عربی کے پروفیسر بھی رہے، کچھ مدت کے بعد کالج سے مستعفی ہو گئے۔[۳]

ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے چک قاضیاں میں اپنے پیر و مرشد کے نام کی مناسبت سے 'مدرسہ اسلامیہ توکلیہ' قائم کیا، جس سے کثیر طلباء مستفید ہوئے۔[۴]

علومِ دینیہ کی تحصیل

علومِ دینیہ سے والہانہ محبت کا یہ عالم تھا کہ میونسپل بورڈ کالج کے پروفیسر ہونے کے باوجود (۱۸۹۶ء میں) مولانا مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری (متوفی ۱۹۰۲ء) المعروف 'رُسل بابا' کے حلقہ درس میں شامل ہوتے اور دینی طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر تفسیر و حدیث اور فقہ کا درس لیتے[۵]، ان سے علومِ دینیہ کی تکمیل کر کے فاضل اجل بن کر آسمانِ علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔[۶]

بیعت و خلافت

۱۸۹۷ء میں تدریسی خدمات کے سلسلے میں ہندو محمڈن سکول، انبالہ چھاؤنی میں آپ کی بحیثیت ہیڈ ماسٹر تعیناتی ہوئی، وہاں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے معروف شیخ طریقت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمہ کی صحبتِ پرتاثیر میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا۔ علامہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"آپ کے والد گرامی جہاں خیلاں شریف کے ارادت مند تھے، بدیں وجہ آپ کو بچپن سے بزرگانِ دین کی ارادت و عقیدت کی دولت ملی۔ اپنے سکول میں اپنی خداداد ذہانت، محنت اور شریف النفسی کی وجہ سے مقبول تھے، اساتذہ شفقت فرماتے، ہم سبق احترام کرتے، قصبہ کے معززین ناصیہ بخت سے آثار کمال کی جھلک پاتے تھے"---[۷]

دریں اثناء آپ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے[۸]، اسی نسبت کے باعث اپنے نام کے ساتھ توکلی لکھا کرتے تھے۔

علامہ نور بخش صاحب جب حضرت سائیں توکل شاہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا:

''آپ کے والد کس حلقہ طریقت سے وابستہ ہیں؟''---

علامہ صاحب نے جب یہ بتایا:

''حضرت جہاں خیلاں شریف کے عقیدت مند ہیں''---

تو شاہ صاحب نے فرمایا:

''آ جاؤ! پھر تو تمہارا اپنا گھر ہے''---

اس طرح انوار و فیضان کے دروازے کھل گئے۔[۹]

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ مولانا مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی ثم لدھیانوی سے سلسلہ عالیہ صابریہ میں فیض یاب ہوئے[۱۰]۔ حضرت مولانا مشتاق احمد علیہ الرحمہ جلیل القدر عالم دین اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے شیخ طریقت بھی تھے، آپ کی وجہ سے سلسلہ عالیہ صابریہ کے علمی و روحانی کمالات مخلوقِ خدا تک بڑی عمدگی سے پہنچے۔[۱۱]

ایک ناقابلِ فراموش دینی خدمت

یوں تو آپ کی ساری زندگی دین کی خدمت کرتے ہوئے گزری، مگر آپ کی دیگر دینی خدمات میں سے ایک اہم ترین خدمت یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاوّل شریف کو عام طور سے 'بارہ وفات' کہا جاتا تھا، انھوں نے غلط الرائج اصطلاح کو 'عید میلاد النبی ﷺ' کے نام سے تبدیل کروایا، یہ علامہ توکلی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ گزٹ میں 'عید میلاد النبی ﷺ' کا نام منظور کروایا اور اس مقدس دن کی عام تعطیل منظور کروائی۔[۱۲]

بحمدہٖ تعالیٰ آج 'عید میلاد النبی'' کا نام بچے بچے کی زبان اور دل و جان کی زینت ہے اور آج یہ مبارک نام 'جشن عید میلاد النبی' کے نام سے ہر طرف روح پرور نظارے دے رہا ہے۔ جب تک 'جشن عید میلاد النبی' منایا جاتا رہے گا، اس دینی خدمت کا ثواب یقیناً مرحوم کی روح کو پہنچتا رہے گا۔

تقریری خدمات

امرتسر سے لاہور تشریف آوری پر جہاں آپ دیگر خدمات سرانجام دیتے رہے، وہاں آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعے مسلک اہل سنت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور آپ کے فیوض و برکات بڑی فراوانی سے پھیلے۔ لاہور میں ملازمت کے دوران آپ ہمیشہ دینی اور مجلسی زندگی میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، اہل سنت کے مشاہیر آپ سے ہر دینی اور علمی کام میں مشورہ لیتے، ہر

دینی جلسہ میں آپ کی تقاریر ہوتی تھیں، آپ نے اپنی دینی تبلیغ سے عوام الناس کے اذہان وفکر کو اسلامی رنگ بخشا۔[۱۳]

تحریری خدمات

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور علوم دینیہ پر نظر بہت گہری تھی۔ آپ کی جملہ تصانیف سے نہ صرف یہ کہ حضور سید عالم ﷺ کی والہانہ محبت کا پتا چلتا ہے، بلکہ پڑھنے والے کا ایمان بھی تازہ بھی ہوجاتا ہے۔

حضرت علامہ توکلی علیہ الرحمہ تصنیف وتالیف کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے پوری طرح باخبر تھے، اسی لیے انھوں نے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اس میدان میں خاصا کام کیا۔ قدرت نے انھیں وسیع معلومات، قوت استدلال اور عام فہم انداز تحریر کا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس دعوے پر ان کی تمام تصانیف شاہد ہیں۔

انجمن نعمانیہ کے ماہوار رسالہ میں اکثر وبیشتر آپ کے پر مغز مضامین اور فتاویٰ شائع ہوتے تھے[۱۴] آپ کے لاتعداد علمی اور اعتقادی مضامین 'اخبار الفقیہ' امرتسر میں شائع ہوئے۔[۱۵]

نوٹ: ان رسائل کی فائیلوں سے علامہ توکلی علیہ الرحمہ کے نادر روزگار علمی شاہ پاروں کو ان عنوانات کے تحت مجموعہ کیا جاسکتا ہے:

۱......مقالات توکلی ۲......فتاویٰ توکلی (طاہر)

'سیرت رسول عربی' کا اعزاز و امتیاز

یوں تو آپ کی تمام تصانیف ہر خاص وعام میں مقبول ہو چکی ہیں، لیکن 'سیرت رسول عربی' کا اعزاز وامتیاز یہ ہے کہ یہ بارگاہ نبوی میں بھی شرف قبولیت پا چکی ہے۔ تاج کمپنی، لاہور کے زیر اہتمام ۱۳۷۶ھ/ جنوری ۱۹۵۷ء میں شائع ہونے والے تیسرے ایڈیشن کے دیباچہ میں چودھری محمد سلیمان توکلی لکھتے ہیں:

''محترمی مفتی عبدالحمید صاحب نقشبندی مجددی لدھیانوی جو ایک عابد وصالح، بزرگ ہستی ہیں، سال ۱۹۴۸ء میں ملتان شریف میں رہائش رکھتے تھے، نے بندہ کو ایک چٹھی بدیں مضمون تحریر فرمائی جب کہ حضرت صاحب توکلی کے انتقال کو تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا:

''ایک رات خواب میں، میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا ایک خوب صورت معطر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں، میں نے دریافت کیا:
'مولانا صاحب! یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟' فرمانے لگے 'مفتی صاحب! یہ انعام 'سیرت رسول عربی' کی وجہ سے نصیب ہوا ہے'' ---[۱٦]

'سیرت رسول عربی' کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ توکلی علیہ الرحمہ 'حرف آغاز' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس پُر آشوب زمانہ میں ملک ہند میں کئی فتنے برپا ہیں، جو سب کے سب صراط مستقیم یعنی مسلک اہل سنت و جماعت سے منحرف ہیں۔ اردو میں سیرت پر جو چند کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں شاید ہی کوئی بہ ہمہ وجوہ اہل سنت و جماعت کے معیار پر پوری اترے۔ فقیر نے بتوفیق الٰہی اس کتاب میں مسلک اہل سنت کی پابندی کا پورا التزام رکھا ہے اور مستند اور معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں'' ---[۱۷]

معاصرین سے روابط

مولانا نور بخش توکلی علیہ الرحمہ عالم دین ہونے کے باوجود بڑے بلند پایہ صوفی اور ولی کامل بھی تھے۔ صاحب کمالات ظاہریہ و باطنیہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ مزاج انسان تھے، دیکھنے والے یہ محسوس نہ کر سکتے تھے کہ یہ سادہ لباس انسان اتنا بڑا عالم دین، شیخ طریقت اور پروفیسر ہے۔ علماء و مشائخِ وقت آپ کا بے حد احترام کرتے، آپ خود بھی اہل علم سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

علامہ اصغر علی روحی، لاہور	مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں
حضرت پیر عبدالغفار شاہ	حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پور شریف
حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری	حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری

رحمہم اللہ تعالیٰ سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور یہ سارے بزرگانِ اہل سنت آپ کی قابلیت اور فضیلت کے معترف تھے۔

وصال

قیام پاکستان کے بعد آپ لائل پور (حال فیصل آباد) میں قیام پذیر ہو گئے اور یہاں بھی سلسلہ تصنیف کو جاری رکھا۔ زندگی کے آخری ایام میں قرآن پاک کی تفسیر کے تقریباً چار صد

صفحات لکھ چکے تھے کہ ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ/۲۴ رمارچ ۱۹۴۸ء کو اپنے مکان کی سیڑھی سے پھسل کر گرنے سے واصل بحق ہو گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو نور شاہ ولی علیہ الرحمہ کے مزار کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

چودھری محمد سلیمان بی اے، ایل ایل بی لائل پور نے آپ کا خوب صورت مقبرہ تعمیر کرا کے زائرین کے لیے بڑی سہولت پیدا کر دی ہے۔[۱۸]

آثار علمیہ

قرآنیات

۱......اعجاز القرآن

۲......مقدمہ تفسیر القرآن

۳......تفسیر سورہ فاتحہ و بقرہ

سیرت و سوانح

۱......سیرت رسول عربی ﷺ

۲......عید میلاد النبی ﷺ

۳......حلیۃ النبی ﷺ

۴......معجزات النبی ﷺ

۵......غزوات النبی ﷺ

۶......سیرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ

۷......تذکرہ مشائخ نقشبند

۸......امام بخاری، شافعی علیہ الرحمہ

عقائد و نظریات

۱......عقائد اہل سنت و جماعت

۲......کتاب البرزخ

۳......رسالہ نور

تحقیقی جائزہ

۱......تحفۂ شیعہ

۲......افضل المقال فی رد علی الرافضی الضال

۳......اقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفۃ

تراجم

۱......الرسالۃ الجلیلہ

۲......تحقیق المرام فی منع القراءۃ خلف الامام

حواشی

۱......التحفۃ الابراھیمیہ فی اعفاء اللحیہ

شروح

۱.....قصیدہ بردہ شریف (عربی)
۲.....قصیدہ بردہ شریف (اردو)
۳.....مولود برزنجی
۴.....ہدیہ یوسفیہ

حوالہ جات و حواشی

۱.....محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، تذکرہ اکابر اہل سنت، صفحہ ۵۵۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

۲.....اقبال احمد فاروقی، علامہ، تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور، صفحہ ۲۹۴، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

۳.....محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، تذکرہ اکابر اہل سنت، صفحہ ۵۵۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

۴.....غلام مہر علی، علامہ، الیواقیت المھریہ، صفحہ ۱۴۶، مطبوعہ ۱۹۶۴ء

۵.....محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، کلمہ آغاز 'سیرت رسول عربی'، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء

۶.....اقبال احمد فاروقی، علامہ، تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۸، مطبوعہ لاہور

۷.....تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۷

۸.....تذکرہ اکابر اہل سنت، صفحہ ۵۵۹

۹.....تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۷، ۸

۱۰.....کلمہ آغاز 'سیرت رسول عربی'

۱۱.....تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۸

۱۲.....تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، صفحہ ۲۹۸

۱۳.....تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۹

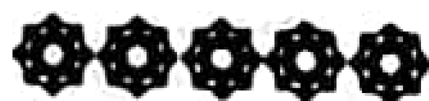
۱۴.....کلمہ آغاز 'سیرت رسول عربی'

۱۵.....تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۱۱

۱۶.....مقدمہ 'سیرت رسول عربی' صفحہ ۷، طبع سوم، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۵۷ء

۱۷.....محمد نور بخش توکلی، علامہ، 'سیرت رسول عربی' صفحہ ۳، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور، ۱۹۵۷ء

۱۸.....اقبال احمد فاروقی، علامہ، تعارف مصنف 'سیرت غوث اعظم' صفحہ ۱۱



تیرھویں صدی ھجری کے مشاھیر کا

اہم عربی تذکرہ

عبدالحق انصاری

نام کتاب: حلیۃ البَشَر فی تاریخ القرن الثالث عشر
مصنف: شیخ عبدالرزاق بن حسن بیطار
محقق: شیخ محمد بَھجَت بن بھاء الدین بیطار
طبع اوّل: ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۴ء
ضخامت: تین جلد، ۴۰+ ۱۶۹۲ صفحات
ناشر: المجمع العلمی العربی دمشق
قیمت: درج نہیں، تقریباً پندرہ سو روپے پاکستانی

کتاب کا عمومی تعارف

تیرہویں صدی ہجری کی اسلامی دنیا میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مشاہیر کے حالات پر لکھی گئی انتہائی اہم کتاب ہے، جسے عرب دنیا کے اہم

تحقیقی ادارہ نے بتدریج شائع کیا، پہلی جلد ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء اور دوسری ۱۹۶۳ء، جب کہ تیسری اور آخری جلد ۱۹۶۴ء کو شائع کی گئی۔ بعد ازاں تینوں جلدیں ایک بار مصر سے طبع ہوئیں اور ان دنوں دار صادر بیروت کی شائع کردہ بازار میں دستیاب ہیں، جب کہ جملہ ایڈیشن طبع اوّل کا عکس ہیں۔

تمام جلدوں کے صفحات نمبر مسلسل ہیں، چناں چہ پہلی جلد کا خاتمہ صفحہ ۶۲۲ پر اور دوسری کا آغاز ۶۲۳ سے، جب کہ تیسری کی ابتدا، ۱۱۸۱ سے ہوتی ہے۔ شخصیات کے حالات ان کے ناموں کے حروفِ تہجی کے اعتبار سے درج ہیں اور ہر شخصیت کا نام جلی قلم و سیاہ روشنائی سے ایک سطر میں دیا گیا، جس کے تحت ان کے حالات ہیں، جب کہ دیگر عنوانات کی عبارت و ترتیب یہ ہے:

- المقدمة، صفحہ ۳ تا ۷، محقق کے قلم سے کتاب بارے تعارفی کلمات
- ترجمة الشیخ عبد الرزاق البیطار، صفحہ ۹ تا ۲۰، حالاتِ مصنف
- المدخل، صفحہ ۲۱ تا ۳۹، پہلی جلد کے مختلف مقامات پر محقق کے لکھے گئے حواشی کا خلاصہ و تعارف
- الموجز، صفحہ ۱۱۴۵ تا ۱۱۷۱، دوسری جلد کے حواشی از محقق خلاصہ
- استدراک، صفحہ ۱۴۲۱ تا ۱۴۲۲، ضمیمہ بقلم محقق، جس میں بیطار خاندان کے ایک فرد کے حالات دیے گئے ہیں۔
- مستدرکات، صفحہ ۱۶۲۲ تا ۱۶۲۸، محقق کی جانب سے دوسرا ضمیمہ، جس میں دمشق کے شطی خاندان کے تین مشاہیر کے حالات درج ہیں۔
- الموجز، صفحہ ۱۶۲۹ تا ۱۶۸۳، تیسری جلد پر محقق کے حواشی کا خلاصہ

علاوہ ازیں جن شخصیات کے حالات دیے گئے ہیں، ان کے اسماء کی فہرست ہر جلد کے آخر میں دی گئی، جس میں خاص اہتمام یہ کیا گیا کہ ہر شخصیت کے نام کے ساتھ اس کا معلوم ہجری سنِ وفات درج کیا گیا ہے۔

حلیة البشر میں کل کتنے مشاہیر کے حالات ہیں، محقق نے یہ بات واضح نہیں کی۔ جب کہ راقم السطور نے جائزہ لیا تو یہ صورت سامنے آئی کہ متنِ کتاب میں تقریباً ۸۷۱ شخصیات کے حالات ہیں اور ضمیمہ شامل کرنے کے بعد یہ تعداد ۸۷۵ تک پہنچتی ہے۔ مزید برآں متن میں ایک عالم شیخ احمد مسلم بن عبد الرحمٰن کزبری شافعی کے حالات ہیں، جو تیرہویں صدی میں دمشق کی تاریخی و مرکزی مسجد بنو امیہ سے ملحق شہر کے قدیم مدرسہ "دار الحدیث الاشرفیة" میں مدرس تھے۔ اس مسجد کے وسیع صحن میں گنبد پر مبنی بارہ دری نما ایک عمارت "قبة النسر" نام سے اسلامی تاریخ میں مشہور و معروف ہے، جس کے نیچے صدیوں سے شہر کے جلیل القدر علماء، فقہاء و محدثین صحیح بخاری کا درس دیتے آرہے ہیں۔ شیخ احمد کزبری وہاں درس دینے والے علماء میں سے تھے، لہٰذا ان کے حالات درج کرتے ہوئے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

مصنف حلیۃ البشر نے موضوع کی مناسبت وقارئین کے لیے اضافی معلومات کے طور پر ماضی کے سولہ علماء کے حالات پیش کیے، جو مختلف ادوار میں "قبۃ النسر" کے نیچے درسِ حدیث دیتے رہے، جن میں سے بارہ نے گیارہویں وبارہویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ قبۃ النسر کے ان مدرسین کو بھی شامل کیا جائے تو حلیۃ البشر تقریباً ۸۹۱ مشاہیر کا تذکرہ ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، یہ تیرہویں صدی ہجری ۱۲۰۱ھ تا ۱۳۰۰ھ، مطابق ۱۷۸۶ء تا ۱۸۸۳ء کے درمیان اسلامی دنیا میں وفات پانے والے مشاہیر کا تذکرہ ہے، لیکن مصنف نے بعض ایسی شخصیات کے حالات بھی شامل کیے، جو مذکور صدی کے خاتمہ پر زندہ اور ان کی خدمات عروج پر تھیں، یوں چودھویں صدی میں وفات پانے والی تقریباً اکہتر شخصیات کے حالات بھی آ گئے ہیں، جن میں بغداد کے عالم ومصنف نیز رفاعی سلسلہ کے مرشد شیخ سید ابراہیم بن محمد راوی (وفات ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء) نے سب سے آخر میں وفات پائی۔

بعض مشاہیر کے سنین وفات تک مصنف کی رسائی نہ ہو سکی اور تیرہویں صدی ہجری کی شخصیت خیال کرتے ہوئے ان کے حالات شاملِ کتاب کیے، لیکن بعد ازاں ان میں سے تقریباً آٹھ کے سنینِ وفات محقق نے دیگر کتب کی مدد سے حاشیہ میں درج کیے، تب واضح ہوا کہ یہ بارہویں صدی میں وفات پا چکے تھے۔

تیرہویں صدی کی اسلامی دنیا کی جغرافیائی حیثیت آج سے بالکل مختلف تھی۔ جن مشاہیر کے احوال اس کتاب میں درج ہیں، پندرہویں صدی ہجری کے تیسرے عشرہ کے پسِ منظر میں بات کی جائے تو اس میں حسبِ ذیل ممالک کی شخصیات کے حالات پڑھنے کو ملتے ہیں:

اردن، افغانستان، الجزائر، ایران، بحرین، بوسنیا، ترکی، تیونس، سوریہ یعنی شام، سعودی عرب، سوڈان، فلسطین، لبنان، سلطنتِ عمان، لیبیا، مراکش، مصر، ہندوستان اور یمن۔

اور یہ زندگی کے جن طبقات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کا تذکار ہے، ان میں عثمانی خلفاء و بادشاہان، وزراء و دیگر اعلیٰ حکام، علماءِ مذاہبِ اربعہ، غیر مقلدین، شیعہ، وہابیہ، ادباء و شعراء، اولیاء اللہ، صوفیہ کرام و مجاذیب شامل ہیں۔ اور جن صوفیہ کے حالات دیے گئے، ان کا تعلق احمدیہ دسوقیہ، خلوتیہ، رفاعیہ، سعدیہ جباویہ، شاذلیہ، قادریہ اور نقشبندیہ سلاسل سے ہے۔ اس میں خواتین کے حالات بھی درج ہیں، گو ان کی تعداد دو تین سے زیادہ نہیں۔

اهمیت و خصائص

تیرہویں صدی ہجری کی اسلامی دنیا کے مشاہیر کے حالات پر اب تک شائع ہونے والی عربی کتب میں موضوع کی وسعت واحاطہ کے اعتبار سے سب سے اہم ہے، اس کی اوّلین ومنفرد اہمیت

تو یہی ہے کہ متعدد ممالک کے سیکڑوں مشاہیر کا تذکرہ ہے، چند اضافی خصوصیات یہ ہیں:

- مصنف نے زیر تذکرہ شخصیت کے شاعر ہونے کی صورت میں ان کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، اس ضمن میں اس دور کے متعدد شعراء کا نعتیہ کلام پڑھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً صفحہ ۸۶، ۸۸، ۲۱۴، ۲۹۷، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۴۳، ۳۶۱؛ ۴۰۲، ۴۷۹، ۵۲۴، ۵۴۱، ۸۷۰، ۹۸۵، ۱۰۲۰، ۱۲۹۴، ۱۳۱۲، ۱۴۷۹، ۱۵۳۸، ۱۵۶۷، ۱۶۰۷، ۱۶۰۹، ۱۶۱۷
- علم روایت واسانید کے پہلو سے دیکھا جائے تو بعض علماء کے حالات میں ان کی اعلیٰ سند شامل کی ہے۔ جیسا کہ محدثِ اعظم شام شیخ عبدالرحمٰن بن محمد کوبری شافعی دمشقی (وفات ۱۲۶۲ھ) جو مسند العصر تھے، ان کی سند صحیح بخاری درج کی، جس کے بارے میں بتایا کہ یہ اس دور کی اعلیٰ اسناد میں سے ہے اور اس میں خاص اہتمام یہ کیا کہ ہر راوی کا سنہ ولادت و وفات درج کیا۔
- شیخ محمد نجیب بن احمد قلعی دمشقی (وفات ۱۲۴۱ھ) کے حالات میں سند فقہ حنفی بیان کی، جو شیخ قلعی سے امام ابوحنیفہ اور پھر رسول اللہ ﷺ تک متصل ہے۔ یہ عارف باللہ شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی کی طریق پر ہے۔ اس میں بھی جملہ راویان کے سنینِ ولادت و وفات کا اندراج کیا، نیز بتایا کہ اعلیٰ اسانید میں سے ہے۔
- بعض اکابرین نے فاتح شام وسیف اللہ صحابی جلیل سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے لکھ دیا تھا کہ ان کی نسل دنیا میں موجود نہیں۔ جب کہ صف اوّل کے چند ماہرینِ انساب نے اس کے برعکس لکھا اور نسل باقی رہنے کے ثبوت اپنی کتب میں ذکر کیے۔ حلیۃ البشر میں آپ کی نسل سے تعلق رکھنے والے چند مشاہیر کے حالات درج ہیں۔ (صفحہ ۵۸۹)
- عثمانی عہد میں حکومت نے خاندانِ سادات کے انساب و معاملات کی دیکھ بھال اور حقوق کی انجام دہی کے لیے ایک منصب "نقیب الاشراف" تشکیل دیا تھا، جس پر سید گھرانہ کے عالم جلیل و عارف کامل شخصیات تعینات کی جاتیں۔ ایک موقع پر اس منصب کا ذکر آیا تو مصنف نے اس کی تعریف و ذمہ داریاں بارے معلومات قارئین کی نذر کیں۔
- عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان بن سلطان عبدالمجید خان (وفات ۱۳۳۶ھ)، جن کے حالات درجِ کتاب ہیں، ان کے دور میں شیخ سید محمد بن احمد المعروف بہ مہدی سوڈانی کا ظہور اہم واقعہ ہے، انھوں نے انگریزوں کو سوڈان سے نکال باہر کرنے کے لیے جہاد کی بھرپور قیادت کی اور کامیاب ہوئے، ان کے بارے مشہور ہوا کہ مہدی آخر الزمان ہونے کے مدعی تھے۔ یہاں مصنف حلیۃ البشر نے مہدی منتظر کی علامات و ظہور بارے دلائل درج کیے، جو تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

- صوفیہ کے سلسلہ سعدیہ جباویہ کے مرشد شیخ ابراہیم بن مصطفیٰ (وفات ۱۲۸۲ھ) کے حالات درج کیے تو ان کے ضمن میں مذکورہ سلسلہ کے سرتاج شیخ سید سعد الدین بن عرید شیبانی جباوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۶۲۱ھ) کا تعارف بھی قارئین کی نذر کیا۔
- شیخ عبدالرزاق بیطار سے جتنا ممکن ہو سکا، مشاہیر کی قبور پر خود گئے اور وہاں کا محلِ وقوع، احوال اور قبر پر نصب کتبہ کے اشعار وغیرہ معلومات کتاب میں محفوظ کیں۔ (صفحہ ۲۴۳، ۴۸۰)
- دمشق کے شافعی عالم و نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ کے مرشد شیخ محمد بن محمد بن عبداللہ خانی (وفات ۱۳۱۶ھ) کے حالات ان کے فرزند و نامور ادیب شیخ عبدالمجید خانی نے "الحدائق الوردية في اجلاء النقشبندية" میں درج کیے تھے، جہاں سے شیخ عبدالرزاق بیطار نے اخذ کر کے حلية البشر میں شامل کیے۔ شیخ عبدالمجید خانی نے علومِ حدیث و تصوف و لغت کی تیس سے زائد اہم کتب کے ناموں کو شذرات و مسجع عبارت میں پرو کر القاب کی صورت دی اور والد ماجد و مرشدِ کامل کے نام کے ساتھ درج کیا۔ اسلامی ادب میں اس نوع کی عبارات نادر و اہم ہیں۔ پاک و ہند میں ایسے شذرات مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں ملتے ہیں، جیسا کہ فقہ حنفی کی دسیوں کتب کے نام ترتیب دے کر فتاوی رضویہ کے خطبہ و مقدمہ کتاب کے طور پر پیش کیے۔
- مدینہ منورہ کے عالم شیخ عمر بن عبدالسلام داغستانی (۱۲۰۱ھ میں زندہ) نے معاصر مشاہیر و شعراءِ مدینہ منورہ کے حالات پر کتاب لکھی تھی، جس کے یہ تین نام ملتے ہیں:

تحفة الدهر في اعيان المدينة المنورة من اهل العصر

تحفة الدهر في تراجم معاصريه من اهل المدينة

اللآلي الثمينة في اعيان شعراء المدينة

بعض مؤرخین نے ثانی الذکر نام لکھتے ہوئے اسے مفتیٔ اعظم شام، صاحبِ سلک الدرر شیخ سید محمد خلیل بن علی مرادی نقشبندی حنفی (وفات ۱۲۰۶ھ) کی تصنیف بتایا ہے۔

حلية البشر میں اہم یہ ہے کہ آخر الذکر نام سے اس کا قلمی نسخہ شیخ عبدالرزاق بیطار کے پیش نظر تھا اور انھوں نے دورانِ تالیف میں نہ صرف بھر پور استفادہ کیا، بلکہ اس کے مصنف شیخ عمر بن عبدالسلام داغستانی کے حالات بھی درج کیے۔ صفحہ ۲۸۳، ۵۵۶، ۶۴۰، ۶۴۲، ۱۰۱۸، ۱۰۲۱، ۱۱۱۵، ۱۱۲۹تا ۱۲۲۶، ۱۵۳۷

معلوم رہے یہ کتاب تا حال شائع نہیں ہوئی اور قلمی نسخہ کیمبرج یونی ورسٹی برطانیہ میں محفوظ ہے، جب کہ شیخ داغستانی کی تصنیف ہونے کے اثبات پر مدینہ منورہ کے ڈاکٹر عاصم حمدان کا مضمون "قصة تحفة الدهر و نفحة الزهر في اعيان المدينة من اهل العصر" عنوان سے جدہ کے روزنامہ "المدينة المنورة" کے شمارہ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں چھپا۔

- تیرھویں صدی میں ہی ایران کے علی محمد بن مرزا رضی شیرازی بابی (وفات ۱۲۶۶ھ) نے نئے دین کی بنیاد رکھی، جو بابیہ کہلایا۔ پھر حسین علی نوری بن عباس مرزا عبدالبھا (وفات ۱۳۰۹ھ) ان کے جانشین ہوئے، جن کے نام کی مناسبت سے یہ بہائیہ کہلایا۔ ان کے بیٹے سے خود شیخ عبدالرزاق بیطار کی ملاقات ہوئی۔

حلية البشر میں ترکی کے ایک حنفی عالم شیخ صادق الواعظ (وفات ۱۲۹۴ھ) کے حالات ہیں، جنھوں نے ان لوگوں کو قریب سے دیکھا، پھر ان کے دعاوی و معتقدات پر ترکی زبان میں مستقل کتاب لکھی۔ شیخ بیطار ترکی زبان کے ماہر تھے، چناں چہ شیخ صادق کے حالات کے ضمن میں ان کی اس اہم تصنیف کا مختصر ترجمہ پیش کیا اور عرب قارئین کو اس جدید اعتقادی فتنہ بارے معلومات دیں، نیز بابیہ و بہائیہ کے ہاں ۱۹/ کے عدد کی اہمیت کا بھی ذکر کیا۔

- صاحبِ تفسیر روح المعانی کے فرزند شیخ خیر الدین نعمان بن محمود آلوسی (وفات ۱۳۱۷ھ) کے حالات میں پندرہ اشعار کا قصیدہ درج ہے، جو انھوں نے معاصر عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کی مدح میں موزوں کیا تھا۔ شاعر شیخ نعمان آلوسی نے انھی ایام میں وہابی فکر اختیار کر لی تھی، اس تناظر میں یہ قصیدہ بالخصوص تین اشعار تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ اشعار یہ ہیں:

ملاذ الخلق فی الدنیا جمیعا — و سیدنا امام المسلمینا
عیاذ الناس ، سلطان البرایا — و خاقان الخلائق اجمعینا
خلیفة ربنا قد صار حقا — فکان لتخته السامی مزینا

- عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کے حالات میں ان کے دورِ حکمرانی کے اہم واقعات درج کرتے ہوئے مصر پر انگریزوں کے قبضہ کا ذکر کیا، اس مقام پر کتاب کی عمومی ترتیب کے برعکس متن کی تین سطور جلی قلم سے لکھی و نمایاں کی گئی ہیں۔ ان سطور میں ہے کہ انگریزوں نے مصر پر تسلط جمایا تو یہ توجیہ بیان کی کہ ہم شوقِ حکمرانی کے لیے نہیں، اصلاحات کی غرض سے آئے ہیں اور جیسے ہی یہ ہدف پورا ہو گیا اور اصلاحات کا عمل استقامت و تسلسل کی ڈگر پر آ گیا تو ہم اور ہماری افواج مصر خالی کر دیں گے۔

انگریزوں کے بیان کردہ قاعدہ و نتائج کی اہمیت کے پیش نظر اسے جلی قلم سے قارئین کی نذر کیا گیا، کیوں کہ یہی قاعدہ و ضابطہ ہے، جسے بنیاد بنا کر نصاریٰ نے گزشتہ صدیوں میں اسلامی دنیا پر دھاوا بول کر اسے تباہ و برباد اور تفریق میں مبتلا کیا۔ مراکش پر سپین، شام و الجزائر پر فرانس، مصر و سوڈان و ہندوستان پر برطانیہ، لیبیا پر اٹلی اور اب افغانستان و عراق پر امریکہ کی یلغار انھی "اصلاحات" کے نام پر کی گئی۔

اصلاحات کا یہ حسین نصرانی اصول و قاعدہ بعد ازاں خود مسلم زعماء بالخصوص فوجی قیادت میں بطورِ خاص مقبول ہوا اور اسی کی آڑ میں اسلامی دنیا کے مختلف ممالک میں آئے دن فوجی بغاوت و انقلاب برپا ہو رہے ہیں، جیسا کہ ان دنوں پاکستان میں وائس رائے جنرل پرویز بن مشرف اصلاحات فرما رہے ہیں اور یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد ایوانِ اقتدار سے لوٹ جائیں گے۔

پاک و ھند سے متعلق

یوں تو حلیۃ البشر ہمہ جہات فوائد کی حامل ہے، لیکن خاص اسلامیانِ پاک و ہند کے حوالہ سے دیکھا جائے تو تین پہلو سے اہمیت رکھتی ہے:

اول: اس میں یہاں کے انیس سے زائد مشاہیر علماء و صوفیہ نیز شعراء کے حالات موجود ہیں۔

دوم: خطۂ ہند کے عالمِ جلیل و صوفیٔ کامل، صاحبِ تاج العروس و شارح احیاء العلوم مولانا سید حافظ محمد مرتضٰی بلگرامی (وفات ۱۲۰۵ھ)، جو وطن سے ہجرت کر کے یمن کے علمی شہر زَبِیـد، پھر حجازِ مقدس کے مقام طائف مقیم رہے، پھر قاہرہ سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ حلیۃ البشر میں مولانا مرتضٰی بلگرامی نیز ان کے عرب شاگردوں اور تاج العروس کے بعض مقرظین کے حالات دست یاب ہیں۔

سوم: عراق کے علاقہ کردستان کے مشہور عالم مولانا خالد بن احمد عثمانی کردی (وفات ۱۲۴۲ھ) ہندوستان آئے، یہاں کے علماء و صوفیہ سے اخذ کیا اور دمشق میں وفات پائی اور سلسلہ ''نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ'' ان سے منسوب ہوا۔ مولانا خالد کا طریقہ واصول تھا کہ فقط طبقۂ علماء کو ہی خلافت عطا کرتے، اس باعث علمی حلقوں میں ان کا سلسلہ خوب پھیلا، چناں چہ اس سے وابستہ مشائخ کو وسیع شہرت ملی اور نہ صرف خود مولانا خالد بلکہ متعدد خلفاء کے حالات اس تذکرہ میں شامل کیے گئے۔

حلیۃ البشر پاک و ہند میں کم یاب کتب میں سے ہے۔ لہٰذا طوالت کے خوف سے قطع نظر یہاں ان شخصیات کے نام پیش ہیں تا کہ اردو قارئین کتاب کے مواد پر کسی قدر آگاہ ہو سکیں۔

ہندوستان کے جن انیس مشاہیر کے حالات اس میں دیے گئے، ان کے نام یہ ہیں:

- احمد بن حسن عرشی، وفات ۱۱۷۷ھ، عربی و فارسی کے شاعر، عالم
- احمد بن حسن موقری، وفات ۱۲۰۱ھ، عالم و شاعر
- احمد بن محمد شروانی، وفات ۱۲۵۳ھ، صاحب نفحة اليمن
- ابو بکر بن عبد الرحمٰن عَیدروس، وفات ۱۳۴۱ھ، صاحب روضۃ الصادی
- شاہ احمد سعید بن ابی سعید مجددی، وفات ۱۲۷۷ھ، عالم و مرشد

- حسن بن علی قنوجی، وفات ۱۲۵۳ھ، عالم ومصنف
- حیدر غازی، لکھنؤ کے حاکم
- صدیق بن حسن خان قنوجی بھوپالی، وفات ۱۳۰۷ھ، نواب، عالم
- عبدالجلیل بن احمد واسطی بلگرامی، وفات ۱۲۰۱ھ، عالم وعربی شاعر
- عبدالقادر رضوی اورنگ آبادی، قاضی، عربی کے شاعر
- شاہ غلام علی عبداللہ بن عبداللطیف بٹالوی دہلوی، وفات ۱۲۴۰ھ، عالم ومرشد
- شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی، وفات ۱۲۳۹ھ، عالم ومصنف
- سراج الدین علی خان موہانی، وفات ۱۲۳۸ھ، قاضی کلکتہ
- محمد یوسف بن محمد بلگرامی، وفات ۱۱۷۲ھ، عالم ومصنف
- محمد علی جیلانی حزین بنارسی، عالم وعربی شاعر
- محمد نجم الدین علی بن حمید الدین، وفات ۱۲۲۹ھ، قاضی شاعر ومصنف
- محمد باقر بن مرتضیٰ نوائطی، وفات ۱۲۲۰ھ، مدراس کے عالم، شاعر ومصنف
- محمد مومن بن محمد قاسم شیرازی، وفات ۱۱۱۸ھ، عالم، حکیم، شاعر
- مرتضیٰ بن محمد بلگرامی، وفات ۱۲۰۵ھ، عالم وصوفی، مسند وصاحبِ تصانیفِ کثیرہ

ان مشاہیر ہند کے حالات شیخ احمد شروانی کی الحدیقة للافراح اور نفحة الیمن، نواب صدیق حسن خان کی التاج المکلل اور شیخ عبدالمجید خانی کی الحدائق الوردیة سے اخذ کیے گئے۔

- مولانا حافظ مرتضیٰ بلگرامی کی تاج العروس پر تقریظ لکھنے والے اکابر علماءِ قاہرہ میں سے جن کے حالات حلیة البشر میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

جامعہ ازہر سے وابستہ شیخ محمد بن داوٗد خربتاوی (وفات ۱۲۰۷ھ)، جن کی تقریظ کا متن بھی دیا گیا ہے۔

- مسند العصر وصاحب تصانیف استاذ العلماء شاذلی الطریقہ جامعہ ازہر کے شیخ محمد بن محمد المعروف بہ امیر کبیر (وفات ۱۲۳۲ھ)۔
- قاہرہ میں شاذلی سلسلہ کے مرشد شیخ ابوالانوار شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سادات (وفات ۱۲۲۸ھ)۔
- جامعہ ازہر میں ایک شعبہ کے صدر شیخ احمد بن موسیٰ بیلی عدوی (وفات ۱۲۱۴ھ)۔
- خلوتی سلسلہ کے مرشدِ کبیر و شیخ الاسلام صاحبِ تصانیف و جامعہ ازہر میں شعبہ کے صدر شیخ احمد بن محمد دردیر عدوی (وفات ۱۲۰۱ھ)۔

- مصنف وجامعہ ازہر کے ہی شیخ حسن بن غالب جداوی (وفات ۱۲۰۲ھ)۔
- عرب دنیا کے مختلف مقامات بالخصوص قاہرہ میں جن علماء نے مولانا حافظ مرتضیٰ بلگرامی کی شاگردی اختیار کی یا آپ سے سندِ روایت حاصل کی پھر تیرہویں صدی کے اجلہ علماء میں سے ہوئے اور حالات حلیۃ البشر میں شامل کیے گئے، ان کے نام یہ ہیں:
- قاہرہ کے علماء میں سے شافعی عالم وسلسلہ شاذلیہ سے وابستہ شیخ سید ابراہیم بن احمد قلفہ (وفات ۱۲۰۲ھ)۔
- شیخ ابی العز احمد بن یوسف شنوانی (وفات ۱۲۰۷ھ)۔
- حاکم مصر کے امام شیخ حسین بن المعروف بہ ابن کاشف دمیاطی رشیدی (وفات ۱۲۲۹ھ)
- مراقی الفلاح کے محشی شیخ عبدالرحمٰن حلواتی ازہری (وفات ۱۲۰۵ھ)۔
- مولیٰ مصر وامیر علی بن عبداللہ رومی (وفات ۱۲۰۵ھ)
- جامعہ ازہر میں استاد طرابلس لیبیا کے قاری شیخ احمد بن رمضان شامل (وفات ۱۲۱۴ھ)
- دمشق کی مرکزی وتاریخی مسجد بنوامیہ کے امام ومحدث العصر شیخ احمد بن عبید اللہ عطار (وفات ۱۲۱۸ھ)
- دمشق میں خلوتی سلسلہ کے مرشد شیخ عبدالحلیم بن مصطفیٰ عجلونی (وفات ۱۲۱۷ھ)
- بغداد کے محدث وفقیہ شیخ اسعد بن عبیداللہ ماورانی حیدری (وفات ۱۲۳۳ھ تقریباً)
- برکۃ الشام شیخ سعید بن عبداللہ دوری سویدی (وفات ۱۲۱۱ھ)
- شیخ القراءِ بغداد ومحدث شیخ علی بن محمد سعید دوری سویدی (وفات ۱۲۳۷ھ)
- تکرور کے عالم وخلوتی الطریقہ شیخ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن عبداللہ سناری
- حلب کے عالم ونعت گوشاعر شیخ صالح بن سلطان حلبی
- شیخ القراء حلب ومحدث شیخ عبداللہ بن محمد عقاد (وفات ۱۲۰۵ھ)
- کردستان کے علاقہ شہرزور کے عالم وقاری مرشد شیخ سید طٰہٰ بن عبدالرسول برزنجی موسوی
- علاوہ ازیں حافظ مرتضیٰ زبیدی کے اہم دوست طائف کے عالم وصاحبِ تصانیف شیخ حسین بن نورعلی بن عبدالشکور (وفات ۱۲۰۶ھ) کے حالات شامل ہیں۔
- کردستان عراق کے مولانا ابوالبہاء خالد کردی، جو ہندوستان آئے اور مولانا شاہ عبداللہ المعروف بہ غلام علی بٹالوی دہلوی سے نقشبندی مجددی سلسلہ میں خلافت پائی نیز مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شاگردی اختیار کی اور دمشق میں مزار واقع ہے۔ مولانا خالد کردی سے کردستان، ترکی، عراق، سعودی عرب ومصر کے بکثرت علماء نے مذکورہ سلسلہ میں

خلافت پائی یا شاگرد ہوئے۔

- دمشق کے مشہور عالم محشی درمختار علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین کے حالات، جن کے ساتھ مولانا خالد کردی نے تدبج یعنی جمیع اسلامی علوم میں سلسلہ اسنادوروایت کی، ایک دوسرے کو اجازت دی اور صاحب تفسیر روح المعانی شیخ سید شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی کے حالات، جو مولانا خالد کردی کے شاگرد ہیں۔

مولانا خالد کردی کے جن پچاس کے قریب خلفاء کے حالات حلیۃ البشر میں مطالعہ کیے جاسکتے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

- آپ کے بھائی شیخ محمود صاحب بن احمد کردی شافعی (وفات ۱۲۸۷ھ)
- اوّلین خلیفہ شیخ عثمان طویلی کردی
- دمشق کے شافعی عالم ومفسر شیخ ابوبکر کردی (وفات ۱۲۶۹ھ)
- مصنف حلیۃ البشر کے والد شیخ حسن بن ابراہیم بیطار (۱۲۷۲ھ)
- البھجۃ السنیۃ فی آداب الطریقۃ النقشبندیۃ کے مصنف شیخ محمد بن عبداللہ خانی (وفات ۱۲۷۹ھ)
- دمشق کی اعلیٰ عدالت کے نائب قاضی شیخ سید محمد بن محمود حنفی (وفات ۱۲۷۸ھ)
- بغداد کے حنفی عالم شیخ محمد الملقب بہ جدید (وفات ۱۲۴۶ھ)
- مفتی شافعیہ بغداد وتفسیر بیضاوی کے محشی معمر شیخ سید صبغۃ اللہ بن ابراہیم حیدری زادہ (وفات ۱۲۲۰ھ)
- شیخ عبیداللہ بن صبغۃ اللہ بن ابراہیم حیدری زادہ (وفات ۱۲۴۰ھ)
- المجد التالد فی مناقب الشیخ خالد کے مصنف شیخ سید ابراہیم فصیح بن صبغۃ اللہ حیدری زادہ (وفات ۱۲۹۹ھ)
- خطہ نجد کے مالکی عالم واصفی الموارد من سلسال احوال مولانا خالد کے مصنف شیخ بدرالدین ابوالنور عثمان بن سندوائلی نزیل بصرہ (وفات ۱۲۴۲ھ)
- حمص کے حنفی عالم شیخ احمد طوطقلی (وفات ۱۲۸۴ھ)
- عراق کے معمر شافعی عالم شیخ یحییٰ مزوری عمادی
- بغداد میں مولانا خالد کردی کے خاص امام ملا ابوبکر مدفون دمشق
- ترکی کے شہر ازمیر کے شیخ احمد کربوزی
- شیخ سید احمد سرکلوی برزنجی
- شیخ احمد الخطیب اربیلی

- شیخ اسماعیل شیروانی
- شیخ اسماعیل بصری
- شیخ سید اسماعیل برزنجی
- شیخ حسن قزانی خطاط
- شیخ خالد جزیری
- شیخ طاہر عقری
- شیخ سید طٰہٰ کیلانی شمزینی ھکاری
- ملا عباس کردی کوئجی
- شیخ عبدالرحمٰن کردی دمشقی
- شیخ عبدالغفور کرکوکی
- شیخ عبدالغفور شاھدی
- شیخ عبدالفتاح عقری
- شیخ عبدالقادر دیملانی
- شیخ سید عبدالقادر برزنجی
- شیخ سید عبداللہ کیلانی شمزینی ھکاری
- شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کردی
- شیخ عبداللہ ھراتی، شیخ محمد حافظ الارفلہ
- شیخ محمد الامام
- شیخ محمد قزاری شہرزوری
- شیخ محمد ناصح
- شیخ محمد عمادی مجذوب
- ملا سید محمد صالح کردی
- ملا مصطفیٰ بن جلال الدین کلعنبری
- فقیہ و مجذوب شیخ معروف تکریتی
- شیخ موسیٰ بندنجی اور آخری خلیفہ مصر کے شیخ عاشق (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)

حلیۃ البشر میں عرب دنیا و ترکی کے مزید مشاہیر کے حالات بھی ہیں، جن کا اسلامیانِ ہند سے براہ راست تعلق رہا، یہاں دیگر کتب کی مدد سے ایسی چند شخصیات کے نام پیش ہیں:

- مدینہ منورہ کے شیخ (محمد ابوبکر) طاہر بن ابراہیم بن حسن کورانی (وفات ۱۱۴۵ھ) کے حالات درج ہیں، جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے استاذ تھے، نیز آپ نے "المقدمة السَّنِيَّة في الانتصار للغرفة السُّنِيَّة" نامی کتاب انھی شیخ کورانی کی تحریک پر تالیف کی۔
- مفتیٔ اعظم شام شیخ سید محمد خلیل بن علی مراد (وفات ۱۲۰۶ھ) جو نقشبندی سلسلہ کی مجددی مرادی شاخ سے وابستہ اور مولانا سید محمد مرتضیٰ بلگرامی سے مراسلت رہی، ایک مراسلہ درج کتب ہے۔ نیز بارھویں صدی ہجری کے مشاہیر کے حالات پر "سِلکُ الدُّرر" نامی کتاب لکھی، جس میں مشاہیر ہند کے احوال بھی شامل کیے۔
- دمشق کے مشہور فقیہ حنفی علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین (وفات ۱۲۵۲ھ)، جن سے ہندوستان کے مولانا عبدالنبی نے دمشق میں ملاقات کی نیز حاشیہ درمختار وغیرہ تصنیفات ہمارے ہاں مقبول و متداول ہیں۔
- مفتیٔ اعظم مصر علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی (وفات ۱۲۳۱ھ) جن کا حاشیہ درمختار وغیرہ کتب یہاں کے فقہی علوم کے طلبہ میں مقبول ہیں نیز ان کی اسانید و سلسلہ روایت مولانا

سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی ثبت میں درج کیں۔

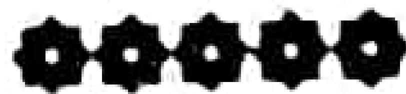
- شیخ الازہر شیخ عبداللہ بن حجازی شرقاوی (وفات ۱۲۲۷ھ) جن کی اہم اسانید مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی ثبت میں ہیں۔
- عرب دنیا میں رفاعی سلسلہ کے مرشدِ کبیر صاحبِ تصانیف کثیرہ شیخ سید ابوالھدیٰ محمد بن حسن صیادی (وفات ۱۳۲۷ھ) کے حالات، جنھوں نے سلسلہ رفاعیہ کے تعارف وفروغ کے لیے اپنے ایک اہم خلیفہ دورہ ہند پر بھیجے۔
- عراق میں رفاعی مرشد کبیر شیخ سید بہاؤالدین مہدی رواس بن علی صیادی (وفات ۱۲۸۷ھ) قبل ازیں انھوں نے بھی دورۂ ہند کیا۔
- عراق کے ہی شیخ عبدالرحمٰن کردی (وفات ۱۲۵۰ھ) جو مولانا خالد کردی نقشبندی کے ہمراہ دہلی آئے۔
- بغداد کے شیخ سید ابراہیم بن صبغۃ اللہ حیدری (وفات ۱۲۹۹ھ)، جنھوں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ایک تصنیف پر حاشیہ لکھا۔
- مسجد بنی امیہ دمشق کے امام وشام کے اہم حنبلی عالم شیخ عبدالسلام بن عبدالرحمٰن شطی (وفات ۱۲۹۵ھ) جنھوں نے شیخ جمال الدین محمد بن عمر بحرق حضرمی مہاجر احمد آبادی کے تصنیف کردہ مولودنامہ کو منظوم کیا۔
- دمشق کے عالم و نقشبندی مجددی خالدی سلسلہ کے مرشد شیخ عبدالمجید بن محمد خانی (وفات ۱۳۱۸ھ) جنھوں نے بطورِ خاص فارسی زبان سیکھ کر فارسی کتب سے نقشبندی مشائخ کے احوال اخذ کر کے عربی کتاب ''الحدائق الوردية في اجلاء النقشبندية'' تالیف کی، جس میں خطہ ہند کے متعدد نقشبندی اکابرین کے حالات شامل کیے۔
- مدینہ منورہ کے عالم وشاعر شیخ عمر بن عبدالسلام داغستانی (وفات ۱۲۰۱ھ کے بعد) جن کے حالات میں مولانا محمد عابد سندھی مہاجر مدنی کا ایک عربی شعر درج ہے۔
- الجزائر کے شیخ ابوالعباس مغربی (وفات ۱۲۰۲ھ)، حلب کے شیخ القراء ومحدث شیخ عبدالقادر بن محمد عقاد (وفات ۱۲۰۵ھ) اور مراکش کے صاحبِ تصانیف شیخ ابوعبداللہ محمد بن طالب سودہ مری تاودی (وفات ۱۲۰۷ھ) کے حالات ہیں۔ تینوں نے سفرِ حج وزیارت کے موقع پر مولانا محمد صادق المعروف بہ ابوالحسن سندھی صغیر سے مدینہ منورہ میں اخذ کیا۔ نیز ثالث الذکر نے مولانا ابوالفضل رضی الدین حسن بن محمد صغانی لاہوری مہاجر بغدادی کی علم حدیث پر مشہور کتاب ''مشارق الانوار النبوية في صحاح الاخبار المصطفوية'' کی شرح لکھی۔

- شیخ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن عبداللہ سناری اور محدث اعظم شام شیخ عبدالرحمن بن محمد کزبری صغیرہ (وفات ۱۲۶۲ھ) مفتیٔ شافعیہ شام "الورد الانسی فی ترجمة الشیخ عبد الغنی النابلسی" کے مصنف شیخ سید کمال الدین محمد بن محمد شریف غزی (وفات ۱۲۱۴ھ) تینوں کے حالات درج ہیں، جنھوں نے مکہ مکرمہ میں مولانا محب اللہ بن حبیب اللہ سلیمانی ہندی سے اخذ کیا، جب کہ اوّل الذکر نے مدینہ منورہ میں مولانا ابراہیم بن فیض اللہ سندھی سے بھی استفادہ کیا۔
- شیخ الاسلام وصاحبِ تصانیف شیخ سید احمد عارف حکمت بن ابراہیم عصمت پاشا (وفات ۱۲۷۵ھ) اور بغداد کے صاحبِ تصانیف شیخ داؤد بن سلیمان جرجیس نقشبندی (وفات ۱۲۹۹ھ)، جنھوں نے مدینہ منورہ میں رئیس العلماء مولانا محمد عابد سندھی سے اخذ کیا۔
- دمشق کے محدث شیخ ابوالفتوح جمال الدین یوسف بن احمد عمری قادری (وفات ۱۲۱۵ھ) اور شیخ القراء حماہ شہر شیخ طاہر بن ابراہیم حموی (وفات ۱۲۰۵ھ)، جو مولانا علیم اللہ بن عبدالرشید نقشبندی لاہوری مہاجر دمشقی کے تلامذہ میں سے ہیں۔
- صنعاء شمالی یمن کے زیدی مجتہد شیخ عبدالقادر بن احمد کوکبانی (وفات ۱۲۰۷ھ) نیز حلب شام کے شیخ منصور بن مصطفیٰ سرمینی (وفات ۱۲۰۷ھ) کے حالات، جنھوں نے مولانا محمد حیات سندھی مہاجر مدنی سے اخذ کیا۔
- مفتی شافعیہ و شیخ العلماء مکہ مکرمہ شیخ سید احمد بن زینی دحلان جیلانی (وفات ۱۳۰۴ھ) جنھوں نے قاضی مدراس مولانا علی بن احمد گوپاموی المعروف بہ قاضی ارتضا علی خان مدراسی سے اخذ کیا، بعدازاں خطۂ ہند کے متعدد اکابر علماء نے سفرِ حجاز مقدس کے موقع پر خود علامہ دحلان سے استفادہ اٹھایا۔ نیز ان کی تحریروں کے اردو تراجم مطبوع ہیں۔
- دمشق کے محدثِ کبیر شیخ ابوالنصر بن عبدالقادر الخطیب (وفات ۱۳۲۴ھ)، جن سے مولانا محمد حسن جان سرہندی سندھی نے حجازِ مقدس میں اخذ کیا۔
- بغداد کے عالم ونعت گو شاعر و مصنف شیخ عثمان بن عبداللہ طحان موصلی (وفات ۱۳۴۱ھ) جو مولانا بہاء الحق ہندی مہاجر بغدادی کے شاگرد تھے۔
- بتیسویں عثمانی خلیفہ سلطان عبدالعزیز بن سلطان محمود دوم (وفات ۱۲۹۳ھ)، جنھوں نے مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کو دارالخلافہ استنبول مدعو کر کے ایوارڈ پیش کیا، نیز عیسائیت کی تردید میں ان کی مشہور عربی کتاب "اظہار الحق" کے تراجم و اشاعت کے احکامات جاری کیے۔

- بغداد کے مفتی شیخ سید شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی (وفات ۱۲۷۰ھ)، جن کی تفسیر روح المعانی مشہور ومعروف ہے، انھوں نے لاہور سے شیعہ بارے موصول ہونے والے سوالات کے جواب میں مستقل کتاب ''الاجوبۃ العراقیۃ علی الاسئلۃ اللاھوریۃ'' لکھی۔
- صاحبِ تفسیرِ روح المعانی کے بیٹے شیخ نعمان بن محمود آلوسی (وفات ۱۳۱۷ھ) کے حالات بھی درج ہیں، جنھوں نے وہابیت اختیار کی، پھر اپنے فرزند شیخ علی علاء الدین بن نعمان آلوسی کو ۱۲۹۹ھ میں ہندوستان نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے پاس مالی تعاون کے لیے بھیجا، تا کہ آلوسی علماء کی تصنیفات طبع کرا سکیں۔ چناں چہ اس تعاون سے شیخ نعمان آلوسی نے ۱۳۰۰ھ کو تفسیر روح المعانی کی طباعت شروع کرائی، جس میں حذف وتحریف کے مرتکب ہوئے۔ تفسیر کا یہی ایڈیشن آج تک اسلامی دنیا میں متداول ہے، جب کہ اصل نسخہ بخطِ مصنف ترکی کے ایک کتب خانہ میں منتظرِ اشاعت ہے۔

علامہ ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین دہلوی کی بغداد میں شیخ نعمان آلوسی سے ملاقات ہوئی۔

- دمشق کے عالم شیخ توفیق بن محمد ابوبی (وفات ۱۳۵۱ھ)، جنھوں نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ''الدولۃ المکیۃ'' پر تقریظ لکھی۔
- فلسطین کے مشہور عالم شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی (وفات ۱۳۵۰ھ)، جنھوں نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلسلہ نقشبندیہ اخذ کیا۔ نیز فاضل بریلوی کی ''الدولۃ المکیۃ'' پر تقریظ لکھی، بعد ازاں ان کے احوال وآثار پر پاک وہند میں خاصا کام ہوا۔
- محدثِ اعظم شام شیخ سید محمد بدر الدین بن یوسف مغربی دمشقی (وفات ۱۳۵۴ھ) کے حالات، جن سے مولانا محمد علی حسین بھوپالی مہاجر مدنی اور مولانا ضیاء الدین احمد سیالکوٹی مہاجر مدنی وغیرہ علماء نے اخذ کیا۔
- بغداد کے شیخ سید ابراہیم بن محمد راوی (وفات ۱۳۶۵ھ)، جنھوں نے قادیانیت کے تعاقب میں مستقل کتاب لکھی۔
- مفتیٔ حنابلہ دمشق شیخ محمد جمیل بن عمر شطی (وفات ۱۳۷۹ھ)، جن کے حالات ضمیمہ از محقق میں ہیں، انھوں نے بھی ردِ قادیانیت پر کتاب لکھی۔



نصاب درس نظامی کے بانی

مولانا نظام الدین فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی

مولانا نظام الدین انصاری سہالوی کا شمار برصغیر پاک و ہند (جس میں اب بنگلہ دیش بھی شامل ہے) کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ وہ اقلیم ہند کے نامور فاضل اور مشہور صاحب علم وفن تھے۔ وہ اوّلین عالم دین ہیں، جنھوں نے بارھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے مدارس دینیہ کے لیے پہلی دفعہ ایک خاص نصاب تعلیم مرتب کیا اور پورے ملک کے اصحاب فضل وکمال نے بلا کسی اختلاف کے اسے شرف قبول بخشا۔

ان کے والد کا اسم گرامی مولانا قطب الدین تھا، جو لکھنؤ سے کم وبیش تیس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں سہالی کے رہنے والے تھے۔ اصلاً یہ خاندان خالص عرب تھا اور اس کا نسبی تعلق رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے تھا۔ جب اسلام کی نشر واشاعت کے دائروں نے وسعت اختیار کی اور اس کی پاکیزہ قدریں دیگر ممالک میں پھیلنے لگیں، تو اس دودمانِ عالی قدر کے ایک صوفی منش بزرگ خواجہ ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری نے ہرات کو اپنا مسکن ٹھہرایا اور وہیں

۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ خواجہ ممدوح کی اولاد میں سے ایک ذی علم شخص، جن کا نام جلال الدین انصاری تھا، ہرات سے ہندوستان آئے اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔ دہلی میں انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں خود تدریس کے فرائض انجام دیے۔ بعد ازاں ان کے اخلاف نے دہلی کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ کے قریب موضع سہالی میں اقامت اختیار کر لی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ قیامِ سہالی کی وجہ سے اس خاندان کے علماء نے ''سہالوی'' کی نسبت سے شہرت پائی۔

مولانا نظام الدین کے والدِ گرامی مولانا قطب الدین، جو برصغیر کے ممتاز علماء میں سے تھے، ۱۰۴۰ھ کے قریب سہالی میں پیدا ہوئے اور ہندوستان کے بلند مرتبت علماء سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا اور پھر پوری زندگی اس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصل، منطق و فلسفہ، معانی و بیان، صرف و نحو، ادب و کلام وغیرہ تمام مروّجہ علوم کی اشاعت کی اور بہت سے علماء و طلباء کو مستفید فرمایا۔ یہ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کا عہدِ حکومت تھا اور اس میں مولانا قطب الدین کا شہرۂ علم و فضل دور دور تک پھیل گیا تھا۔ خود بادشاہ ان کی کاوش و تحقیق کی ہمہ گیری سے متاثر تھا، اس نے کئی دفعہ ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور دربار میں آنے کے لیے کہا، مگر انھوں نے بادشاہ کے دربار سے دور رہنا ہی مناسب سمجھا اور درس و افادۂ طلبہ کو ہر چیز سے مقدس گردانا۔ تین سو سال پیش تر کے حالات کے مطابق مولانا قطب الدین کا سہالی میں یہ اچھا خاصا مدرسہ تھا، جس میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کثیر تعداد میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

انصاری اور عثمانی خاندانوں کی کشمکش

سہالی میں اس زمانے میں دو مشہور خاندان آباد تھے۔ ایک عثمانی خاندان اور دوسرا انصاری خاندان، مولانا قطب الدین کا تعلق انصاری خاندان سے تھا، سہالی کے گرد و نواح میں خان زادے مقیم تھے، ان کا سہالی کے انصاری خاندان کے ایک شخص چودھری محمد آصف سے زمین کی سرحدوں کے سلسلے میں ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، محمد آصف سہالی کا بڑا زمین دار اور مولانا قطب الدین کا سسر تھا، اس تعلق کی بنا پر خان زادوں کو مولانا قطب الدین سے بھی عداوت ہو گئی تھی، لیکن بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے دربار میں مولانا کی عزت و تکریم کی وجہ سے یہ لوگ انھیں کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔

مولانا قطب الدین کی شہادت

بعد میں حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ سہالی کے نواح میں رہنے والے خان زادوں نے سہالی پر حملہ کر دیا اور کئی سو آدمی گاؤں میں گھس آئے، حملہ آوروں نے عثمانی خاندان کے لوگوں کو بھی

انصاری خاندان کے خلاف برانگیختہ کیا اور انھیں اپنی مدد کا یقین دلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے مل کر محمد آصف کے مکان پر ہلہ بول دیا، سنگ دل حملہ آوروں نے مولانا قطب الدین کے مکان کا بھی محاصرہ کر لیا اور اچانک اندر گھس کر تیروں، بندوقوں اور تلواروں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ مولانا موصوف بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔ یہ حادثہ ۱۹ر رجب ۱۱۰۳ھ، بمطابق ۲۷ر مارچ ۱۶۹۲ء کو پیش آیا۔

فرنگی محل لکھنؤ میں سکونت

مولانا قطب الدین کی شہادت کے وقت ان کے چار بیٹے تھے۔ محمد اسعد، محمد سعید، نظام الدین اور محمد رضا۔ ان سب حضرات کا شمار اپنے زمانے کے شیوخ اور جید علماء میں ہوتا تھا۔ والد کی شہادت کے بعد یہ لوگ سہالی کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ منتقل ہو گئے تھے اور شہنشاہ اورنگ زیب نے ان کو رہائش کے لیے "فرنگی محل" کی عمارت عطا کر دی تھی، اسی لیے بعد میں "فرنگی محل" کی نسبت ان کے نام کا حصہ بن گئی۔ اس عمارت کو "فرنگی محل" اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس میں فرانس کا ایک خاندان آباد تھا، جسے "فرنگی" کہا جاتا تھا۔ اسی خاندان سے یہ عمارت خالی کرا کے مولانا نظام الدین اور ان کے خاندان کو دی گئی تھی۔

ان سطور میں صرف مولانا نظام الدین کا تذکرہ مقصود ہے، جنھوں نے آگے چل کر بڑی شہرت پائی اور مدارسِ ہند کے نصابِ تعلیم کے اوّلین بانی اور مرتب ہوئے۔

تحصیل علم

مولانا نظام الدین، مولانا قطب الدین کے تیسرے فرزند تھے۔ والد کی شہادت کے وقت ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ مولانا قطب الدین نے ۱۹ر رجب ۱۱۰۳ھ، بمطابق ۲۷ر مارچ ۱۶۹۲ء کو جامِ شہادت نوش کیا تھا، اس حساب سے مولانا نظام الدین کا سنِ ولادت قریباً ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) بنتا ہے۔ شعور کی آنکھیں کھولیں تو گھر میں علم کا چرچا تھا اور مسندِ درس پر خود ان کے والد گرامی مولانا قطب الدین متمکن تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ والد کی شہادت کے بعد پورا خاندان لکھنؤ کے علاقہ فرنگی محل میں اقامت گزیں ہو گیا تو یہ تحصیلِ علم کے سلسلے میں مختلف بلاد و قصبات میں گئے اور ممتاز علماء سے استفادہ کیا، جن میں شیخ امان اللہ بنارسی (متوفی رجب ۱۱۳۳ھ)، شیخ غلام علی نقشبندی (متوفی رجب ۱۱۲۶ھ) اور بعض دیگر علمائے عصر شامل ہیں۔

تحصیلِ علم کے بعد مولانا نظام الدین اپنے والد کی مسندِ درس پر فائز ہوئے اور تھوڑے ہی

عرصے میں ان کا آستانہ علم معمورۂ ہند کے علماء وطلبہ کا مرجع بن گیا۔

اخلاق و عادات

مولانا نظام الدین انصاری ابتدا ہی سے عمدہ عادات واطوار کے حامل تھے۔ متوکل علی اللہ اور دنیا سے بے نیاز، بہت نیک اور پرہیزگار تھے۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی فارسی تصنیف "مآثر الکرام" اور عربی کتاب "سبحة المرجان فی آثارِ ہندوستان" میں ان سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

"میں ۱۹ ذی الحجہ کو لکھنؤ گیا تو شیخ نظام الدین سے ملا، میں نے دیکھا کہ وہ سلف صالحین کے طریقے پر گامزن ہیں اور ان کی پیشانی پر تقدس کی شعاعیں نمایاں ہیں"---[مآثر الکرام، صفحہ۲۱۲/ سبحة المرجان، صفحہ۹۵]

مولانا نظام الدین کی علمی شہرت چھوٹی عمر ہی میں علماء وطلبہ کے حلقوں میں پھیل گئی تھی اور امراء و حکام کے درباروں میں پہنچ گئی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو ہر قسم کا جاہ و منصب حاصل کر سکتے تھے، لیکن اس طرف کبھی توجہ نہ کی اور دامنِ نفس کو دنیوی آلائشوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ متواتر دو دو تین تین دن کے فاقے ہوتے تھے اور وہ عالی مرتبت عالم مستقل مزاجی سے برداشت کرتے تھے۔ امرائے مملکت اور اربابِ دولت سے کوئی میل جول نہ رکھتے تھے۔ ذہنی لحاظ سے اس قدر اونچے مرتبے کے مالک تھے کہ اغنیاء و امراء میں سے کوئی حاضرِ خدمت ہوتا تو بے اعتنائی سے پیش آتے۔ اس کا اندازہ شیخ غلام مخدوم کے اس بیان سے ہو سکتا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مولانا نظام الدین کی خدمت میں حاضر تھا اور بیماری سے چارپائی پر لیٹا ہوا تھا، اس اثناء میں امرائے مملکت میں سے ایک صاحب ملاقات کے لیے آئے، ان کے پاس ادب سے میں نے چارپائی پر سے اترنا چاہا تو مولانا نے فرمایا:

"اصحابِ دولت کو دیکھ کر بدحواس کیوں ہوتے ہو، آرام سے لیٹے رہو"---

اربابِ حکومت سے بے التفاتی کے بارے میں ان کا ایک اور واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ امرائے شاہی میں سے ایک امیر نے جو ہفت ہزاری کا منصب رکھتا اور مولانا کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ جمعہ کے دن عین نماز کے وقت کہلا بھیجا کہ اگر آپ تھوڑی دیر انتظار فرمائیں، تو میں بھی حاضر ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرسکوں۔ مولانا نے ذرا انتظار کیا، پھر یہ کہہ کر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے:

"نماز اللہ کے لیے ہے، اہلِ دنیا کے لیے نہیں"---

انکسار و تواضع

بلاشبہ وہ طبعاً بے نیاز تھے، لیکن یہ بے نیازی ہر ایک کے لیے نہ تھی، صرف مغرور امرائے مملکت اور جاہ پسند اربابِ دولت کے لیے تھی، ورنہ مزاج میں انکسار، تواضع اور مسکنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں چند واقعات لائقِ مطالعہ ہیں:

- ایک مرتبہ ایک ایرانی، جس کا نام ابوالمعالی تھا، مولانا کا شہرۂ علمی سن کر ملاقات کے لیے آیا، مولانا اپنے معمول کے مطابق سادگی سے درس گاہ میں چٹائی پر بیٹھے، درس دے رہے تھے، نو وارد کی نظروں کے سامنے ایرانی علماء کا جاہ و جلال گھوم رہا تھا، اس کی نگاہِ التفات مولانا کی طرف نہ جا سکی، پوچھا:

"مولانا نظام الدین کہاں تشریف رکھتے ہیں؟"---

فرمایا:

"مولانا کے بارے میں تو میں نہیں جانتا، البتہ نظام الدین میرا ہی نام ہے"---

ایرانی وہیں بیٹھ گیا اور چند فقہی مسائل ان کے سامنے پیش کیے، شیعہ اور اہلِ سنت، دونوں نقطہ ہائے نظر سے جواب طلب کیا، مولانا نے جواب دیا تو وہ اُن کے اسلوبِ کلام اور وسعتِ علم سے بہت متاثر ہوا اور کہا:

"آپ کے متعلق جو کچھ سنا تھا، اس سے کہیں زیادہ پایا"---

- علماء کی نسبت سے عام طور پر مشہور ہے کہ وہ علمی مباحث کے میدان میں اترتے ہیں، تو اس سے اپنے علم کا اظہار اور دوسروں سے امتیازی درجہ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے وہ حریف کے مقابلے میں عام طور پر خاموشی اختیار نہیں کرتے اور بدستور بحث اور مجادلے میں لگے رہتے ہیں لیکن مولانا نظام الدین اس نقص سے پاک تھے۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب ان سے کسی مسئلے میں بحث کرنے کے لیے تشریف لائے اور آتے ہی وہ مسئلہ دریافت کیا۔ مولانا نے اپنی تحقیق کے مطابق جواب دیا، معترض نے اعتراض کیا اور بربنائے بحث مولانا کی تغلیط کی۔ مولانا چپ ہو گئے، انھوں نے مشہور کر دیا کہ میں نے نظام الدین سے علمی بحث کی اور وہ میرے مقابلے میں چل نہیں سکے، میں نے ان کو خاموش کرا دیا۔ مولانا کے تلامذہ کو یہ بات ناگوار گزری اور اسے استاذ کی توہین قرار دیا۔ چناں چہ ایک شاگرد ان صاحب کے پاس گئے اور اپنے زورِ بیان اور اسلوبِ استدلال سے ان کو لاجواب کر دیا، یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا، تو اس درجہ برہم ہوئے کہ اس شاگرد کو حلقۂ درس سے نکال دیا اور فرمایا:

''میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی شخص کی عزت وشہرت کو نقصان پہنچے''---

باپ کے قاتل سے درگزر کا معاملہ

مولانا شیخ نظام الدین طبعی طور پر نرم مزاج تھے، کسی کو پریشان کرنا اور اس سے بدلہ لینا ان کی فطرت میں داخل نہ تھا، ہر معاملے میں عفوودرگزر سے کام لینے کے عادی تھے۔اس کا ثبوت اس سے مل سکتا ہے کہ ان کے والد مولانا قطب الدین کی مظلومانہ شہادت کے واقعات بادشاہ اورنگ زیب کے علم میں لائے گئے، تو اس نے عمالِ حکومت کے نام فرمان جاری کیا کہ مولانا کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور ان کا گھر بار برباد کر دیا جائے۔ چناں چہ لکھنؤ کے صوبے دار نے سرکاری سپاہ بھیج کر ان کا گھر بار غارت کر دیا اور مخالفین وطن چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ عرصہ بعد قاتلوں کے اہلِ خاندان نے جعلی وفات نامہ لکھ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کیا کہ قاتل مر گئے ہیں۔ مولانا کے اصل قاتل کا نام اسد اللہ تھا، جو سہالی کے نواح میں موضع پینتی پور کا رہنے والا تھا، وہ روپوش ہو گیا اور مدت تک زندہ رہا۔ مولانا نظام الدین جب سہالی کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ منتقل ہو گئے اور فرنگی محل میں درس کا سلسلہ شروع کیا، تو اسد اللہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس نے مولانا سے خون بہا پیش کرنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے قبول نہیں فرمائی، بلکہ اپنا حصہ معاف کر دیا۔ تاہم بیٹے پر عظیم باپ کی شہادت کا یہ اثر تھا کہ جب قاتل ان کے سامنے آتا تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ ان کی تحمل مزاجی اور بردباری ملاحظہ ہو کہ باپ کے قاتل کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں، وہ ان کے پاس آتا بھی ہے، لیکن نہ اس سے قصاص لیتے ہیں (بلکہ اپنا حصہ معاف کر دیتے ہیں) اور نہ سرکار میں شکایت کر کے اسے گرفتار کراتے ہیں، اس سے بڑھ کر علوِ اخلاق اور کیا ہو سکتا ہے؟

تصنیفات

مولانا نظام الدین انصاری بہت سی کتابوں کے مصنف، محشی وشارح تھے۔ مولانا فضل امام خیر آبادی لکھتے ہیں:

تصانیف بسیار در علوم حکمیه و اُصول داره---

''اس عالمِ اجل نے علومِ حکمیہ اور اُصول میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں''----

شیخ نظام الدین نے مسائلِ حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، علم الکلام، منطق، فلسفہ اور تذکرۂ رجال، ہر موضوع کے متعلق کتابیں تصنیف کیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا......رسالہ فی وضوء الرسول

اس میں وضو کے بارے میں حدیث کی روشنی میں مسائل بیان کیے ہیں۔

۲......شرح التحریر فی اصول الدین

یہ کتاب فقہ کے بارے میں ہے۔اس شرح کو وہ مکمل نہ کر سکے،ان کی وفات کے بعد ان کے لائق بیٹے مولانا عبد العلی فرنگی محلی، جو کثرتِ علم و فضل کی وجہ سے ''بحر العلوم'' کے لقب سے معروف تھے، نے اس شرح کی تکمیل کی۔

۳......شرح مسلم الثبوت

یہ اُصولِ فقہ کے موضوع سے متعلق ہے اور بہت اچھی شرح ہے۔

۴......الصبح الصادق شرح منار الانوار — اس کا تعلق بھی اُصولِ فقہ سے ہے۔

۵......حاشیہ شرح عقائد دوانی — علم الکلام سے متعلق ہے۔

۶......شرح رسائلِ مبارزیہ — یہ بھی علم الکلام سے متعلق ہے۔

۷......حاشیہ علی قدیمیہ علی شرح تجرید دوانی — اس کا تعلق بھی علم کلام سے ہے۔

۸......حاشیہ شمس البازغة — علم فلسفہ سے متعلق ہے۔

۹......حاشیہ شرح ھدایۃ الحکمۃ — اس کا موضوع بھی فلسفہ ہے۔

۱۰......مناقبِ رزاقیہ — ملفوظاتِ شاہ عبد الرزاق بانسوی

مولانا نظام الدین کی یہ تصانیف،حواشی اور شروح عالمانہ اور محققانہ ہیں۔

درسِ نظامی کی ترتیب

مولانا نظام الدین کا سب سے بڑا کارنامہ درسِ نظامی کی ترتیب اور معمورۂ ہند کے مدارسِ عربیہ میں ایک خاص نصابِ تعلیم کا تعین ہے۔ ان سے پہلے بھی کئی سو سال سے ہندوستان کے مدارس میں تعلیم کا سلسلہ جاری تھا اور ملک کے ہر حصے میں علمائے کرام یہ بنیادی خدمت انجام دے رہے تھے، پنجاب میں عرصہ دراز سے لاہور کو مرکزِ علم کی حیثیت حاصل تھی اور قابل ترین اصحابِ کمال درس و افادہ میں مصروف تھے۔سیال کوٹ، سرہند اور ارضِ کشمیر کے علاقوں میں بھی تدریس کے غلغلے بلند تھے۔

یوپی کے بلاد و قصبات مثلاً لکھنؤ، سہالی، بلگرام، دیوہ، بنارس، گوپامئو، اِلٰہ آباد اور اس کے گرد و نواح کے علاقے مراکزِ علوم کے لیے بالخصوص ممتاز تھے۔ان علاقوں میں دس دس پانچ پانچ میل کے فاصلے پر بہت سے معزز خاندانوں کے دیہات آباد تھے، جن میں مدارسِ دینیہ کے سلسلے جاری تھے

اور نامور علماء وفضلاء ان میں باقاعدہ درس دیتے تھے۔ علم وفضل کی اس فراوانی کی بنا پر شاہ جہاں بادشاہ، پورب کے اس علاقے کو اپنی مملکت کا شیراز قرار دیتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا:

پورب شیرازِ مملکتِ ماست---[مآثر الکرام، صفحہ۲۱۳،۲۱۴]

ارضِ ہند کے ان عظیم ومشہور مدارس میں سے ایک مدرسہ "سہالی" کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بھی عرصہ دراز سے جاری تھا، جس سے بے شمار طلبہ نے دستارِ فضیلت حاصل کی تھی۔ یہی وہ مدرسہ ہے، جو آگے چل کر لکھنؤ کے فرنگی محل کے قالب میں ڈھلا اور درسِ نظامی کے سنگِ بنیاد اور مدارسِ ہند میں نصابِ تعلیم کی تعیین وترتیب کا باعث بنا۔

درسِ نظامی برصغیر پاک وہند کی علمی تاریخ اور تدریسی زبان کا سب سے نمایاں لفظ ہے، اس کے بانیٔ اوّل یہی مولانا نظام الدین سہالوی تھے، اس کی ترتیب کا اوّلین مقام لکھنؤ کے فرنگی محل کی چاردیواری ہے۔ اسے ایک بلند بخت عالمِ دین نے ایسی ساعتِ سعید میں مرتب کیا کہ پشاور کے آخری سرے سے لے کر کلکتہ کے ساحل تک، یہ پورے خطۂ ہند کے مدارسِ دینیہ میں تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ علماء نے خندہ پیشانی سے اس کو شرفِ قبولیت بخشا اور طلبہ نے اس کے تمام پہلوؤں کا کامل توجہ سے تتبع کیا۔ اس کی قبولیت یہاں تک پہنچی کہ کسی کو صحیح معنوں میں "عالم" نہیں تسلیم کیا جاتا، جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے اس طریقۂ درس کے مطابق تعلیم پائی ہے۔

لیکن سخت حیرت وتعجب کی بات ہے کہ اکثر مدارسِ دینیہ کے اربابِ اہتمام اور مدرسین تک کو معلوم نہیں کہ درسِ نظامی کا نصاب کب بنا؟ اس کا بانی کون تھا؟ اس نصابِ تعلیم کے مرتب کا کیا نام تھا اور کس علاقے اور ملک کا رہنے والا تھا؟ بعض مدارس کے مہتمم اور ناظم حضرات سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ اس کا بانی دولتِ سلجوقیہ کا وزیر نظام الملک تھا، جس نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا تھا۔ انھیں بالکل معلوم نہیں کہ اپنے مدارس میں جس درسِ نظامی کے مطابق وہ تین سو سال سے تعلیم دے رہے ہیں، وہ خود انھی کے علاقے برصغیر کے ایک عالمِ دین مولانا نظام الدین انصاری سہالوی فرنگی محلی کے ذہنِ رسا کا کارنامۂ فخر ہے، جو اپنے بانی کے نام کی مناسبت سے "درسِ نظامی" کے نام سے مشہور ہوا۔

مدرسہ نظامیہ اور درسِ نظامی

موقع کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ نظامیہ اور درسِ نظامی میں جو فرق ہے، یہاں اس کی وضاحت کر دی جائے۔

مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک نے قائم کیا تھا، جو دو سلجوقی حکمرانوں الپ ارسلان اور اس کے بیٹے ملک شاہ کا وزیر رہ چکا تھا۔ یہ عظیم الشان درس گاہ تھی، جو نظام الملک نے بغداد کے مشرقی حصے میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک وسیع و عریض قطعہ زمین پر قائم کی تھی، اس کی تعمیر کا آغاز یکم ذی قعدہ ۴۵۷ھ (۱۴/اکتوبر ۱۰۶۵ء) کو ہوا۔ پورے دو سال تعمیر کا سلسلہ جاری رہا اور یکم ذی قعدہ ۴۵۹ھ (۱۳/ستمبر ۱۰۶۷ء) کو عمارت مکمل ہوئی۔ اس کے صدر دروازے پر نظام الملک کا نام کندہ کیا گیا اور چاروں طرف بازار اور حمام بنائے گئے۔ عمارت اس قدر وسیع تھی کہ کئی لاکھ آدمی اس میں سما سکتے تھے، ساٹھ ہزار دینار اس پر خرچ ہوئے تھے، اس کا افتتاح ۱۰/ذی قعدہ ۴۵۹ھ (۲۳/ستمبر ۱۰۶۷ء) کو ہوا تھا۔

اس کے برعکس درسِ نظامیہ کے بانی شیخ نظام الدین انصاری سہالوی تھے، جن کا حکومت کے ایوانوں اور شاہی درباروں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ ایک درویش منش اور فقیر طبع عالم تھے، مالی لحاظ سے غربت کا شکار تھے، ان کے آباء و اجداد کا سلسلۂ درس مدتِ مدید سے جاری تھا۔ انھوں نے کوئی نیا مدرسہ جاری نہیں کیا، بلکہ نصابِ درس مرتب فرمایا، جو ان کے نام کی مناسبت سے ''درسِ نظامی'' کہلایا۔ مدرسہ نظامیہ کے مؤسس اور درسِ نظامیہ کے بانی کے درمیان کم و بیش سات سو سال کا طویل عرصہ حائل ہے اور دونوں کے ملک بھی الگ الگ ہیں۔

مولانا نظام الدین کا نصاب تعلیم اور اس کی خصوصیات

مولانا نظام الدین کا مرتب کردہ نصابِ تعلیم، جو درسِ نظامیہ کہلاتا ہے، مختلف گیارہ علوم و فنون پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱......تفسیر جلالین / بیضاوی

۲......حدیث مشکوۃ المصابیح

۳......فقه شرح الوقایه / هدایه اوّلین / هدایه اخرین

۴......اُصولِ فقه نور الانوار / توضیح و تلویح / مسلم الثبوت

۵...... کلام شرح عقائد جلالی / میر زاهد / شرح مواقف

۶......علم معانی مختصر معانی / مطول تا بحث ''ما انا قلت''

۷...... فلسفه میبذی / صدرا / شمس بازغة

۸......منطق صغریٰ کبری / ایسا غوجی / تهذیب / شرح تهذیب قطبی مع میر قطبی / سلم العلوم

۹......**صرف** میزانُ الصرف /صرف میر/پنج گنج/زرّادی/ فصولِ اکبری/ شافیہ

۱۰...... **نحو** نحو میر /شرح مائۃ عامل/ھدایۃ النحو/ کافیہ/ شرح جامی

۱۱......**ریاضی** خلاصۃ الحساب /تحریرِ اقلیدس، مقالہ اوّل/تشریح الافلاک رسالۃ قوشجیۃ /شرح چغمینی، باب اوّل

مولانا نظام الدین کا یہ مرتبہ نصابِ تعلیم (درسِ نظامی) بہت سی خصوصیات کا حامل ہے، جو مختصر طور پر درجِ ذیل ہیں:

- اس میں سر زمینِ ہند کے متعدد علماء کی کتابیں شامل ہیں، جن میں بعض وہ حضرات بھی ہیں، جو مولانا کے ہم عصر ہیں۔ مثلاً ملا جیون (متوفی ۹/ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ) کی نور الانوار، قاضی محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی مسلم الثبوت اور سلم العلوم وغیرہ۔ ان کے زمانے سے قبل کے ہندی علماء کی کتابیں بھی داخلِ نصاب ہیں۔ مثلاً سید علی اکبر الٰہ آبادی (متوفی ۱۰۹۰ھ) کی فصول اکبری، ملا محمود جون پوری (متوفی ۹/ربیع الاوّل ۱۰۶۲ھ) کی شمس بازغہ وغیرہ۔

یہ وہ علماء کرام ہیں، جن کی کتابوں نے درسِ نظامیہ کے بہت سے حصے پر قبضہ کر رکھا ہے اور مولانا نظام الدین نے اس نصاب کے ذریعے پوری علمی دنیا میں ان کو متعارف کرا دیا ہے۔ مولانا موصوف پہلے عالم ہیں، جنھوں نے ہندی فضلا کی تصنیفات کو یہ اعزاز بخشا اور داخلِ نصاب کیا، ورنہ اس سے قبل اقلیمِ ہند کے کسی عالم کی کوئی کتاب کسی زمانے کے مروّجہ نصابِ تعلیم میں داخل نہیں تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ مولانا نظام الدین، علماء کے قدر دان تھے اور ان کا ذہن معاصرانہ کشاکش سے پاک تھا۔

- انھوں نے ہر فن کی مشکل کتابیں نصاب میں داخل کیں تا کہ طلبہ کی ذہنی اور فکری کاوشوں میں تیزی آئے اور ان کے غور و فکر کے پیمانوں میں وسعت پیدا ہو۔
- دیگر علم کی نسبت منطق اور فلسفے کی کتابیں زیادہ رکھیں، اس لیے کہ اس دور کی علمی فضا کا تقاضا اور اہلِ علم کا رجحان یہ تھا کہ طلبہ فنون میں خام نہ رہیں اور ان کی فنی قوت میں اضافہ ہو۔
- علم حدیث کی صرف ایک کتاب رکھی، یعنی مشکوٰۃ۔ اس کی وجہ بعض حضرات یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مشکوٰۃ کو اچھی طرح پڑھ لیا جائے، تو باقی کتبِ احادیث کو مطالعے کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ خیال قرینِ صحت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ احادیث کی اُمہات الکتب کو استاذ سے باقاعدہ پڑھنے کے علاوہ سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ ہمارے خیال میں صرف مشکوٰۃ کو داخلِ نصاب کرنے کی

اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کے ہندوستان میں کتبِ احادیث کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی تھی، صرف وہی حضرات ان سے متعارف تھے، جو حصولِ علم کے لیے ارضِ حجاز کا سفر اختیار کرتے تھے۔

- اس نصاب میں عربی ادب کا حصہ ناپید ہے، جو اس کا کمزور پہلو ہے۔
- اس نصابِ تعلیم میں مولانا نظام الدین انصاری نے جس چیز کو خصوصیت کے ساتھ پیشِ نظر رکھا، وہ یہ تھی کہ طالبِ علم کی استعدادِ مطالعہ اس قدر مضبوط ہو جائے کہ فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد وہ ہر مروّجہ فن کی کتابوں کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکے۔ چناں چہ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اس نصاب کی تمام کتابوں کو غور سے پڑھ لیا جائے تو علومِ عربیہ کو فہم کی گرفت میں لانے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔
- یہ نصاب اس قدر مختصر ہے کہ طالب علم کو اس پر سال ہا سال صرف نہیں کرنا پڑتے، بلکہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ درسی کتابوں سے فارغ ہو جاتا ہے۔ چناں چہ اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ بہت سے طلبہ اوائلِ جوانی میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس کی مسندوں پر فائز ہو گئے۔
- اس نصاب کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں فقہی تعصب نہیں پیدا ہوتا۔ تعصب دراصل کتبِ فقہیہ کی بھرمار سے پیدا ہوتا ہے اور یہ نصاب اس سے مبرا ہے۔
- اس کی ترتیب میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ معاصر علماء کی تصنیفات کو زیادہ سے زیادہ جگہ دی جائے تا کہ معاصرت کا مرض ختم ہونے میں مدد مل سکے۔
- اس نصاب کی ترتیب کے سلسلے میں مولانا نظام الدین کی کسر نفسی اور تواضع ملاحظہ ہو کہ انھوں نے اس میں اپنی کوئی تصنیف نہیں رکھی۔ حالاں کہ وہ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت فاضل تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد حالات کے مطابق اس نصابِ تعلیم میں تبدیلی اور اضافے کا عمل جاری رہا، لیکن بنیادی طور پر اس میں روح وہی کارفرما رہی اور وہ کتابیں اس میں داخل رہیں، جو اس کے اوّلین مرتب نے داخل کی تھیں۔

مولانا نظام الدین کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور آج برصغیر میں مدارسِ دینیہ کی جو رونق دکھائی دیتی ہے، وہ کسی نہ کسی صورت میں ان ہی کے پرتوِ فیض کا نتیجہ ہے۔ ان کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ برصغیر (جس میں موجودہ نقشے کے مطابق پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش تین ممالک شامل ہیں) کا تمام تر سلسلۂ درس انھی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ ان کے زمانے میں خطۂ ہند کے بیشتر علماء کی نسبت انھی کی

طرف تھی۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

و کسے کہ سلسلہ تلمذ باو می رساند بین الفضلاء علم امتیازی دارد---[مآثر الکرام،صفحہ۲۱۲]

''جوان کے دامنِ شاگردی سے منسلک ہوگیا، وہ اہلِ علم اور اربابِ فضل میں ممتاز مقام پر فائز ہوگیا''---

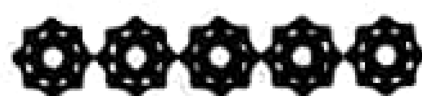
آج مدارسِ دینیہ کے حلقوں میں جس طرح شیخ نظام الدین کا نام روشن ہے، اسی طرح ان کے تلامذہ کا ذکر بھی پوری آب وتاب کا حامل ہے اور اپنی تدریسی و تصنیفی خدمات کی بنا پر ان کا تذکرہ تعظیم وتکریم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مرض اور وفات

مولانا نظام الدین کو کئی سال سے مثانے کی پتھری کا مرض لاحق تھا، لیکن وہ ہمیشہ تدریس وتصنیف میں مصروف رہے، کبھی علاج کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جب عمر کا آخری دور آیا اور ستر (۷۰) برس سے آگے نکل گئے، تو کمزوری اور ضعف نے ایسا گھیراڈالا کہ چارپائی پر لیٹ گئے۔ بالآخر چہارشنبہ کے روز ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ (۲۶راپریل ۱۷۴۸ء) کو دوپہر کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اولاد

مولانا نظام الدین کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ لوگ دوسری شادی پر مجبور کرتے تھے، لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو فرمایا میں اس مخمصے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اسماعیل بلگرامی (متوفی ۱۴رذی الحجہ ۱۱۶۴ھ) سے فیض حاصل کیا تھا، انھوں نے کہلا بھیجا کہ مجھے یقین ہے کہ دوسری شادی سے آپ کی اولاد ہوگی۔ چناں چہ خاصی عمر ہو چکی تھی کہ قصبہ ست رکھہ میں دوسری شادی کی، جس سے وہ گوہرِ شاہوار پیدا ہوا، جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور بے پناہ فضیلتِ علمی کی بنا پر اہلِ علم کے حلقوں میں ''بحر العلوم'' کے پرشکوہ لقب سے شہرت پائی۔ ان کا اصلی نام عبد العلی تھا۔ اس جلیل القدر عالم نے ۱۲ر رجب ۱۲۲۵ھ (۱۳راگست ۱۸۱۰ء) کو مدراس میں رحلت فرمائی۔



عربی کی چند تازہ مطبوعات

محمد بہاؤالدین شاہ

عالم عرب سے شائع ہونے والی چند عربی مطبوعات اور مکہ مکرمہ کی لائبریریوں میں موجود نادر مخطوطات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

① مجموعہ رسائل مولای العربی الدرقاوی الحسنی

تحقیق، شیخ بسام محمد بارود　　طبع اول، ۱۹۹۹ء　　ضخامت: ۴۳۱ صفحات

ناشر: کلچرل فاؤنڈیشن، پوسٹ بکس نمبر ۲۳۸۰، ابوظہبی، متحدہ عرب امارات

آج کی عرب دنیا میں صوفیہ کرام و تصوف اسلامی کے جو سلاسل مقبول ہیں، ان میں سلسلہ درقاویہ بھی شامل ہے، جسے مراکش اور مصر و شام میں بھرپور فروغ ملا۔ یہ سلسلہ شاذلیہ کی ذیلی شاخ ہے، جو عارف باللہ سید عربی درقاوی حسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت سے درقاویہ کہلاتا ہے۔

چمڑے سے بنی ہوئی زرہ کو عربی میں "الدرقہ" کہتے ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ امام سید محمد بن یوسف حسنی ادریسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا عظیم الشان مزار مراکش کے مقام ام ربیع کے قریب مرجع خاص و عام ہے، انھوں نے بہت بڑی زرہ بنوا رکھی تھی، جسے پہن کر جہاد میں شرکت کرتے، اسی باعث آپ ابی درقہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور آگے چل کر آپ کی نسل الدرقاوی کہلائی۔

آپ کی اولاد میں سے سید عربی درقاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات بابرکات سے تصوف اسلامی کی خوب اشاعت ہوئی تو درقاوی، شاذلی شاخ وجود میں آئی۔

عارف باللہ سید محمد عربی درقاوی بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء کو مراکش کے مقام زروال میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کیا اور فاس میں متعدد علماء کرام سے تعلیم پائی، پھر قطب ربانی سیدی علی بن عبدالرحمٰن الجمل حسنی فاسی شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء) سے خلافت پائی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی، نیز چند کتب تصنیف کیں، جن میں ''بشور الطویہ فی مذهب الصوفية'' کے علاوہ اپنے مرشد کے احوال و مقام پر ایک مستقل تصنیف وغیرہ کتب ہیں۔ آپ کے خلفاء میں مشہور مفسر و تصوف پر متعدد کتب کے مصنف عارف باللہ شیخ سید احمد بن محمد المعروف بہ ابن عجیبہ ابخری مراکشی حسنی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء) ایک اہم نام ہے۔ شیخ محمد عربی درقاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء کو وفات پائی۔ آپ کا مزار، زروال میں واقع ہے، جس پر عظیم الشان گنبد بنایا گیا۔ مراکش کے بادشاہ سید حسن دوم مرحوم کے حکم پر آپ کے مزار تک سڑک کی تعمیر کا منصوبہ حال ہی میں مکمل ہوا۔ پیش نظر کتاب میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

الشيخ الامام الغوث الهمام الولى الشهير العارف الكامل الجامع بين الشريعة و الحقيقة كهف الانام و ملجاء الخاص و العام العارف الربانى المحقق الصمدانى شيخ المشائخ العارفين سيدنا و مولانا العربى بن احمد الدرقاوى الحسنى---

شیخ درقاوی کے یہ رسائل آپ کی واردات قلبی کی داستان ہیں، جو آپ نے اپنے مرشد کے حکم پر مختلف اوقات میں قلم بند کیے، جن کا بنیادی مقصد طلباء و مریدین کی اخلاقی و روحانی تربیت ہے۔ چناں چہ ان میں حسب ذیل موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے:

حقیقت تصوف، حقیقت ذکر، دلوں کو زندہ کرنے کا اہتمام، نفس کی حقیقت، ضرورت مرشد، کیفیت ذکر، دنیا کی بے ثباتی، فضیلت درود شریف، تدبر قرآن کی دعوت، ترک شہوات اور فضیلت ذکر، ماسوا اللہ سے عدم التفات، اخلاص فی اللہ، اہل دنیا سے بیزاری، سلسلہ شاذلیہ کا تعارف، سنت محمدی ﷺ پر متابعت، ذکر بالجہر کا جواز، ذکر خفی کی فضیلت، نورانیت مصطفیٰ ﷺ، ترک محرمات و مکروہات، حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت، فرائض و سنن کی ادائیگی،

ظاہری و باطنی طہارت، روح اور نفس، تعظیم مشائخ، عبادت کی تعریف، خلوت، ارادہ و ہمت، زندہ اور وصال پا جانے والے اولیاء کرام کی زیارت کی فضیلت، سادات کرام کی ذمہ داریاں، تجرد، استقامت فی الدین، علماء سوء سے اجتناب، جذب کی حقیقت، ذکر اسم جلالت، حقیقت ولایت، وقت کی اہمیت، شہرت و جاہ سے بیزاری، خضر علیہ السلام کی حقیقت، عورت کا مقام، ظلم سے اجتناب، اجازت شیخ کی فضیلت، فقراء سے محبت، دنیا و آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ اور صوفیہ کا مسلک، شریعت کی اہمیت، علم کی فضیلت، آداب مسجد، مریدین کے لیے نصیحت، استخارہ، وسوسہ اور اس کا علاج، حسن ظن، وصیت شیخ درقاوی، فضائل نماز، آداب مریدین، مریدین کے لیے نصیحت، نماز میں تاخیر سے اجتناب وغیرہ پر ترتیبی انداز میں لکھا گیا ہے، نیز آپ کی چالیس سے زائد کرامات و مکاشفات بھی درج ہیں۔ شیخ درقاوی کے یہ رسائل آج بھی اس سلسلہ کے مشائخ کی مجالس میں اہتمام سے پڑھے جاتے ہیں۔

یہ کتاب عرصہ دراز پہلے خاتمۃ المحققین امام المدققین شیخ الاسلام علامہ سید احمد بن محمد خیاط زکاری فاسی حسنی مالکی درقاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء) کے اہتمام و تقدیم سے شائع ہوئی تھی، اب شیخ خیاط کے خلیفہ، مراکش کے عالم جلیل، فقیہ، پیر طریقت شیخ محمد رطل بنانی فاسی حفظہ اللہ تعالیٰ کی تحریک پر ابوظبی میں مقیم شیخ بسام محمد بارودنے اس پر تحقیق کی، نیز گراں قدر حواشی لکھے۔ جیسا کہ شیخ عربی درقاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متن میں لکھا کہ ۱۱۸۲ھ کو فاس شہر میں مجھے حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، تو اس عبارت پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے شیخ بسام نے اس مسئلہ کی تائید میں اسلاف کی لکھی گئی تیئس تصنیفات کے نام ذکر کیے۔ ابتدائی ساٹھ صفحات پر شیخ عربی درقاوی کے حالات نیز آپ کا شجرہ طریقت اور شیخ احمد خیاط کی تقدیم کے علاوہ ان کے اپنے حالات دیے گئے ہیں۔

❷ الحجۃ

مؤلف، علامہ سید احمد قطعانی حسنی مالکی — طبع اول، ۱۹۹۱ء یا اس کے بعد شائع ہوئی

ضخامت: ۵۱۸ صفحات — ناشر، دار رازی پبلشرز

صوفیہ کرام کی تعلیمات کو جس صورت حال کا سامنا آج ہے، شاید پہلے کبھی نہ تھا۔ ایک طرف غالی صوفیہ کی کارگزاریاں، دوسری جانب ایرانی تصوف، تو تیسری طرف یورپی تصوف اور چوتھی جانب منکرین تصوف، گویا ہر سمت سے یلغار ہے۔ ان حالات میں ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ

تصوف اسلامی کو بے غبار کر کے عصری تقاضوں کے مطابق پیش کیا جائے، چناں چہ صوفیہ کرام نے قلم اٹھانے میں تساہل سے کام نہیں لیا اور عربی و اردو میں متعدد مضامین و کتب تحریر کیے۔ ضیائے حرم کے بانی جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقالہ "اسلام میں تصوف کا مقام" اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ ادھر عربی میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا، اس میں شیخ عبدالقادر عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "حقائق عن التصوف" کو علمی حلقوں میں بھرپور پذیرائی ملی، یہ کتاب لندن سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ "حقیقتِ تصوف" کے نام سے کراچی سے منظر عام پر آیا۔

شیخ عبدالقادر عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور کے عظیم پیر طریقت اور حنفی فقیہ تھے، آپ حلب شام میں پیدا ہوئے، وہیں پر تعلیم پائی، پھر سلسلہ شاذلیہ میں دمشق کے شیخ محمد ہاشمی تلمسانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) سے خلافت پائی۔ آپ دعوت و تربیت کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاسی صورت حال پر بھی نظر رکھے رہے، چناں چہ ملک پر نصیری شیعہ حافظ الاسد کی بعث پارٹی برسر اقتدار آئی اور اشتراکیت کا چلن ہوا تو آپ نے اس نظام نیز حکومت کے افعال پر کڑی تنقید کی اور انہیں قرآن و سنت کے راستہ پر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، جس پر آپ کا دائرہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اس پر آپ ۱۹۸۰ء میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا بسے، جہاں چند برس قیام کیا تا آں کہ منکرین تصوف آپ کو ایذا دینے پر اتر آئے اور آپ کو گرفتار کر کے جیل میں رکھا گیا، پھر پولیس کی نگرانی میں ملک بدر کیے گئے، جہاں سے آپ اردن پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت شام نے آپ کو وطن آنے کی اجازت دے دی، جس پر آپ شام کی سرحد پر پہنچے لیکن وہاں حکومت نے آپ سے غیر مشروط اطاعت کا تحریری عہد طلب کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا، آپ نے اسے پڑھا اور دستخط کیے بغیر وہیں سے واپس لوٹ کر استنبول، ترکی پہنچے اور ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء کو استنبول میں ہی وفات پائی، جہاں صحابی جلیل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے دم قدم سے دنیا بھر میں سلسلہ شاذلیہ کی اشاعت ہوئی۔

پاکستان سمیت متعدد ممالک میں آپ کے خلفاء و مریدین موجود ہیں۔ غرض منکرین میں سے شیخ ابوبکر جابر الجزائری نے آپ کی مذکورہ بالا کتاب کے خلاف ایک کتابچہ "الی التصوف یا عباد اللہ" لکھا، جو ۱۹۸۷ء میں قاہرہ سے شائع ہوا۔

"الحجۃ" میں الجزائری کا رد کیا گیا ہے۔ اس میں صوفیہ کرام کی خدمات جہاد بالسیف کا ذکر کرتے ہوئے سید احمد بدوی (متوفی ۶۷۵ھ/ ۱۲۷۶ء)، شیخ ابوالحسن شاذلی، امیر سید عبدالقادر الجزائری

(متوفی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) اور ۱۹۷۱ء میں الجزائر کی جنگ آزادی میں پیر طریقت شیخ محمد مقرانی و شیخ حداد، نیز لیبیا کے اٹلی سے آزادی حاصل کرنے میں شیخ المجاہدین عمر مختار (متوفی ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) اور شیخ ابوبکر بوال سعیدی رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمات پر لکھا ہے اور دیگر موضوعات میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تصوف، تصوف کی اہم کتب کا تعارف، اسلامی تہذیب میں خانقاہی نظام کا مقام، سلفی کون، شیخ ابن تیمیہ و شیخ محمد بن عبدالوہاب کے افکار، تصوف کے معنی و مصدر، بدعت کی تعریف، قرون اولیٰ کے صوفیہ کرام، امام ابوالحسن شاذلی کی اصلاحی خدمات، عقیدۂ شفاعت، ضرورت مرشد، صوفیہ کا سلسلہ اسناد، صوفیہ کے سلاسل، اسلامی فکر کے احیاء میں صوفیہ کا حصہ، بیعت کی حقیقت، حلقۂ ذکر میں طہارت، دلائل الخیرات کا مقام، اوراد و وظائف، عقیدۂ توسل، ذکر بالجہر، دنیا و آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ، حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت، چلہ کشی، مرید کا دور سے شیخ سے نفع پانا، عزلت نشینی، وحدت الوجود، سیدہ رابعہ بصریہ، شیخ عبدالقادر جیلانی، مقام فنا، ظاہری و باطنی علوم کی تعریف، شریعت و طریقت، امام مالک اور تصوف، ولی اللہ کی صفات، ولی اللہ کی پہچان، مدعی ولایتِ کاذبہ کی سزا، ابوطالب مکی، وہبی علوم، حسین بن منصور حلاج، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ تلمسانی، ورود مشیخیہ، امام شعرانی کی کتاب طبقات الکبریٰ کے حصہ دوم میں تحریف وغیرہ موضوعات پر تفصیل سے لکھا گیا اور اہل سنت کے موقف کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔

''الحجۃ'' کے مصنف علامہ سید احمد سالم کریم قلطانی حسنی مالکی حفظہ اللہ تعالیٰ لیبیا کے شہر درنہ کے باشندے ہیں۔

ابوحفص عمر السهروردی، حیاته و تصوفه

مصنف، ڈاکٹر عائشہ منامی　　طبع اوّل، ۱۹۹۱ء　　ضخامت: ۳۲۰ صفحات

ناشر: کلچرل سنٹر، پوسٹ بکس نمبر ۳۲۳، دوحہ، قطر

برصغیر میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردی بغدادی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کا تعارف دو ذرائع سے پھیلا، ایک آپ کی عظیم تصنیف عوارف المعارف اور دوسرا آپ کے مرید صادق حضرت بہاؤ الدین زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات گرامی۔ یہ کتاب انہی شیخ شہاب الدین سہروردی کے حالات و خدمات پر مشتمل ہے، جسے ڈاکٹر عائشہ نے دو حصوں میں تقسیم کیا اور حصہ اوّل میں آپ کے حالات زندگی جب کہ دوسرے میں آپ کی تصنیفات کا تصوف اسلامی میں مقام و کردار، نیز مسلم معاشرہ پر ان کے مرتب ہونے والے

اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

کتاب کا آغاز چھٹی و ساتویں ہجری یعنی آپ کے عہد کے نظام تصوف نیز اس دور کی سیاسی، ثقافتی و دینی صورت حال کے بیان سے ہوتا ہے۔ آئندہ باب میں سلسلہ سہروردیہ کی تعریف، اس کی ابتداء، سہروردی مشائخ کا سلسلہ اسناد، اہم مشائخ سہرورد، اس سلسلہ میں تلقین ذکر اور خرقہ کی اہمیت، آپ کے اساتذہ اور اہم تلامذہ کے مختصر حالات نیز اس سلسلہ کی بارہ ذیلی شاخوں کا تعارف دیا ہے، جن میں برصغیر سے تعلق رکھنے والی دو شاخوں سہروردیہ بہائیہ اور سہروردیہ جلالیہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر اس ضمن میں یہاں کے اکابر مشائخ یعنی حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کے اسماء گرامی درج کیے ہیں۔ اگلے صفحات پر حضرت شیخ الشیوخ کے مفصل حالات نیز آپ کی تصنیفات کا تعارف درج ہے، جن پر آپ کی چھبیس تصنیفات کے نام دیے گئے اور ان میں سے انیس کتب کے متعدد مخطوطات کے بارے میں بتایا کہ وہ کہاں کہاں محفوظ ہیں نیز دو کتب کی طباعت پر مطلع کیا۔

دوسرے حصہ کی ابتدا لفظ تصوف اور صوفی کے مصدر سے ہوتی ہے، پھر تصوف پر اپنوں اور غیروں کے لگائے گئے الزامات کا جائزہ لے کر حقائق کو روشن کیا اور باقی کتاب میں آپ کی تحریروں کے آئینہ میں تعلیمات تصوف کو قرآن وحدیث اور متقدمین کے اقوال کی روشنی میں سلسلہ طریقت کی تعریف، منزل، مقام و حال میں فرق، شریعت و طریقت، ظاہری و باطنی علوم، صوفیہ کے ہاں اخلاق کی اہمیت، اخلاق کی تعریف، اخلاق کا جہاد النفس سے تعلق، مجاہدہ، معرفت، معرفت اور محبت میں تعلق، معرفت میں عقل کا عمل دخل، معرفت اور توحید، معرفت اور علم، علم و عمل، یقین، ولایت کے معنی، معرفت و ولایت، کرامات اولیاء، سالک و مجذوب، نبوت و ولایت، وحی والہام، نفس سے روح کا تعلق، مرید، ذکر، چلہ کشی، پیر و مرید میں تعلق، بیعت طریقت، خرقہ ارادت، خرقہ تبرک، آداب مریدین، آداب شیخ، وصل اور فنا و بقا وغیرہ ذیلی عنوانات قائم کر کے تفصیل سے بیان کیا۔

• ڈاکٹر عائشہ مناعی دوحہ یونی ورسٹی قطر کی فارغ التحصیل ہیں، بعد ازاں آپ نے جامعہ الازہر قاہرہ میں داخلہ لے کر حضرت شیخ الشیوخ پر یہ ضخیم مقالہ لکھا، پھر مصر کے موجودہ وزیر اوقاف پروفیسر ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق جو ان دنوں جامعہ الازہر میں استاد تھے، ان کی صدارت میں ۱۹۸۵ء کو اس مقالہ کا مناقشہ منعقد ہوا اور اس پر ڈاکٹر عائشہ کو ایم فل کی ڈگری دی گئی۔

ڈاکٹر عائشہ نے موضوع سے انصاف کرتے ہوئے پوری عرب دنیا کے بڑے کتب خانوں کی

فہارس اور مخطوطات کو کھنگال کر ان سے اپنے کام کی ایک ایک سطر سمیٹ لی، چناں چہ انھوں نے حضرت شیخ الشیوخ کی نو غیر مطبوعہ اور دو مطبوعہ تصنیفات کے علاوہ تصوف وصوفیہ کے موضوع پر لکھی گئی بیسیوں کتب سے استفادہ اٹھایا، جن میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ''کشف المحجوب'' کا عربی ترجمہ مطبوعہ مصر اور ملا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ''نفحات الانس'' کے عربی ترجمہ کا مخطوط شامل ہیں۔ لیکن تمام تر سعی کے باوجود اس موضوع سے متعلق کچھ مواد تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔

جیسا کہ نیشنل لائبریری قاہرہ میں امام علاؤالدین علی بن محمد المعروف بہ مصنفک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء) کی تالیف ''حل الرموز و مفاتیح الکنوز، شرح علی مختصر شیخ ابی حفص عمر بن محمد سهروردی'' کا مخطوط زیر نمبر ۱۳۶/م اور شیخ محمد الاسفرائنی (متوفی ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) کی تالیف ''شرح علی المناجاة للشیخ شهاب الدین سهروردی'' کا مخطوط نمبر ۱۴۲/م اور حضرت شیخ الشیوخ کی اپنی تصنیف ''عنوان الجفر و مفتاح التصوف للامام السهروردی'' جس کا دوسرا نام ''کتاب فی التصوف و المواعظ'' ہے، اس کا مخطوط زیر نمبر ۸۲۵۱/ح، نیز ''منتخبات من کتاب عوارف المعارف'' کا مخطوط زیر نمبر ۱۸/م تصوف محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر عائشہ نے ان چاروں کتب سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

مزید برآں مراکش کے محدث اعظم و صاحب تصانیف کثیرہ علامہ سید احمد بن محمد صدیق غماری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) نے ''عوارف المعارف'' پر خاصا کام کیا اور اس میں مذکور احادیث نبوی کی تخریج پر مفصل و مجمل دو کتب تصنیف کیں، جن میں ایک کا نام ''عواطف اللطائف من احادیث عوارف المعارف'' اور دوسری کا نام ''غنیة العارف بتخریج احادیث عوارف المعارف'' ہے اور مکتبہ مکیہ، مکہ مکرمہ نے ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء میں یہ دونوں کتب شائع کر دی ہیں، جن میں سے اوّل الذکر دو جلد، آٹھ سو صفحات، جب کہ ثانی الذکر دو جلد، ساڑھے نو سو صفحات پر مشتمل ہیں اور اس مقالہ برائے ایم فل میں محدث غماری کے اس کام کا ذکر نہیں کیا گیا۔

حلب شہر میں واقع مدرسہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں حضرت شیخ الشیوخ کی تصنیف ''نغبة البیان فی تفسیر القرآن'' کا مخطوط موجود ہے، ڈاکٹر عائشہ نے اس کتاب کے قاہرہ میں محفوظ دو مخطوطات کا ذکر کیا ہے، لیکن نسخہ حلب تک نہیں پہنچ پائیں، جب کہ یہ نسخہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ اس کے آخری صفحہ پر خود شیخ الشیوخ کی تحریر کردہ سند اجازت موجود ہے، جو آپ نے ۶۱۳ھ میں قلم بند کی تھی۔

نیشنل لائبریری قاہرہ میں نسخہ حلب کے سند اجازت سے متعلق دو صفحات کی فوٹو کاپی زیر نمبر ۱۵۳/ تیمور موجود ہے، نیز خیر الدین زرکلی دمشقی (متوفی ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) نے اپنی کتاب میں اس کا عکس دیا ہے۔ علاوہ ازیں موصوفہ نے آپ کے سلسلہ اسناد پر مشتمل آپ کی تصنیف ''مشیخة'' کا نام نہیں دیا، جب کہ زرکلی کے ذخیرہ کتب میں اس کی فوٹو کاپی موجود ہے اور حضرت شیخ الشیوخ کی شاعری کا تعارف نہیں دیا، جب کہ زرکلی کی بیاض میں آپ کا کلام محفوظ ہے۔

ڈاکٹر عائشہ نے برصغیر میں ''عوارف المعارف'' کی لکھی گئی فقط ایک شرح کا ذکر کیا ہے، جب کہ بقول حکیم عبد الحی ندوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) اس خطہ پر ''عوارف المعارف'' کی عربی و فارسی میں سات سے زیادہ شروح اور دو حواشی لکھے گئے، نیز دو اختصار تیار کیے گئے۔ نیز موصوفہ نے آپ کی ایک تصنیف ''الأوراد'' کا نام تو دیا ہے لیکن اس کے کسی مخطوط کے بارے میں خبر نہیں دی، جب کہ بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال (پاکستان) میں اس کا ایک خوش خط اور صاف مخطوط موجود ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں ملتان سے سلسلہ سہروردیہ کا ترجمان ماہ نامہ ''آستانہ زکریا'' شائع ہوتا رہا، مولانا نور احمد خان فریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر چار ضخیم جلدوں میں ''مشائخ سہروردیہ'' لکھی، جو ملتان سے شائع ہوئی۔ ''عوارف المعارف'' کا ایک اردو ترجمہ پروفیسر ارشد قریشی اور دوسرا علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء) نے کیا، جو کراچی سے شائع ہوئے۔ ہندوستان میں صوبہ آسام کے سابق گورنر ڈاکٹر نور الحسن نے سلسلہ سہروردیہ پر خاصا کام کیا، لیکن ڈاکٹر عائشہ نے برصغیر میں موجود حضرت شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آثار کا کھوج لگانے کی کوشش نہیں کی۔ ان باتوں سے قطع نظر یہ کتاب آپ کے حالات زندگی، آپ کی فکر اور سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمات جاننے کے لیے کافی ہے۔

۴ فهرس مخطوطات مكتبة مكة المكرمة

مرتبین، ڈاکٹر عبد الوہاب ابو سلیمان مکی و شیخ فراج عطا سالم وغیرہ، دس اہل علم نے مل کر مرتب کی

طبع اوّل، ۱۹۹۷ء ضخامت: ۵۹۱

ناشر، کنگ فہد نیشنل لائبریری، ریاض، سعودی عرب

آج کے مکہ مکرمہ میں دو کتب خانے بہت اہم ہیں، ان میں سے ایک کا نام ''مکتبہ حرم مکی'' ہے، جو مسجد حرام کے زیر انتظام ہے اور یہ شہر مقدس کی سب سے بڑی لائبریری ہے۔ جب کہ دوسرے کا نام

''مکتبہ مکہ مکرمہ'' ہے، جو بلد اللہ الحرام کی دوسری بڑی لائبریری ہے اور یہ مسجد حرام کی مشرقی دیوار سے تقریباً دو سو میٹر کے فاصلہ پر شعب علی نامی محلہ جس کا پرانا نام شعب بنی ہاشم تھا، اس کے سوق اللیل بازار کے کنارا پر واقع ہے اور یہ عین اس مقام پر ہے، جہاں خاتم الانبیاء والمرسلین حبیب رب العالمین حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ یہ متبرک جگہ ''مقام مولد النبی ﷺ'' اور ''موضع مولد النبی ﷺ'' کہلاتی ہے۔ اس موضوع پر مفتی محمد خان قادری کا مضمون ''میلاد اور اہل مکہ'' مشمولہ ضیائے حرم، نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ء لائق مطالعہ ہے، جس میں آپ لکھتے ہیں کہ مشہور مسلم سیاح ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء) کے سفرنامہ میں ہے کہ مکہ مکرمہ کی زیارات میں سے ایک مولد پاک بھی ہے، اس مقام کی مٹی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے اس کائنات میں سب سے پہلے محبوب خدا کے جسم مقدس کو مس کیا اور اس میں اس ہستی مبارک کی ولادت پاک ہوئی، جو تمام امت کے لیے رحمت ہے۔ ماہ ربیع الاوّل میں خصوصاً آپ ﷺ کی ولادت کے دن اس مولود کو زیارت کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کی زیارت سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

مسجد حرام کے مدرس مفتی مکہ مکرمہ مؤرخ شہیر قطب الدین ہزوالی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء) کے بقول مولد پاک معروف و مشہور جگہ ہے، اب تک اس کی زیارت کی جاتی ہے، وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، اہل مکہ وہاں پر سوموار کو ذکر کی محفل سجاتے ہیں اور ہر سال بارہ ربیع الاوّل کی رات اس کی زیارت کی جاتی ہے۔

شیخ محمد بن علوحسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ مشائخ، اکابر، علماء اور معزز شخصیات ہاتھوں میں فانوس اور چراغ لے کر مولد پاک کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ مزید برآں مولد پاک کے مقام پر ایک گنبد پر محیط عظیم الشان عمارت بنائی گئی تھی اور عثمانی عہد کے اختتام تک اس متبرک عمارت پر ہمہ اوقات خدام و محافظ موجود رہتے۔ پھر حجاز مقدس میں سعودی انقلاب آیا تو حکمرانوں نے اس عمارت کو گرا کر ملیا میٹ کر دیا۔ مصر کے وزیر تعلیم سینٹ کے چیئرمین مؤرخ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل (متوفی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) سعودی عہد میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو مولد پاک کی جو حالت دیکھی، وہ اپنی کتاب میں یوں بیان کی:

''آج خالی میدان نظر آتا ہے بلکہ کبھی اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ بنالیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ جگہ سب سے زیادہ آباد ہوا کرتی تھی۔ جن لوگوں نے وہ منظر دیکھا ہوا ہے،

وہ آج کی اس بے حرمتی پر خون کے آنسو روتے ہیں"---

الغرض دنیا بھر کے سوادِاعظم کے مسلسل احتجاج بالخصوص اہل مکہ کی صبر آزما و طویل جدوجہد کے نتیجہ میں حکمرانوں کو بے حرمتی کا یہ سلسلہ روکنا پڑا۔ اس پاک مقام کو اس کی سابقہ حیثیت پر تو بحال نہیں کیا لیکن وہاں سے اونٹ ہٹا دیے گئے اور شیخ عباس قطان (متوفی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) جو قبل ازیں سترہ برس تک مکہ مکرمہ کے میئر رہ چکے تھے، اُن کی سعی سے بادشاہ نے اس مقام پر لائبریری قائم کرنے کی منظوری دے دی۔ چناں چہ ۱۹۵۱ء میں شیخ قطان نے اس کے لیے عمارت کی تعمیر شروع کرائی، پھر مکہ مکرمہ کے متعدد علمی گھرانوں نے اس کے لیے کتب پیش کیں۔ چناں چہ یہ لائبریری اب تک اسی عمارت میں موجود ہے جو ارد گرد کی جدید ترین عمارات اور شاہی محلات کے بالمقابل زبوں حال اور عدم التفات کی تصویر ہے۔ اس لائبریری میں پندرہ سو سے زائد عربی کتب کے مخطوطات موجود ہیں، جن کی فہرست متعدد اہل علم نے مل کر مرتب کی، جو کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ ذیل میں مکتبہ مکہ مکرمہ میں موجود مخطوطات میں سے چند کتب کے نام قارئین کی معلومات کے لیے درج ہیں:

- شرح رسالة فی التوحید، ملا علی قاری مکی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)
- سراج الائمة فی تخریج احادیث کشف الغمة للشعرانی، شیخ احمد حضراوی مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء)
- مسند الامام ابی حنیفة بروایة الحصکفی، مولانا محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء)
- طوالع الانوار شرح الدر المختار، علامہ محمد عابد سندھی
- مقدمة لصحیح الامام مسلم، علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۷۶ء)
- منهج العمال فی سنن الاقوال و الافعال، مولانا علی متقی چشتی شاذلی برہان پوری مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء)
- المواهب اللدنية فی المنح المحمدية، علامہ احمد بن قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء)
- نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر، علامہ احمد بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء)

- اعلام الھدیٰ و عقیدۃ ارباب التقی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء)
- انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)
- تنبیہ الغبی فی شأن ابن عربی، امام سیوطی
- حاشیہ علی شرح العقائد النسفیۃ للتفتازانی، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء)، سن کتابت ۱۰۶۳ھ
- حاشیہ علی حاشیۃ السید علی شرح القطب للرسالۃ الشمسیۃ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی
- رسالہ فی اثبات رؤیۃ اللّٰہ یوم القیامۃ، علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- رسالۃ فی عصمۃ الانبیاء، شیخ اسحاق بن عقیل سقاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء)
- شرح الفقہ الاکبر، مختلف شارحین کی لکھی گئی چار شروح موجود ہیں
- قمع المعارض فی نصرۃ ابن الفارض، امام سیوطی
- وحیۃ الامام ابی حنیفۃ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء)
- الاشباہ و النظائر فی فقہ الحنفیۃ، امام ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۰ھ/۱۵۶۳ء)، تین نسخے
- الترخیص بالقیام، امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء)
- رد المحتار علی الدر المختار، علامہ محمد امین ابن عابدین حنفی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء)
- رسالۃ فی حکم السبحۃ، علامہ محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)
- الصارم المبید لمنکر حکمۃ التقلید، شیخ محمد علی مالکی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)
- فتح المتعال فی بیان ضعف القول بسنیۃ الصلاۃ فی النعال، شیخ محمد علی مالکی مکی
- الھدیٰ التام فی موارد المولد النبوی و ما اعتید فیہ من القیام، شیخ محمد علی مالکی مکی

- فتح المعین بشرح قرۃ العین بمہات الدین، امام زین الدین مالاباری ہندی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء)
- الفوائد الملھمة فی ازالة الشبھة، مولانا عبدالغفور ہمایونی
- کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم، مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)، سن کتابت ۱۳۲۹ھ
- مسلم الثبوت، علامہ محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء)
- احیاء علوم الدین، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء)
- حاشیة علی الحکم العطائیة، شیخ محمد بن محمد الامیر سنباوی الازہری مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (متوفی ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء)
- حزب البحر، امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء)
- الخیرات الحسان فی فضل لیلة النصف من شعبان، شیخ عبداللہ بن محمد بریکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- دلائل الخیرات، امام جزولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء)
- الذخائر القدسیة فی زیارة خیر البریة، شیخ عبدالحمید قدس مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء)
- شمس المعارف و لطائف العوارف، شیخ احمد بن علی قریشی بونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء)
- قصیدہ غوثیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء)
- کوکب المبانی و موکب المعانی شرح صلوات عبد القادر الکیلانی، شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء)
- مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات، شیخ محمد مہدی فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۸ء)
- مظھر السروح بسر الروح، شیخ حسن بن علی عجیمی مکی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۱۳ھ/۱۷۰۲ء)
- منھاج العابدین، امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

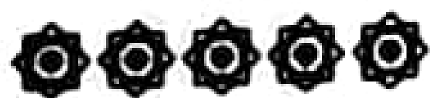
- المنھج الواضح للسالکین فی بیان سلوک المریدین، شیخ محمد بن ابراہیم ابی خضیر دمیاطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- مولد النبی ﷺ، شیخ حسن بن علی مدابغی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء)
- مولد النبی ﷺ، شیخ زین العابدین برزنجی مدنی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء)
- حاشیہ علی شرح شھاب الدین الھندی علی الکافیۃ، علامہ ابن حاجب کی الکافیہ پر مولانا شہاب الدین احمد دولت آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء) کی شرح پر علامہ کازونی کا حاشیہ، گیارہویں صدی ہجری کا کتابت شدہ
- البحر الفائض فی شرح دیوان ابن الفارض، شیخ حسن بن محمد صفوری بورینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء)
- تخمیس البردۃ، احمد بن محمد ابن حاتم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء)
- التوصل بالبدیع الی التوسل بالشفیع، شیخ عز الدین علی موصلی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء)، سن کتابت ۹۱۷ھ
- شرح البردۃ، شیخ زادہ محمد بن مصطفیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء)
- النفحات المدنیۃ فی المدائح المصطفویۃ، علامہ سید محمد عثمان میرغنی مکی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء)
- بھجۃ المحافل و بغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر و المعجزات و الشمائل، شیخ یحییٰ بن ابوبکر عامری یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۸۹۳ھ/۱۴۸۸ء)
- سبل الھدی و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد، علامہ محمد بن یوسف شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء)
- الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء)
- لواقح الانوار القدسیۃ فی مناقب العلماء و الصوفیۃ، شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء)
- النشر الوردی لأخبار خالد الکردی، حضرت ضیاء الدین خالد نقشبندی مجددی

دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء) کے حالات پر شیخ عثمان بن سند بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) کی تصنیف ''اصفی الموارد من سلسال احوال الامام الخالد'' کی تلخیص از شیخ ابوبکر ملا احسائی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)، سن کتابت ۱۲۶۱ھ

- نفحة الرحمٰن فی بعض مناقب السيد احمد بن زينی دحلان، علامہ ابوبکر شطا مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء)
- الوسيلة الی الله بحب اصحاب رسول الله، شیخ محمد دیاب بن شحاذہ منفلوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی بعد ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء)

اس لائبریری میں محی الدین کلشی مجی کی منظوم فارسی تصنیف ''فتوح الحرمین'' انتہائی اہم نوادرات میں سے ہے، اسے سید علی حسینی نے ۹۵۷ھ کو مکہ مکرمہ میں کتابت کیا، جس میں متعدد مقامات پر سونے کا پانی استعمال کیا گیا۔ اس کتاب کی اہمیت وخاصیت یہ ہے کہ اس میں خانہ کعبہ سمیت پوری مسجد حرام، صفا ومروہ ودیگر شعائر حج، مقام مولد النبی ﷺ، خلفائے راشدین کے مقام ولادت وغیرہ پر بنائی گئی عمارات، حتیٰ کہ ان کے گرد لگائے گئے درخت، نیز مسجد نبوی اور روضہ اقدس ﷺ کے علاوہ مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے دیگر مقدس مقامات کی تصاویر، رنگوں کے امتزاج سے بنائی گئی ہیں۔ ڈاکٹر عبد الوہاب ابوسلیمان مکی نے اس لائبریری کے بارے میں تعارفی کتاب ''مكتبة مكة المكرمة'' کے نام سے لکھی، جسے مذکورہ ادارے نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا تھا، جس میں فتوح الحرمین کے چند صفحات کے عکس دیے گئے تھے۔

اس کی دو منزلہ عمارت میں چھوٹے بڑے آٹھ ہال یا کمرے ہیں اور ہر ہال کسی شخصیت سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی بالائی منزل پر ایک ہال مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ مکہ مکرمہ کے عالم جلیل صاحب تصانیف کثیرہ مفتی مالکیہ شیخ محمد علی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے منسوب ہے۔ نیز اس لائبریری میں نہ صرف فاضل بریلوی کی تصنیف ''كفل الفقيه'' کا مخطوط موجود ہے، بلکہ شیخ محمد علی مالکی کی چونتیس کے قریب تصنیفات کے مخطوطات محفوظ ہیں، جو کسی ایک شخصیت کی تصنیفات کی سب سے زیادہ تعداد ہے۔



پہلی قسط

"تذکرۂ مصنفین درس نظامی" پر ایک نظر

تجزیہ نگار: پروفیسر محمد اورنگ زیب بلوچ

نام کتاب: تذکرہ مصنفین درس نظامی

تالیف: اختر راہی

سال اشاعت: ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

ناشر: مکتبہ رحمانیہ، ۱۸- اردو بازار لاہور

صفحات: ۳۲۰

پاک و ہند کے اسلامی مدارس میں جو نصاب رائج ہے اسے ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی (متوفی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) نے ترتیب دیا اور یہ انہی کے نام کی مناسبت سے درس نظامی کہلاتا ہے۔ اس میں عربی و فارسی کتب شامل ہیں، جن کے مصنفین پوری اسلامی تاریخ میں متعلقہ علوم وفنون کے ائمہ میں سے ہیں اور ان کا تعلق اسلام سے وابستہ متعدد مکاتب فکر سے ہے۔

یوں تو ان مصنفین کے حالات و خدمات عربی و فارسی کی ضخیم و کم یاب کتب میں موجود ہیں، نیز اردو زبان میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کا شائع کردہ "دائرہ معارف اسلامیہ" بھی ان کے ذکر سے خالی نہیں لیکن ان کتب کا حصول اور پھر ان سے استفادہ عام طلبہ کے لیے آسان نہیں۔ چنانچہ

''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' انہیں مشاہیر کے حالات پر اردو میں تالیف کی گئی۔ اختر راہی اس کی وجہ تالیف کے بارے میں خود یوں رقم طراز ہوئے:

''موجودہ علمی اور تعلیمی تقاضوں کے پیش نظر کتاب کے ساتھ مؤلف کتاب اور اس کی علمی و ادبی خدمات سے آگاہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مدارس دینیہ کے طلبہ بھی اپنی نصابی کتابوں کے لکھنے والوں سے متعارف ہوں''---[صفحہ ۱۱]

حافظ نذر احمد نے اس کتاب کا افتتاحیہ لکھتے ہوئے اس بات کو مزید آگے بڑھایا اور یوں لکھا:

''دینی مدارس سے باہر کی دنیا تو ایک طرف رہی خود صاحبان درس و تدریس بھی اپنی نصابی کتب کے مصنفین سے کما حقہ باخبر نہ تھے......اس کے مؤلف کے لیے یہ امر واقعی باعث صد افتخار ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلی اور واحد کتاب ہے''---[صفحہ ۱۰]

مؤلف کتاب جناب اختر راہی صاحب جن کا اصل نام سغیر اختر ہے، آپ ۱۹۴۷ء کو واہ کینٹ کے قریب گاؤں لوہسر شرفو میں پیدا ہوئے، سیاسیات اور پھر تاریخ میں ایم اے کیا اور گورنمنٹ کالج مری میں شعبۂ تاریخ کے استاد ہوئے[صفحہ ۳] بعد ازاں پی ایچ ڈی کی۔ آپ نے ۱۹۷۰ء میں ان شخصیات پر مضامین لکھنا شروع کیے جو ملک کے معروف جرائد و رسائل میں شائع ہوئے، یہ سلسلہ ۱۹۷۵ء میں مکمل ہوا اور پھر اسی برس مسلم اکیڈمی لاہور نے ''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' کا پہلا کتابی ایڈیشن شائع کیا۔ کتاب پسند کی گئی اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل قرار پائی، چنانچہ سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔[صفحہ ۱۱]

۱۳۹۷ھ میں مؤلف نے اس پہلے ایڈیشن میں ردوبدل اور اضافے کیے نیز ''حرف آغاز'' کے عنوان سے دیباچہ لکھا، جس کا اختتام حسب ذیل سطور پر کیا:

''زیر نظر اشاعت میں مناسب اضافے کیے گئے اور تسامحات درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم اب بھی یہ ایک طالب علم کی کوشش ہے، قارئین سے التماس ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں''---[صفحہ ۱۲]

اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ رحمانیہ لاہور نے شائع کیا، جس کے مالک جناب مقبول الرحمٰن ''عرض ناشر'' کے تحت یوں گویا ہوئے:

''زیر نظر اشاعت میں فاضل مؤلف نے کافی اضافے کیے ہیں اور بجا طور پر

نقشِ ثانی، نقشِ اول سے بدر جہا بہتر ہے"---[صفحہ ۹]

کتاب کا یہی ایڈیشن راقم الحروف کے پیشِ نظر ہے، اس کا آغاز ملاّ نظام الدین سہالوی کے حالات اوران کے مرتب کردہ نصاب کی فہرست سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد حروف تہجی کی ترتیب سے شخصیات کے حالات مدرج ہیں، آخر میں تکملہ دیا گیا ہے، یوں اس ایڈیشن میں کل ۱۹۳ر شخصیات کے حالات پیش کیے گئے ہیں۔ مؤلف نے اس کی تالیف کے دوران اردو، فارسی، عربی وانگریزی کی ایک سوبیس سے زائد کتب نیز پاک و ہند سے شائع ہونے والے بارہ اہم رسائل سے استفادہ اٹھایا، جن کی فہرست دے دی گئی ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور سے کسی قدر عیاں ہوگا، راقم نے اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا، اس کی اہمیت وافادیت مسلم اور مؤلف کی علم سے لگن بھی تسلیم لیکن کوئی بھی انسانی عمل "مکمل" نہیں ہوتا اوراس میں مزید کچھ کہنے اور کرنے کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے، لہٰذا آئندہ سطور میں کتاب کے اس ایڈیشن کے تجزیاتی مطالعہ کا ماحصل پیش ہے۔

واضح رہے کہ پروفیسر اختر راہی نے دوران تالیف جن کتب سے مدد لی، ان میں سے پانچ اہم کتب الاعلام، تذکرہ علمائے ہند، الفوائد البهية، مفید المفتی، نزهة الخواطر اس تجزیہ کے عمل میں بطور خاص راقم کے بھی پیشِ نظر رہیں۔

تحقیق کا معیار

۞ اختر راہی نے ملاّ نظام الدین سہالوی کے تذکرہ میں ملاّ عبدالسلام ساکن دیوہ کا سنہ وصال ۱۰۴۲ھ لکھا[صفحہ ۱۳] جب کہ آپ ۱۰۴۷ھ میں زندہ تھے۔[۱]

۞ سال ۸۲۳ھ کو ۱۴۱۹ء کے مساوی قرار دیا[صفحہ ۲۱] جو درست نہیں، ۸۲۳ھ کا آغاز ۱۷ رجنوری ۱۴۲۰ء کو ہوا۔[۲]

۞ جار اللہ زمخشری کا سنہ وفات ۵۳۸ھ/ ۱۲۷۷ء وغیرہ لکھا[صفحہ ۸۱،۲۲] جو درست نہیں، ان کا وصال ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء میں ہوا۔[۳]

۞ ابن حاجب کے بارے لکھا کہ مصر کے ایک گاؤں "فـنـا" میں پیدا ہوئے [صفحہ ۲۵]، جب کہ اصل نام "اَسنا" ہے، نیز ان کا سنہ وصال ۱۱۷۵ء لکھا، جب کہ خود عرب محققین نے ۱۱۷۴ء اختیار کیا ہے۔[۴]

۞ امام ابن ماجہ کے تذکرہ میں ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی (متوفی ۱۱۳۸ھ) کی تالیف "شرح ابن ماجه" کا ذکر کیا[صفحہ ۳۲] جب کہ یہ زیر تذکرہ کتاب کی شرح نہیں،

حاشیہ ہے، جو مطبوع ہے۔[۵]

❁ شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی (متوفی ۱۲۹۶ھ) کی "انجاح الحاجۃ" کو سنن ابن ماجہ کی شرح قرار دیا[صفحہ ۳۲] جب کہ یہ اس پر حاشیہ ہے، جسے ان دنوں قدیمی کتب خانہ کراچی نے شائع کر رکھا ہے۔[۶]

❁ اثیرالدین ابہری کے حالات میں ہے کہ ان کی تصنیف "ایساغوجی" کا متن لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۶۴۵ء میں روم میں طبع ہوا[صفحہ ۴۱] اس میں یہ تو درست ہے کہ مذکورہ کتاب پہلی بار روم میں طبع ہوئی، لیکن اس کا سنہ طباعت ۱۶۲۵ء ہے۔[۷]

❁ سنن نسائی کے مؤلف امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی کے والد کی جگہ[صفحہ ۴۶] دادا کا نام درج کر دیا۔[۸]

❁ "مراح الارواح" کے مؤلف احمد بن علی بن مسعود کے حالات زندگی دستیاب نہیں[صفحہ ۴۹] لیکن اختر راہی نے ان کے زمانہ کے تعین کی از خود بھی کوشش نہیں کی اور زرکلی کی تحقیق سے بھی استفادہ نہیں کیا، جن کے بقول احمد نے تقریباً ۷۰۰ھ/ ۱۶۱۸ء میں وفات پائی۔[۹]

❁ ملا احمد جیون امیٹھوی کا سنہ ولادت ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۸ء لکھا[صفحہ ۵۰]، ادھر اگلے صفحہ پر خود ہی تسلیم کیا کہ آپ دوسرے سفر حج سے ۱۱۱۶ھ میں وطن واپس آئے۔ گویا آپ نے یہ طویل سفر نوے برس کی عمر میں کیا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۱۰۴۷ھ/ ۱۷۱۸ء میں ہوئی۔[۱۰]

❁ عربی لفظ "صیدلانی" کا اردو معنی عطر فروش بتایا[صفحہ ۵۹] جب کہ اس کا معنی "دوافروش" ہے[۱۱] اور عطر فروش کو عربی میں "عطار" کہتے ہیں۔[۱۲]

❁ "نفحۃ الیمن" کے مصنف احمد بن محمد تقی بن محمد بن علی بن ابراہیم شروانی[۱۳] کے دادا اور پردادا کا نام یک جا کر کے "محمد علی" بنا دیا۔[صفحہ ۶۱]

❁ احمد شروانی کی تصنیف "عجب العجاب بما یفید الکتاب" کے بارے میں لکھا کہ پہلی مرتبہ ۱۸۱۳ء میں بمقام کلکتہ چھپی[صفحہ ۶۳] جب کہ یہ کتاب قبل ازیں کلکتہ ہی سے ۱۲۱۲ھ/ ۹۷-۱۷۹۸ء نیز ۱۸۱۱ء میں چھپ چکی تھی۔[۱۴]

❁ مولوی رشید الدین خان دہلوی اور احمد شروانی کے عربی خطوط کا مجموعہ "المکاتیب" ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتبائی دہلی نے شائع کیا[صفحہ ۶۳-۶۴] جب کہ یہ مذکورہ مطبع نے ۱۳۱۱ھ میں طبع کی۔[۱۵]

۞ بہاء الدین عاملی کا سنہ ولادت ۱۷؍ محرم ۹۵۳ھ/ ۱۵۴۸ء لکھا [صفحہ ۷۷] جب کہ مذکورہ ہجری تاریخ کو ۲۰؍ مارچ ۱۵۴۶ء تھا۔[۱۶]

۞ جار اللہ زمخشری کی تاریخ ولادت ۲۷؍ رجب ۴۶۷ھ/ ۱۸؍ مارچ ۱۰۷۴ء لکھی [صفحہ ۸۰] جب کہ مذکورہ ماہ رجب ۱۰۷۵ء میں تھا۔[۱۷]

۞ تفسیر جلالین نصف آخر کے مؤلف جلال الدین محمد بن احمد محلی [۱۸] کا نام جلال الدین محلی بن احمد محلی لکھ دیا۔[صفحہ ۹۰]

۞ حسن بن عمار شرنبلالی کے تذکرہ میں ان کی مشہور و متداول تصنیف ''مراقی الفلاح'' کو غیر مطبوعہ بتایا [صفحہ ۹۲] جب کہ زرکلی نے اس کی طباعت پر اطلاع دی [۱۹] اور مطبع بولاق قاہرہ نے ۱۳۱۸ھ میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا، جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا اور ان دنوں کراچی سے قدیمی کتب خانہ، میر محمد کتب خانہ اور مکتبہ غوثیہ نے اس کے تین مختلف ایڈیشن شائع کر رکھے ہیں [۲۰] آخر الذکر جو علامہ احمد طحطاوی کے حاشیہ کے ساتھ ہے، یہ ایڈیشن بھی راقم نے دیکھا۔

۞ حسن شرنبلالی کے حالات میں ہی ''التحقیقات القدسیۃ'' اور ''رسائل الشرنبلالی'' کو ان کی دو تصنیفات شمار کیا [صفحہ ۹۲] جب کہ یہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔[۲۱]

۞ ''رسائل الشرنبلالی'' میں شامل چھوٹے بڑے رسائل کی تعداد ۴۸؍ بتائی [صفحہ ۹۲] ادھر مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ایک مقام پر ان کی تعداد ساٹھ بتلائی [۲۲] اور دوسری جگہ ان سب رسائل کے نام درج کیے [۲۳] مکتبہ حرم مکی میں اس کا قلمی نسخہ محفوظ ہے اور اس کے فہرست نگار نے ان رسائل کی تعداد ساٹھ بتائی، پھر ان سب کے نام فہرست میں ذکر کیے۔[۲۴]

۞ میر حسین میبذی کے تذکرہ میں ہے کہ انہیں شاہ اسماعیل صفوی نے دشمنی کی بنا پر ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء میں قتل کروا دیا [صفحہ ۲۰، ۹۳] اس واقعہ میں مذکور سنین درست نہیں۔ میر حسین میبذی، محمد بن سعد الدین اسعد المعروف بہ جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے، اس پر اتفاق ہے۔ اور دونوں کے حالات ''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' میں درج ہیں۔ جلال الدین محقق دوانی کے بارے میں علامہ سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) کا قول ہے کہ وہ ۸۹۷ھ میں زندہ اور اس وقت ان کی عمر ستر برس سے زائد تھی [۲۵] جب کہ محقق دوانی کا سال وفات ۹۰۷ھ، ۹۰۸ھ، ۹۱۸ھ، ۹۲۰ھ، ۹۲۸ھ بتائے گئے [۲۶] جن میں سے اکثر محققین نے ۹۱۸ھ کو ترجیح دی اور خود اختر راہی نے ۹۰۸ھ لکھا [صفحہ ۸۶] ادھر ان کے شاگرد میر حسین میبذی کا قتل ۱۰۹۶ھ کا واقعہ قرار دیا، گویا استاد و

شاگرد کی وفات میں تقریباً دو صدیاں حائل ہیں۔ دیگر تذکرہ نگاروں نے میبذی کا سال وفات ۸۷۰ھ[۲۷]، ۸۹۰ھ[۲۸]، ۹۰۴ھ تقریباً[۲۹]، ۹۱۰ھ[۳۰] لکھا ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں ان سے آخرالذکر درست ہے، کیوں کہ انہی ایام میں شاہ اسماعیل صفوی حکمران تھے۔

❁ ''شرح مائة عامل'' کے مؤلف حسین بن عبداللہ توقاتی کے نام میں ''نوقاتی'' لکھا[صفحہ ۹۵] جسے کاتب کی معمولی غلطی قرار نہیں دیا جا سکتا؛ اس لیے کہ یہ جلی قلم سے لکھے گئے نمایاں عنوان میں واقع ہے، مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

''توقاتی، توقات کی طرف منسوب ہے، جو ایک چھوٹا سا شہر لحف جبل میں واقع ہے، جس کا ایک قلعہ خوب صورت بھی ہے''---[۳۱]

❁ شیخ جمال الدین محمد بن محمد اقسرائی کا سنہ وفات ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۸ء قرار دیا[صفحہ ۱۰۹] جو درست نہیں۔ نامور سوانح نگاران نے ان کے سال وفات کا سرے سے تعین ہی نہیں کیا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا کہ آپ نے ۷۷۰ھ سے کچھ بعد وفات پائی۔ مولانا فقیر محمد جہلمی نے کہا کہ کچھ اوپر ۷۷۰ھ میں وفات پائی اور زرکلی کی تحقیق تھی کہ ۷۷۶ھ تک زندہ تھے۔[۳۲]

❁ تفسیر جلالین پر شیخ سلام اللہ کا حاشیہ ''کمالین'' پہلی مرتبہ ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوا[صفحہ ۱۳۳] جب کہ اس کا سنہ اشاعت ۱۲۸۱ھ ہے۔[۳۳]

❁ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حالات میں ہے:

''تذکرہ نگاروں نے علامہ سیالکوٹی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مخطوطات تک موجود نہیں''---

اس عبارت کے بعد آپ کی آٹھ مؤلفات کے نام دیئے ہیں[صفحہ ۱۴۴] جب کہ ان میں سے ایک کتاب ''حاشیۃ شرح عقائد تفتازانی'' کا مخطوط مکتبہ مکہ مکرمہ میں موجود ہے جو خود علامہ سیالکوٹی کی زندگی میں ۱۰۶۳ھ کا کتابت شدہ ہے۔[۳۴]

❁ عبدالقاہر جرجانی کے تذکرہ میں ان کی ایک تصنیف کا نام ''مقتصد فی شرح اعجاز القرآن'' بتایا[صفحہ ۱۵۵] جب کہ یہ ''المقتصد'' اور ''اعجاز القرآن'' کے ناموں سے دو مختلف موضوعات پر الگ الگ کتب ہیں۔ جرجانی کے استاد محمد بن حسین فارسی (متوفی ۴۲۱ھ) کے ماموں حسن بن احمد المعروف بہ ابوعلی فارسی (متوفی ۳۷۷ھ) نے عربی لغت کے قواعد پر کتاب ''الایضاح'' تصنیف کی تھی، جس کا ایک قلمی نسخہ ۵۳۵ھ کا لکھا ہوا مکتبہ

اسکوریال سپین میں محفوظ ہے[۳۵] جرجانی نے اسی ''الایضاح'' کی شرح ''المغنی'' کے نام سے تیس کے قریب جلدوں میں لکھی، پھر خود ہی اس کی تلخیص تین جلدوں میں تیار کر کے اسے ''المقتصد'' کا نام دیا[۳۶] جس کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے، جب کہ دوسری کتاب ''اعجاز القرآن'' شائع ہوئی۔[۳۷]

۞ عبداللہ نسفی کے حالات میں ان کی دو تصنیفات کے نام ''عمدة العقائد'' اور ''عقیدہ حافظیہ'' بتائے[صفحہ۱۵۸] جب کہ یہ ایک ہی کتاب ہے۔آپ نے ''عمدة العقائد'' یا ''عمدة عقيدة اهل السنة و الجماعة'' کے نام سے یہ تالیف کی، جو آخر الذکر نام سے ۱۸۴۳ء میں لندن سے شائع ہوئی[۳۸] اور مؤلف کا لقب حافظ الدین تھا، جو اختر راہی نے بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ اس مناسبت سے یہ ''عقیدہ حافظیہ'' کہلائی۔شیخ عبداللہ نسفی نے خود ہی اس کی شرح لکھی تھی، لیکن اس کا نام ''الاعتماد'' ہے۔[۳۹]

۞ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''کنز الدقائق'' کے ایک شارح کا نام زین الدین بن نجیم لکھا[صفحہ۱۵۹]، درست نام یہ ہے، زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بہ ابن نجیم۔[۴۰]

۞ ''کنز الدقائق'' کی شرح ''البحر الرائق'' کے بارے میں بتایا کہ:

''زین الدین بن نجیم مصری نے شروع کی مگر پایہ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، بعد میں ان کے بھائی سراج الدین عمر نے مکمل کی''---[صفحہ۱۵۹]

اس عبارت میں یہ بات تو درست ہے کہ ابن نجیم مصری اس شرح کو مکمل نہ کر سکے، لیکن یہ صحیح نہیں کہ اسے آپ کے بھائی نے مکمل کیا۔حقیقت یوں ہے کہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' کے سات اجزاء تالیف کیے اور ان کی وفات کے بعد مفتی احناف مصر شیخ عبدالقادر بن عثمان المعروف بہ ابن طوری (متوفی ۱۰۳۰ھ تقریباً) نے اس کا آٹھواں و آخری حصہ تالیف کیا اور یہ مکمل کتاب مطبوع ہے۔[۴۱]

۞ شروح ''کنز الدقائق'' کے ضمن میں ہی لکھا کہ سراج الدین عمر نے ''النهر الفائق'' کے نام سے ''البحر الرائق'' کا اختصار تیار کیا[صفحہ۱۵۹] پروفیسر اختر راہی صاحب نے ''کنز الدقائق'' کے بارے میں لگ بھگ تمام معلومات ''مفيد المفتی'' سے اخذ کیں[۴۲] لیکن نہ جانے مذکورہ بالا نکات کہاں سے لیے۔واضح رہے کہ ''البحر الرائق'' کے مؤلف زین الدین نجیم اور ''النهر الفائق'' کے مؤلف سراج الدین عمر نجیم آپس میں اسی ترتیب

سے بڑے چھوٹے بھائی نیز استاد و شاگرد ہیں اور دونوں نے ہی "کنز الدقائق" کی الگ الگ شروح لکھیں۔ ایک نے دوسرے کی شرح کی تلخیص تیار نہیں کی، جیسا کہ اختر راہی نے سمجھا۔ زین الدین نجیم کی شرح "البحر الرائق" کے بارے میں گزشتہ سطور میں آچکا کہ یہ آپ نے شروع کی اور علامہ طوری نے مکمل کی، جب کہ سراج الدین عمر نجیم نے "النهر الفائق" کے نام سے مستقل شرح لکھی اور اس میں اپنے بھائی کی شرح "البحر الرائق" پر بڑے مناقشے کیے[۴۳] اور "النهر الفائق" دار الکتب علمیہ بیروت نے احمد عزو کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء کو تین جلدوں میں شائع کی، جو راقم الحروف کی نظر سے گزری، نیز قدیمی کتب خانہ کراچی نے شائع کر رکھی ہے۔

۞ "کنز الدقائق" کے ایک اور شارح قاضی زین الدین عبدالرحیم بن محمود عینی[۴۴] کا نام زین الدین بن عبدالرحیم لکھا[صفحہ ۱۵۹] جو درست نہیں۔ زین الدین آپ کا لقب ہے، نام نہیں اور عبدالرحیم خود شارح کا نام ہے، ان کے والد کا نہیں۔

۞ "کنز الدقائق" کے ہی شارح مولانا مصطفیٰ بن سلیمان بالی زادہ[۴۵] کے والد کا نام بالی لکھ دیا۔[صفحہ ۱۵۹]

۞ ملا عبد اللہ یزدی کے حالات میں ان کا سنہ وفات ۹۸۱ھ درست قرار دیا[صفحہ ۱۶۰]، ان کے سنہ وصال نیز مذہب کے بارے میں اختلاف ہے۔ "روضات الجنات" کے مصنف محمد باقر خراسانی سبزواری شیعی (متوفی ۱۰۹۰ھ) نے ان کا شیعہ علماء میں ذکر کرتے ہوئے وفات کا سال ۹۸۱ھ لکھا[۴۶]، مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے عبداللہ یزدی کو اکابر علماء احناف میں شمار کیا اور "خلاصة الاثر" کے مصنف شیخ محمد امین محبی حنفی (متوفی ۱۱۱۱ھ) نے سنہ وفات ۱۰۱۵ھ لکھا۔[۴۷]

۞ مولانا مصلح الدین لاری سندھی کے بارے میں بتایا کہ ۹۵۱ھ میں مکہ معظمہ چلے گئے[صفحہ ۱۶۳] جب کہ آپ نے یہ سفر ۹۶۰ھ میں اختیار کیا۔[۴۸]

۞ "تفسیر محمدی" کے مؤلف کے بارے میں لکھا کہ آپ محمد بن احمد میاں جی کے نام سے معروف ہیں[صفحہ ۱۶۳]، اس کے برعکس آپ حسن محمد چشتی احمد آبادی گجراتی کے نام سے مشہور ہیں[۴۹] اور صاحب "نزهة الخواطر" نے تو آپ کے حالات ہی اس نام سے حرف "ح" کے تحت درج کیے ہیں۔[۵۰]

۞ عبد اللہ بن عمر بیضاوی کے تذکرہ میں ایک نام "ملا عماد طاری" درج

ہے[صفحہ۱۶۳] جو پہلے ہی مغلق عبارت تھی، اس پر کتابت میں بھی غلطی، واضح نام اس طرح سے ہے، شیخ محمد بن محمود المعروف بہ عماد الدین محمد طارمی۔[۵۱]

۞ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "نقایہ" کی شروح کا ذکر کرتے ہوئے قاسم بن قطلو بغا اور ملا عبد العلی برجندی کی کتب کو دو الگ الگ شروح قرار دیا[صفحہ۱۶۶] جب کہ یہ ایک ہی شرح ہے، جسے اول الذکر نے شروع کیا اور ان کی وفات کے بعد عبد العلی بن محمد بن حسین برجندی (۹۳۵ھ میں زندہ) نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔[۵۲]

۞ "جامع الرموز" کے مصنف شمس الدین محمد خراسانی قہستانی کا سنہ وفات دوٹوک انداز میں ۹۶۲ھ لکھ دیا، کسی اختلاف کا اشارہ تک نہیں دیا[صفحہ۱۶۷] جب کہ اس پر شدید اختلاف ہے۔ بعض نے ۹۵۰ھ[۵۳]، کچھ نے تقریباً ۹۵۳ھ[۵۴]، بعض نے کہا کہ ۹۶۰ھ کے لگ بھگ[۵۵] اور دیگر نے تقریباً ۹۶۲ھ[۵۶] اور کچھ نے ۹۶۳ھ لکھا۔[۵۷]

۞ قاضی عضد الدین ایجی کا سنہ ولادت حتمی طور پر ۶۸۰ھ لکھا[صفحہ۱۶۸] جب کہ محققین اب تک آپ کا صحیح سنہ پیدائش تلاش نہیں کر پائے۔ "طبقات الشافعیۃ" میں فقط اتنا ہے کہ آپ کی ولادت ۶۸۰ھ کے بعد ہوئی، اس بارے میں مزید اقوال بھی ہیں۔[۵۸]

۞ اہل قلم کے ہاں "نقل در نقل" کے عمل پر اختر راہی نے ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار تو کر دیا[صفحہ۱۹۷] لیکن دوسرے مقام پر خود بھی عمل اختیار کیا۔ قاضی عضد الدین ایجی (متوفی ۷۵۶ھ) جو سلطان الہند محمد بن تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) کے استاد تھے، ان کے تذکرہ میں یوں رقم طراز ہوئے:

> "مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ ان ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق نے روشن خیالی اختیار کی"---[صفحہ۱۶۸]

گزارش ہے کہ نجیب آبادی کی یہ تحریر قاضی عضد الدین ایجی و سلطان محمد تغلق کی وفات کے تقریباً چھ صدیاں بعد معرض وجود میں آئی، جب کہ تغلق دور کی تحریریں موجود و دست یاب ہیں، جن سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ مشہور عرب سیاح محمد بن عبد اللہ المعروف بہ ابن بطوطہ (متوفی ۷۷۹ھ) جب ہندوستان آئے تو یہاں طویل عرصہ مقیم رہ کر تغلق دربار سے وابستہ رہے، ان کے سفرنامہ کے ایک سے زائد اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں، جس میں انہوں نے یہاں کے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے تغلق کو خیر و شر کا مجموعہ قرار دیا اور رعایا پر اس کے ظلم و انتقام کا بڑی

تفصیل سے ذکر کیا، جیسا کہ دارالحکومت دہلی کو ویران کرنے کا واقعہ، جسے حکیم سید عبدالحئ ندوی نے ابن بطوطہ ہی کے حوالہ سے درست تسلیم کرتے ہوئے تغلق کے حالات میں اپنی کتاب میں درج کیا[۵۹] اور طبقۂ علماء ومشائخ کے ساتھ تغلق کے توہین آمیز وظالمانہ سلوک کا ایک واقعہ تو خوداختر راہی نے بھی دوسرے مقام پر اس دور کے مشہور عالم شیخ فخرالدین زرادی دہلوی چشتی (متوفی ۷۴۸ھ) کے حالات میں تفصیل سے درج کیا ہے۔[صفحہ ۱۸۷-۱۸۸]

اب رہا تغلق کے استاد قاضی عضدالدین ایجی کا معاملہ، تو بغداد کے مشہور مؤرخ وفلسفی کمال الدین عبدالرزاق بن احمد المعروف بہ ابن فوطی حنبلی (متوفی ۷۲۳ھ) اور قاضی عضدالدین، تبریز میں وزیر رشیدالدین فضل اللہ بن ابوالخیر ہمدانی (متوفی ۷۱۸ھ) کے ہاں طویل عرصہ مقیم رہے[۶۰] یہی علامہ فوطی لکھتے ہیں کہ عضدالدین ایجی کو وزیر رشیدالدین کے دربار میں خاص مقام حاصل تھا اور وہ دونوں ہم پیالہ وہم نوالہ تھے۔ عضدالدین مختلف فنون وعلوم حکمت اور آداب واخلاق میں اہم تھے، لیکن ان کا عقیدہ درست نہ تھا۔ وہ شراب نوشی میں مگن، فلسفیانہ افکار کے داعی اور شریعت محمدیہ سے لاتعلق نیز فسق وفجور میں مشہور تھے۔ اسی باعث پہلے قاضی کے منصب سے الگ اور پھر جلاوطن کیے گئے، ان کی وجہ سے مذکورہ وزیر بھی بدنام ہوئے[۶۱] علامہ فوطی یہ نہیں بتا سکے کہ بالآخر قاضی عضدالدین کا انجام کیا ہوا، کیوں کہ علامہ فوطی یہ مرحلہ آنے سے قبل وفات پا چکے تھے لیکن اس کا ذکر خوداختر راہی نے کر دیا ہے کہ آخر عمر میں معتوب اقتدار ہوئے اور دوران قید انتقال ہوا۔[صفحہ ۱۶۹]

۞ نجم الدین عمر نسفی کے تذکرہ میں ضیاء الدین خالد بغدادی کو علامہ سیالکوٹی کی ایک کتاب کے محشی اور شاگرد بتایا[صفحہ ۱۷۶]

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی اور ان کے حالات ''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' میں ہی درج ہیں[صفحہ ۱۳۸-۱۴۵] جب کہ ابوالبہاء ضیاءالدین خالد بن احمد بغدادی کا سنہ ولادت ۱۱۹۰ھ اور وفات ۱۲۴۲ھ ہے[۶۲] یوں علامہ سیالکوٹی کی وفات اور مولانا خالد بغدادی کی ولادت کے درمیان ایک سو تیس برس کے قریب عرصہ حائل ہے، لہٰذا استاد وشاگرد ہونا ممکن نہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ انہی خالد بغدادی نے علامہ سیالکوٹی کی ایک تالیف ''حاشیہ سیالکوٹی علی خیالی'' پر حاشیہ لکھا، جو ۱۳۰۷ھ میں استنبول سے شائع ہوا اور راقم الحروف کی نظر سے گزرا۔ یہ کتاب ''حاشیہ سلیمانی'' کے نام سے مشہور ہے، اس بنا پر کہ آپ عراق کے

شہر سلیمانیہ کے نواح میں پیدا ہوئے اور "حاشیہ بغدادی" سے مراد بھی یہی کتاب ہے کیوں کہ آپ طویل عرصہ بغداد میں مقیم رہے۔

❁ قطب الدین رازی کے تذکرہ میں لکھا کہ قرین قیاس روایت یہ ہے کہ وہ شافعی المسلک تھے [صفحہ ۲۰۶] اس پس منظر میں آپ کی فقہ شافعی پر ضخیم تالیف "شرح الحاوی الصغیر" کا موضوع ذکر کرنا ضروری تھا [۶۳]، تا کہ اس قیاس کو تقویت ملتی۔

❁ منطق کی مشہور کتاب "مطالع الانوار" کے مصنف قاضی سراج الدین محمود بن ابوبکر اُرمَوِی کا سنہ وفات ۶۸۲ھ [۶۴] کی بجائے ۶۸۹ھ لکھ دیا۔ [صفحہ ۲۰۷]

❁ نجم الدین علی بن عمر بن علی کاتبی قزوینی (متوفی ۶۷۵ھ) کی منطق پر مشہور کتاب "رسالۃ الشمسیہ" کو [۶۵] ان کے والد کی تصنیف قرار دے دیا۔ [صفحہ ۲۰۷]

❁ قاضی محب اللہ بہاری کے تذکرہ میں لکھا کہ آپ نے ملا قطب الدین شمس آبادی سے اکتساب فیض کیا، دوسری روایت کے مطابق قطب الدین سہالوی سے تعلیم پائی [صفحہ ۲۱۰]، حق یہ ہے کہ آپ نے ان دونوں کی شاگردی اختیار کی۔ [۶۶]

❁ "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" کے مؤلف ابن العربی مالکی کا سنہ وفات ۵۴۳ھ یا ۵۴۶ھ [۶۷] کی بجائے ۴۵۶ھ لکھ دیا۔ [صفحہ ۲۲۳]

❁ جامع ترمذی کے ہی شارح شیخ ابوطیب سندھی کا سنہ وفات ۱۱۰۹ھ لکھا [صفحہ ۲۲۳] جب کہ آپ ۱۱۲۰ھ میں وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور ۱۱۴۹ھ میں وہاں وفات پائی۔ [۶۸]

❁ شارح ترمذی حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی کا سنہ وفات ۸۰۶ھ [۶۹] یا ۸۱۹ھ [۷۰] کی بجائے ۸۴۰ھ بتا دیا۔ [صفحہ ۲۲۴]

❁ "التعلیقات علی الترمذی" کے مؤلف احمد بن محمد شاکر کا لقب "حافظ" لکھا [صفحہ ۲۲۴] جب کہ آپ کے القاب "شمس الدین" اور "ابوالاشبال" ہیں۔ [۷۱]

❁ مولانا محمد حسن فرنگی محلی کے تذکرہ میں ہے کہ آپ رام پور کے مدرسہ عالیہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے، بعد میں مولانا عبدالعلی فرنگی محلی اسی عہدہ پر فائز ہوئے [صفحہ ۲۳۲] راقم الحروف نے ان دونوں علماء کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اسے برعکس پایا، یعنی مولانا عبدالعلی فرنگی محلی مذکورہ مدرسہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے اور جب ۱۱۹۳ھ میں آپ رام پور سے

بہار آ گئے[صفحہ ۱۴۷] تو بعد میں مولانا محمد حسن فرنگی محلی اسی عہدہ پر فائز ہوئے تا آں کہ رام پور میں ہی وفات پائی۔

۞ قاضی محمد مبارک گوپاموی (متوفی ۱۱۶۲ھ یا ۱۱۶۴ھ) کو ایک ہی گھرانہ کی تین نسلوں کے شاگرد قرار دیا[صفحہ ۲۳۸-۲۴۰]، نام یہ ہیں:

قاضی شہاب الدین بن محمد حسین گوپاموی (متوفی ۱۱۲۰ھ تقریباً)

قاضی قطب الدین بن شہاب الدین بن محمد حسین گوپاموی (متوفی ۱۱۶۰ھ)

ملا محمد صالح بن قطب الدین بن شہاب الدین بن محمد حسین گوپاموی

لیکن یہ درست نہیں، قاضی مبارک نے بے شک اول الذکر دونوں باپ بیٹا سے تعلیم پائی[۷۲] جب کہ ملا محمد صالح گوپاموی نام کے اس گھرانہ کے کسی عالم کا نام نہیں ملتا بلکہ اس کی تیسری نسل میں وہاج الدین بن قطب الدین بن شہاب الدین بن محمد حسین گوپاموی نام کے جید عالم تھے[۷۳] لیکن وہ قاضی مبارک کے استاد نہیں تھے۔ حقیقت یوں ہے کہ قاضی مبارک گوپاموی کے ایک استاد ملا محمد صالح بنگالی نام کے ضرور تھے[۷۴] جن کا اس گھرانہ سے کوئی نسبی تعلق نہیں، وہ قاضی قطب الدین گوپاموی کے بیٹے نہیں جیسا کہ اختر راہی نے سمجھا[صفحہ ۲۴۰] بلکہ ان کے قابل فخر استاد تھے۔[۷۵]

۞ مولانا الہ داد جونپوری کا سنہ وصال ۹۶۲ھ لکھا[صفحہ ۲۴۲] جب کہ آپ نے ۹۳۲ھ[۷۶] یا ۹۲۳ھ[۷۷] میں وفات پائی، آخر الذکر سال درست معلوم ہوتا ہے۔

۞ امام مسلم کے تذکرہ میں ''الافراد'' اور ''الوحدان'' کو ان کی دو الگ الگ تصنیفات قرار دیا[صفحہ ۲۴۸] جب کہ یہ ایک ہی کتاب ہے، جو ۱۳۲۳ھ میں آگرہ سے شائع ہوئی اور اس کا تازہ ایڈیشن ادارۃ القرآن کراچی نے شائع کر رکھا ہے۔[۷۸]

۞ شارح صحیح مسلم ابوعبد اللہ محمد بن علی مازری کا سال وفات ۵۳۹ھ لکھا [صفحہ ۲۴۹] جب کہ آپ کی وفات ۵۳۶ھ میں ہوئی۔[۷۹]

۞ صحیح مسلم کے ایک اور شارح ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود زواوی کی وفات کا سال ۷۴۴ھ قرار دیا[صفحہ ۲۴۹] جب کہ آپ نے ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔[۸۰]

۞ سنن ابن ماجہ کی شروح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا، ''نور مصباح الزجاجۃ'' علی بن سلیمان مالکی[صفحہ ۳۲]، دوسرے مقام پر سنن ابوداؤد کی شروح میں ایک شرح کا یوں ذکر

Scanned with CamScanner

کیا،"مرقاۃ الصعود" جلال السیوطی، اس کی تلخیص علامہ دمتی نے کی ہے[صفحہ ۳۹]، تیسری جگہ صحیح مسلم کی شروح میں بتایا،"وشی الدیباج" سیوطی کی شرح کی تلخیص ہے، جو علامہ بجموعی (متوفی ۱۲۹۸ھ) نے کی۔[صفحہ ۲۴۹]

مندرجہ بالا اقتباسات، بلکہ اصل کتاب میں ان کے سیاق وسباق کے مطالعہ کے بعد بھی قاری پر یہ بات کسی طور واضح نہیں ہوتی کہ ان میں علی بن سلیمان مالکی، علامہ دمتی، علامہ بجموعی کے ناموں سے جو کچھ لکھا گیا، یہ ایک ہی شخصیت ہے یا تین۔ شاید اختر راہی صاحب خود بھی آگاہ نہ تھے، تبھی تو ہر مقام پر ان کا نام الگ الگ صورت میں درج کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی شخصیت کا ذکر ہے، جن کا مکمل نام یہ ہے، شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان دمناتی بجموعی مالکی مراکشی شاذلی۔ بعض نے دمتی بوجمعاوی لکھا، وہ بھی درست ہے، اور آپ نے ۱۲۹۸ھ میں نہیں ۱۳۰۶ھ میں وفات پائی، نیز آپ کی علم حدیث پر مذکورہ بالا تینوں کتب مطبوع ہیں۔[۸۱]

۞ شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ میں ان کی تصنیفات کی فہرست میں ایک کتاب کا نام"مسلسلات" بتایا گیا[صفحہ ۲۶۵] لیکن اس نام کی آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی تھی۔ "مسلسلات" کا لفظ محدثین اور علم حدیث کے طلبہ کے ہاں ایک اصطلاح ہے، وہ کتب جن میں سلسلۂ روایت حدیث وغیرہ علوم بیان کیے گئے ہوں، ان کتب کو"مسلسلات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لہٰذا جہاں کہیں بھی اہل علم نے"مسلسلات شاہ ولی اللہ دھلوی" لکھا[۸۲] اس سے مراد شاہ ولی اللہ کی وہ تصنیفات ہیں، جن میں آپ کا سلسلہ روایت درج ہے۔ مثلاً"اربعون حدیثا، الدر الثمین، النوادر، الفضل المبین" وغیرہ، ان دنوں یہ چاروں کتب میر محمد کتب خانہ کراچی نے یک جا شائع کر رکھی ہیں اور اختر راہی نے اپنے مقام پر ان سب کا ذکر الگ سے کیا ہے۔

۞ فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب"رد المحتار" کے مؤلف علامہ سید محمد امین بن عمر المعروف بہ ابن عابدین[۸۳] کے والد کا نام"عمرو" اور مذکورہ کتاب کا نام"رد المختار" قرار دیا، جو درست نہیں۔[صفحہ ۲۸۷]

۞ علامہ ابن عابدین کے تذکرہ میں"تکملہ رد محتار" کو آپ کی تالیف قرار دیا[صفحہ ۲۸۸]، جو غلط ہے۔ علامہ ابن عابدین نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب"در المختار" کی ضخیم شرح بنام"رد المحتار" لکھی تھی، جو"حاشیہ ابن عابدین" اور"حاشیہ شامی" کے

ناموں سے مشہور ومقبول ہوئی، لیکن آپ اسے مکمل نہیں کر پائے اور وفات پائی۔ بعدازاں آپ کے فرزند جلیل علامہ سید محمد علاء الدین عابدین (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے اس کا تکملہ بنام "قرة عيون الاخيار بتكملة رد المحتار على الدر المختار" لکھا، جو "تکمله رد محتار" کے مختصر نام سے مشہور ہے[۸۴] "رد المحتار" پہلی بار مطبع بولاق قاہرہ نے ۱۲۷۲ھ میں طبع کرنا شروع کی[۸۵] جب کہ "تکمله رد محتار" اسی مطبع نے ۱۲۹۹ھ میں طبع کی[۸۶] جس کے بعدان کی یکجا طباعت کا سلسلہ شروع ہوا، جو آج تک جاری ہے۔

۞ ابن مالک کے تذکرہ میں ان کی تصنیف "الكافية الشافعية" کو زرکلی کے حوالہ سے غیر مطبوعہ لکھ دیا[صفحہ۲۹۰] زرکلی کی کتاب کا متعلقہ مقام راقم کے پیش نظر ہے اور انہوں نے واضح طور پر اسے مطبوعہ بتایا ہے۔[۸۷]

۞ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی فقہ حنفی پر اہم عربی کتاب "جد الممتار على رد المحتار"[۸۸] کا نام "جد الممتاز حاشيه رد المختار" بنادیا۔[صفحہ۲۹۷]

۞ حسین آفندی الجسر کے معروف نام میں آفندی کا اضافہ[صفحہ۲۹۸] بے محل ہے، یہ عثمانی دور حکومت میں اعزاز کا عمومی لقب تھا، طبقۂ علماء یا کسی ایک شخص وخاندان کے لیے مختص نہیں۔

۞ شیخ حسین الجسر کے بارے لکھا کہ آپ طرابلس شام میں پیدا ہوئے[صفحہ۲۹۸] جب کہ "تذکرۂ مصنفین درس نظامی" کی تصنیف سے اب تک مذکورہ طرابلس ملک شام کی بجائے لبنان میں شامل ہے۔

۞ عبداللہ بن عمر دبوسی کے تذکرہ میں لکھا کہ

"آپ کی حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں"۔۔۔

اس عبارت کے بعد دبوسی کی تین کتب کے نام دیے[صفحہ۳۰۲] جب کہ آپ کی چوتھی کتاب "الامد الاقصى" کا نہ صرف نام ملتا ہے[۸۹] بلکہ پبلک لائبریری رباط مراکش کے ذخیرہ کتانی میں اس کا قلمی نسخہ بھی محفوظ ہے۔[۹۰]

۞ علی الجارم کے تذکرہ میں کتاب "قصة العرب فى اسبانيا" کے نام میں سے ایک تو لفظ قصہ حذف کر دیا، دوسرا اس کتاب کو خود علی الجارم کی تالیف بتایا[صفحہ۳۰۶] جب کہ یہ سٹینلے لین پول کی تصنیف کا عربی ترجمہ ہے۔[۹۱]

۞ علی الجارم کی ایک تالیف "مراح العربية" بتائی[صفحہ۳۰۶] جب کہ اس کا

درست نام "مروح الولید" ہے، جو مطبوع اور ولید بن یزید اموی کے احوال پر مبنی ہے۔[۹۲]

قصیدہ بردہ کے ناظم امام بوصیری کے تذکرہ میں لکھا کہ آپ فسطاط میں دفنائے گئے [صفحہ ۳۱۳] جب کہ آپ کی قبر اسکندریہ میں واقع ہے[۹۳] اور فسطاط، قاہرہ شہر کا قدیم نام ہے۔

حوالہ جات و حواشی

[۱] نزھة الخواطر وبھجة المسامع و النواظر، حکیم سید عبدالحی ندوی، طبع اول ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، دار ابن حزم بیروت، صفحہ ۵۶۳

[۲] معجم الاعلام، بسام عبدالوہاب جابی، طبع اول ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، الجفان و الجابی پبلشرز قبرص، صفحہ ۹۹۰

[۳] الاعلام، خیرالدین زرکلی، طبع ششم ۱۹۸۴ء، دار العلم للملایین بیروت، جلد ۷، صفحہ ۱۷۸/ حدائق الحنفیة، مولوی فقیر محمد جہلمی، تحقیق خورشید احمد خان، طبع چہارم، مکتبہ حسن سہیل لاہور، صفحہ ۲۴۶/ الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، تحقیق احمد زعبی، طبع اول ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، شرکة دار الارقم بیروت، صفحہ ۳۴۳-۳۴۵/ مفید المفتی المعروف بہ فقہ اسلامی، مولانا عبدالاول جونپوری، طبع دوم ۱۴۰۱ھ، مکتبہ غوثیہ ملتان، صفحہ ۱۲۰

[۴] معجم المطبوعات العربیة و المعربة، یوسف الیان سرکیس، سنہ اشاعت درج نہیں، طبع جدید، دار صادر بیروت، جلد ۱، صفحہ ۱۷/ معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، طبع اول ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء، مؤسسة الرسالة بیروت، جلد ۲، صفحہ ۳۶۶/ الاعلام، جلد ۴، صفحہ ۲۱۱

[۵] تراجم اعیان المدینة المنورة، گم نام مؤلف، تحقیق پروفیسر ڈاکٹر محمد تونجی، طبع اول ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء، دار الشروق جدہ، صفحہ ۲۰/ الاعلام، جلد ۶، صفحہ ۲۵۳/ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر، سید محمد خلیل مرادی نقشبندی، تحقیق اکرم حسن علی، طبع اول ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، دار صادر بیروت، جلد ۴، صفحہ ۷۹-۸۰/ معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد ۱، صفحہ ۲۳۲، ۱۰۵۶-۱۰۵۷/ معجم المؤلفین، جلد ۳، صفحہ ۳۶۸/ نزھة الخواطر، صفحہ ۶۸۵

[۶] تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، فارسی سے اردو ترجمہ و تحقیق پروفیسر محمد ایوب قادری، طبع اول ۱۹۶۱ء، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، صفحہ ۳۱۰/ فہرست کتب،

۲۰۰۴ء، قدیمی کتب خانہ کراچی، صفحہ ۱/ الاعلام، جلد ۴، صفحہ ۳۳/ نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۰۲۴

[۷] معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۹۱

[۸] الاعلام، جلد ۱، صفحہ ۱۷ [۹] الاعلام، جلد ۱، صفحہ ۱۷۵

[۱۰] الاعلام، جلد ۱، صفحہ ۱۰۸/ حدائق الحنفیۃ، صفحہ ۴۵۵/ معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۱۶۴/ معجم المؤلفین، جلد ۱، صفحہ ۱۴۵/ نزھۃ الخواطر، صفحہ ۶۹۱

[۱۱] المنجد، لویس بن نقولا معلوف، عربی سے اردو ترجمہ مولانا سعد حسن خان یوسفی وغیرہ، طبع ۱۹۷۵ء، دارالاشاعت کراچی، صفحہ ۵۸۴

[۱۲] المنجد، صفحہ ۶۶۱

[۱۳] الاعلام، جلد ۱، صفحہ ۲۴۶/ نزھۃ الخواطر، صفحہ ۹۰۳

[۱۴] معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، ڈاکٹر احمد خان، طبع اول ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، مکتبہ شاہ فہد ریاض، صفحہ ۲۲۷

[۱۵] ایضاً، صفحہ ۲۲۸ [۱۶] معجم الاعلام، صفحہ ۹۹۲

[۱۷] الاعلام، جلد ۷، صفحہ ۱۷۸/ معجم الاعلام، صفحہ ۹۸۴

[۱۸] الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۳۳۳/ معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۶۲۳/ معجم المؤلفین، جلد ۳، صفحہ ۹۳

[۱۹] الاعلام، جلد ۲، صفحہ ۲۰۸

[۲۰] فہرست کتب، ۲۰۰۳ء، میر محمد کتب خانہ کراچی، صفحہ ۱۷/ فہرست کتب قدیمی کتب خانہ، صفحہ ۲۷

[۲۱] معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم المکی الشریف، عبداللہ بن عبدالرحمٰن معلمی، طبع اول ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء، مکتبہ شاہ فہد ریاض، صفحہ ۳۳۴/ الاعلام، جلد ۲، صفحہ ۲۰۸

[۲۲] التعلیقات السنیۃ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، اسی مصنف کی دوسری کتاب "الفوائد البھیۃ" کے حاشیہ پر طبع ہوئی، صفحہ ۱۰۱

[۲۳] طرب الاماثل بتراجم الافاضل، مولانا عبدالحی فرنگی، "الفوائد البھیۃ" کے آخر میں مطبوع ہے، صفحہ ۴۶۶-۴۶۹

[۲۴] معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، صفحہ ۳۳۴-۳۳۶

[۲۵] الاعلام، جلد۶، حاشیہ صفحہ۳۳

[۲۶] الاعلام، جلد۶، حاشیہ صفحہ۳۳/ التعلیقات السنیة، صفحہ۱۵۴-۱۵۵/ معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد۱، صفحہ۸۹۱-۸۹۲

[۲۷] معجم المؤلفین، جلد۱، صفحہ۶۴۵

[۲۸] معجم المطبوعات العربیة فی شبه القارة الهندیة الباکستانیة، صفحہ۱۳۷

[۲۹] معجم المطبوعات العربیة فی شبه القارة الهندیة الباکستانیة، صفحہ۲۸۹/ معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد۱، صفحہ۱۴۸۶

[۳۰] الاعلام، جلد۲، صفحہ۲۶۰/ معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم، صفحہ۴۸۲

[۳۱] الاعلام، جلد۲، صفحہ۲۴۲/ حدائق الحنفیة، صفحہ۳۸۲، ۳۸۹

[۳۲] الاعلام، جلد۷، صفحہ۴۰-۴۱/ حدائق الحنفیة، صفحہ۳۲۱/ الفوائد البهیة، صفحہ۳۱۵

[۳۳] معجم المطبوعات العربیة فی شبه القارة الهندیة الباکستانیة، صفحہ۱۹۱، ۲۰۹

[۳۴] فهرس مخطوطات مکتبة مکة المکرمة، پروفیسر ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان وغیرہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، مکتبہ شاہ فہد ریاض، صفحہ۸۸

[۳۵] الاعلام، جلد۲، صفحہ۱۷۹-۱۸۰/ جلد۶، صفحہ۹۹

[۳۶] معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد۱، صفحہ۶۸۱/ معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۲۰۱-۲۰۲

[۳۷] الاعلام، جلد۴، صفحہ۴۸-۴۹

[۳۸] معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد۲، صفحہ۱۸۵۲-۱۸۵۳

[۳۹] الفوائد البهیة، صفحہ۱۷۳/ معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۲۲۸

[۴۰] الاعلام، جلد۳، صفحہ۶۴/ حدائق الحنفیة، صفحہ۴۳۶

[۴۱] الاعلام، جلد۳، صفحہ۶۴، جلد۴، صفحہ۴۱/ معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۱۹۱

[۴۲] مفید المفتی، صفحہ۲۰۷-۲۰۹

[۴۳] الاعلام، جلد۵، صفحہ۳۹/ حدائق الحنفیة، صفحہ۴۱۸/ طرب الاماثل، صفحہ۵۱۰/ مفید المفتی، صفحہ۱۳۳، ۲۰۹، ۲۳۷

[۴۴] معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۱۳۶/ مفید المفتی، صفحہ۲۰۹

[۴۵] الاعلام، جلد۷، صفحہ۲۳۴/معجم المؤلفین، جلد۳، صفحہ۸۶۶

[۴۶] الاعلام، جلد۴، صفحہ۸۰

[۴۷] طرب الاماثل، صفحہ۵۰۸-۵۰۹

[۴۸] نزھۃ الخواطر، صفحہ۴۳۱

[۴۹] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۴۷۳ [۵۰] نزھۃ الخواطر، صفحہ۳۲۹

[۵۱] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۵۸۳/نزھۃ الخواطر، صفحہ۴۱۶

[۵۲] الاعلام، جلد۴، صفحہ۳۰

[۵۳] معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد۲، صفحہ۱۵۳۳/معجم المؤلفین، جلد۳، حاشیہ صفحہ۴۷۳

[۵۴] الاعلام، جلد۷، صفحہ۱۱/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، صفحہ۴۱۴

[۵۵] مفید المفتی، صفحہ۲۳۵ [۵۶] ایضاً

[۵۷] معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، صفحہ۳۵۳

[۵۸] مجمع الآداب فی معجم الالقاب، کمال الدین ابوالفضل عبدالرزاق بن احمد فوطی، تحقیق محمد کاظم، طبع ۱۴۱۶ھ، وزارت ثقافت طہران ایران، جلد۱، حاشیہ محقق صفحہ۴۱۱

[۵۹] نزھۃ الخواطر، صفحہ۱۹۶-۱۹۹

[۶۰] الاعلام، جلد۳، صفحہ۲۹۵، ۳۴۹/جلد۵، صفحہ۱۵۴

[۶۱] الاعلام، جلد۳، حاشیہ صفحہ۲۹۵/مجمع الآداب، جلد۱، صفحہ۴۱۱-۴۱۲

[۶۲] الاعلام، جلد۲، صفحہ۲۹۴/معجم المؤلفین، جلد۱، صفحہ۶۶۷

[۶۳] الاعلام، جلد۷، صفحہ۳۸/التعلیقات السنیۃ، صفحہ۲۱۴

[۶۴] الاعلام، جلد۷، صفحہ۱۶۶/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد۱، صفحہ۴۲۷/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، صفحہ۱۵۴/معجم المؤلفین، جلد۳، صفحہ۸۰۱

[۶۵] الاعلام، جلد۴، صفحہ۳۱۵/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد۲، صفحہ۱۵۳۸/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، صفحہ۴۰۹/معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۴۸۱

[۶۶] نزھۃ الخواطر، صفحہ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۹۳

[۶۷] الاعلام، جلد۶، صفحہ۲۳۰/معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ

الھندیۃ الباکستانیۃ ،صفحہ۳۹۸/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ،جلد۱،صفحہ۱۷۴/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم،صفحہ۸۹/معجم المؤلفین،جلد۳،صفحہ۴۵۶

[۶۸] تراجم اعیان المدینۃ المنورۃ،صفحہ۷۸

[۶۹] الاعلام،جلد۳،صفحہ۳۴۴/معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ،صفحہ۳۰۷/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ،جلد۲،صفحہ۱۳۱۷/معجم المؤلفین،جلد۲،صفحہ۱۳۰

[۷۰] التعلیقات السنیۃ،صفحہ۳۶۴،۶۷-۳۶۵

[۷۱] الاعلام،جلد۱،صفحہ۲۵۳/معجم المؤلفین،جلد۱،صفحہ۲۸۴

[۷۲] نزھۃ الخواطر،صفحہ۷۳۲،۷۸۴،۷۹۲

[۷۳] نزھۃ الخواطر،صفحہ۸۶۷ [۷۴] نزھۃ الخواطر،صفحہ۸۲۴

[۷۵] ایضاً [۷۶] تذکرہ علمائے ہند،صفحہ۱۱۶

[۷۷] حدائق الحنفیۃ،صفحہ۳۸۹/نزھۃ الخواطر،صفحہ۳۱۲

[۷۸] آرڈر فارم برائے مطبوعات ادارۃ القرآن کراچی۲۰۰۳ء،صفحہ اول/الاعلام،جلد۷،صفحہ۲۲۱/معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ،صفحہ۴۲۷/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ،جلد۲،صفحہ۱۷۴۶

[۷۹] الاعلام،جلد۶،صفحہ۲۷۷/معجم المؤلفین،جلد۳،صفحہ۵۲۵

[۸۰] الاعلام،جلد۵،صفحہ۱۰۹/معجم المؤلفین،جلد۲،صفحہ۵۹۸

[۸۱] فھرس الفھارس و الاثبات ،سید عبدالحی بن عبدالکبیر کتانی،تحقیق ڈاکٹر احسان عباس،طبع دوم۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء،دارالغرب الاسلامی بیروت،جلد۱،صفحہ۱۷۶/الاعلام،جلد۴،صفحہ۲۹۲/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ،جلد۱،صفحہ۵۲۷/معجم المؤلفین،جلد۲،صفحہ۴۴۷

[۸۲] فھرس الفھارس و الاثبات،جلد۲،صفحہ۶۶۲

[۸۳] الاعلام،جلد۶،صفحہ۴۲/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ،جلد۱،صفحہ۱۵۰/معجم المؤلفین،جلد۳،صفحہ۱۴۵/مفید المفتی،صفحہ۱۴۱،۱۸۷

[۸۴] الاعلام،جلد۶،صفحہ۲۷۰/مفید المفتی،صفحہ۱۸۷

[۸۵] معجم المطبوعات العربية و المعربة، جلدا،صفحہ۱۵۲

[۸۶] معجم المطبوعات العربية و المعربة، جلدا،صفحہ۱۵۵

[۸۷] الاعلام،جلد۶،صفحہ۲۳۳

[۸۸] مـــراۃ الـتـصـانيـــف،مولانا حافظ محمد عبدالستار قادری چشتی،جلداول،طبع اول۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء،مکتبہ قادریہ لاہور،صفحہ۶۲

[۸۹] مـعـجـم الـمـطـبـوعات العربية و المعربة، ،جلدا،صفحہ۸۶۶/مـعـجـم المؤلفين،جلد۲،صفحہ۲۶۶

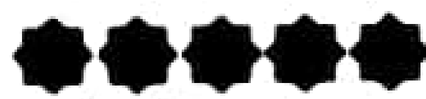
[۹۰] الاعلام،جلد۴،صفحہ۱۰۹

[۹۱] الاعلام،جلد۴،صفحہ۲۹۴

[۹۲] ایضاً

[۹۳] الاعلام،جلد۶،صفحہ۱۳۹

[جاری ہے]



تعزیت

گزشتہ دنوں وابستگان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

مولانا قاری جان محمد نوری،منڈی احمد آباد کی والدہ محترمہ---

مولانا حکیم صابر علی وٹو نوری،لاہور کے جواں سال صاحب زادے الیکٹرک شاک کی وجہ سے---

مولانا سید احمد نوری،دہاڑی اور مولانا محمد حسن نوری،بصیر پور شریف کی بھانجی---

حضرت مولانا مفتی غلام نبی فخری،دارالعلوم جامعہ حامدیہ رضویہ کراچی کے بھائی جان---

مولانا حاجی نذیر احمد نوری،عارف والا کے بہنوئی---

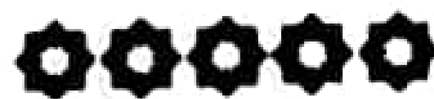
مولانا عبدالرحمٰن جامی،بصیر پور---اور

محمد رفیق نوری،چک وجھلانہ کی ہمشیر صاحبہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



دوسری و آخری قسط

"تذکرۂ مصنفین درس نظامی" پر ایک نظر

تجزیہ نگار: پروفیسر محمد اورنگ زیب بلوچ

متضاد عبارات

پروفیسر اختر راہی صاحب کی اس کتاب میں متعدد عبارات ایک دوسری کی ضد و مخالف ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- صفی الدین ردولوی کا سنہ وفات ایک مقام پر ۱۴۱۶ء [صفحہ ۱۹] اور دوسری جگہ ۱۴۱۷ء لکھا۔ [صفحہ ۱۱۷]
- فخر الدین زرادی کا سنہ وفات ۱۳۲۶ء [صفحہ ۱۹] پھر ۲۸-۱۳۲۷ء بیان کیا۔ [صفحہ ۱۸۶]
- عبدالحق خیر آبادی کا سنہ وفات ایک جگہ ۱۹۰۰ء [صفحہ ۱۹] اور آئندہ صفحات پر ۱۸۹۹ء درج کیا۔ [صفحہ ۱۲۰]
- اثیر الدین ابہری کے سنہ وفات ۶۴۵ھ/۱۲۴۴ء کے بارے میں ایک مقام پر لکھا کہ درست نہیں [صفحہ ۴۱]، دوسری جگہ خود ہی اسے قبول کرلیا۔ [صفحہ ۲۰]

- فضل امام خیر آبادی کا سنہ وفات ایک جگہ ۱۸۲۹ء لکھا [صفحہ ۲۰] پھر ۱۸۲۸ء لکھ دیا۔ [صفحہ ۱۹۲]
- سعد الدین تفتازانی کا سنہ وفات چار مقام پر ۱۳۸۹ء لکھا [صفحہ ۲۰-۲۱] آگے چل کر ۱۳۹۰ء میں بدل دیا۔ [صفحہ ۱۰۳]
- صدر الدین شیرازی کا سنہ وفات پہلے ۱۰۵۰ھ/ ۴۱-۱۶۴۰ء قرار دیا [صفحہ ۲۰]، پھر ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۰ء اپنا لیا۔ [صفحہ ۲۱۶]
- موسیٰ پاشا رومی کے تذکرہ میں ایک جگہ ۸۲۳ھ کو ۱۴۱۹ء کے مساوی قرار دیا [صفحہ ۲۱] پھر دوسرے مقام پر اسے ۱۴۲۰ء میں بدل دیا۔ [صفحہ ۲۵۱]
- احمد بن موسیٰ خیالی کا سنہ وفات ایک جگہ ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵ء [صفحہ ۲۲] دوسرے مقام پر ۸۶۲ھ/ ۱۴۵۸ء لکھا۔ [صفحہ ۶۵]
- جار اللہ زمخشری کی وفات ۵۳۸ھ/ ۱۳۷۷ء بتائی [صفحہ ۲۲] پھر خود ہی ۵۲۸ھ/ ۱۱۳۴ء قرار دی۔ [صفحہ ۸۱]
- امام ابوداؤد کا سنہ وصال ۸۸۸ء بتایا [صفحہ ۲۲] دوسرے مقام پر ۸۸۹ء میں بدل دیا۔ [صفحہ ۳۸]
- امام نسائی کا سنہ وفات پہلے ۳۰۲ھ/ ۱۵-۹۱۴ء لکھا [صفحہ ۲۲] پھر آگے چل کر ۱۳ر صفر ۳۰۲ھ/ ۲۸ر اگست ۹۱۵ء درج کیا۔ [صفحہ ۴۶]
- امام ابن ماجہ کا سنہ وفات ایک جگہ ۲۷۳ھ/ ۸۸۶ء لکھا [صفحہ ۲۲]، دوسرے مقام پر ۲۲ر رمضان المبارک ۲۷۳ھ/ ۱۸ر فروری ۸۸۷ء بتایا۔ [صفحہ ۳۱]
- محمد احسن نانوتوی کا سنہ وفات پہلے ۱۸۹۴ء [صفحہ ۲۲] اور پھر ۱۸۹۵ء بتایا۔ [صفحہ ۲۲۶]
- اعزاز علی دیوبندی کا سنہ وفات ۱۹۵۴ء [صفحہ ۲۳] اور پھر ۱۹۵۵ء بتایا۔ [صفحہ ۱۷]
- قاسم بن علی حریری کا سنہ وفات ایک جگہ ۱۱۲۳ء [صفحہ ۲۳] دوسرے مقام پر ۱۱۲۲ء لکھا۔ [صفحہ ۲۰۴]
- شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی مدنی کا سنہ وصال پہلے ۱۲۹۵ھ [صفحہ ۳۲] پھر ۱۲۹۶ھ لکھا۔ [صفحہ ۲۲۵]
- ''اعتراضات علی نفحة الیمن'' کے مصنف رضا حسن خان کاکوروی کا

نام اسی صفحہ پر دو سطور بعد حسن رضا خان کا کوروی لکھ دیا۔[صفحہ ۶۴]

"شروح کنز الدقائق" کے زیر عنوان عزالدین یوسف بن محمود رازی ظہرانی کی "کشف الحقائق" کا نام لیے بغیر اسے شرح کنزالدقائق قرار دیا، پھر اگلی ہی سطر میں اسے زیلعی کی شرح کا اختصار بتایا۔[صفحہ ۱۵۹]

سلطان محمد بن تغلق کو ایک مقام پر روشن خیال حکمران لکھا[صفحہ ۱۶۸] دوسری جگہ ان کے ظالمانہ رویہ اور جذبۂ انتقام کی داستان بیان کر دی۔[صفحہ ۱۸۷۔۱۸۸]

مولانا احمد علی سہارنپوری کا سنہ وفات ۱۲۹۸ھ[صفحہ ۲۲۱] اور پھر چند صفحات بعد ۱۲۹۷ھ لکھا۔[صفحہ ۲۲۵]

کتاب کی ترتیب

یہاں یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ کوئی بھی قلم کار تصنیف و تالیف کے عمل میں کلی طور پر آزاد اور خود مختار ہوتا ہے کہ وہ اپنی تحریر کے ذریعے پیش کردہ مواد کی ترتیب جس طرح سے چاہے طے کرے، لیکن جب کوئی ترتیب طے کر لی تو قلم کار پر اس کی پابندی لازمی ہوگئی، اگر وہ دوران تالیف مقررہ ترتیب پر آغاز سے اختتام تک عمل کرے گا تو کتاب کے ظاہری محاسن میں نہ صرف اضافہ ہوگا بلکہ قاری کو تفہیم میں بھی بھرپور مدد ملے گی، اس کے برعکس کسی مقام پر ترتیب کا التزام اور دوسرے مقام پر اسے ترک کرنے پر کتاب کے ظاہری محاسن ماند پڑیں گے، قاری کے الجھنے نیز تحقیقی معیار کی پستی اور عجلت پسندی کے عیوب نمایاں ہوں گے اور تمام تر حقائق پیش کرنے کے باوصف فقط ترتیب کے عمل کو نظر انداز کرنے کے باعث وہی کتاب الفاظ و معلومات کا غیر منظم ذخیرہ بن کر رہ جائے گی۔ اب آئندہ سطور میں دیکھتے ہیں کہ "تذکرۂ مصنفین درس نظامی" کے محترم مصنف نے جو ترتیب خود طے کی، کتاب کے آغاز سے انجام تک اس پر کس قدر عمل کیا۔

"درس نظامی" کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت موضوع وار ان کتب کے نام دیے گئے، جو آج کل مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس میں ترتیب یہ رکھی کہ پہلے کتاب کا موضوع، پھر کتاب اور اس کے مصنف کا نام اور سنہ وفات ہجری و عیسوی درج کیا[صفحہ ۱۹-۲۳] لیکن جب "شرح مائۃ عامل" کا ذکر کیا تو فقط کتاب کا نام لکھا اور اپنی ہی طے کردہ ترتیب کو ترک کرتے ہوئے اس کے مصنف حسین بن عبداللہ توقاتی (متوفی ۹۲۶ھ/ ۱۵۱۹ء) کا نام و سنہ وفات نہیں دیا[صفحہ ۱۹] جب کہ اگلی ہی سطر میں اپنی ترتیب پھر سے اپنالی۔

۞ مذکورہ فہرست کتب درس نظامی میں حسب ذیل چھ شخصیات یا ان کی درس نظامی میں شامل کتب کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا جب کہ ان سب کے حالات آئندہ صفحات میں اپنے مقام پر دیے گئے ہیں۔ احمد طحاوی، عبدالحکیم سیالکوٹی، عبدالعلی محمد بحرالعلوم، عضدالدین ایجی، میر محمد باقر داماد، میزان الصرف کے گمنام مؤلف۔

۞ امام ابن ماجہ کے حالات میں "شروح سنن ابن ماجه" کا ذیلی عنوان لگا کر اس کے تحت تیرہ شروح وحواشی اور تعلیقات کے بارے میں عمومی معلومات پیش کیں۔ اس میں جلال الدین سیوطی کی "مصباح الزجاجه" اور شیخ علی بن سلیمان مالکی کی "نور مصباح الزجاجه" کا الگ الگ ذکر کیا، پھر ساتھ ہی وضاحت کردی کہ ان میں سے ثانی الذکر پہلی کی تلخیص ہے [صفحہ ۳۲] جب کہ مذکورہ بالا عنوان کی رو سے یہاں اس تلخیص کا ذکر ہی بے محل ہے اور اگر قارئین کو زیادہ معلومات فراہم کرنا مقصود تھا تو اس تلخیص کا ذکر علامہ سیوطی کی شرح کے ضمن میں ہی کیا جانا اس کا اصل مقام تھا، الگ سے نہیں۔

۞ شروح سنن ابن ماجہ کا تعارف دیتے ہوئے ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا اور ان میں سے بعض شارحین کے سنین وفات درج نہیں کیے، جب کہ ان میں سے اکثر انہی کتب میں موجود ہیں جن سے اختر راہی نے دوران تصنیف استفادہ کیا۔ تین نام یہ ہیں:

فخر الحسن گنگوہی (متوفی ۱۳۱۵ھ)[۹۴]، امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)[۹۵] اور شیخ محمد فواد عبدالباقی (متوفی ۱۳۸۸ھ)۔[۹۶]

۞ ایک اچھی ترتیب یہ رکھی کہ جہاں بھی کسی کتاب کے بارے میں کوئی بات خلاف حقیقت تھی، اس اختلاف یا حقیقت کو حسب موقع بیان کردیا۔ مثلاً ابن حجر عسقلانی کی ایک تصنیف "المنبهات" معروف ومتداول کتاب ہے، دوسری "غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبد القادر" نام کی ہے، جو ۱۹۰۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی [۹۷] ان دونوں کا آپ کی تصنیف ہونے میں اختلاف ہے، چنانچہ ابن حجر کے تذکرہ میں ان کی دیگر مشہور تصنیفات کا ذکر کرنے کے ساتھ ان دونوں کے نام درج کیے لیکن ساتھ ہی قارئین پر واضح کیا کہ یہ کتب ابن حجر عسقلانی سے منسوب ہوگئی ہیں جو اہل تحقیق کی نگاہ میں ان کی کاوش قرار نہیں دی جاسکتیں [صفحہ ۳۰] یوں ہی عبداللہ بن عمر بیضاوی کے تذکرہ میں ایک کتاب "نظام التواریخ" جو ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔ اس کے بارے میں تحقیق پیش کی کہ یہ ان بیضاوی کی تصنیف نہیں [صفحہ ۱۶۴-۱۶۵]

اسی طرح فضل امام خیر آبادی کے تذکرہ میں ''آمد نامہ'' جو ''صفوۃ المصادر'' کے نام سے بھی مشہور ہے، اس کے بارے میں ہمہ گیر غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ یہ آپ کی بجائے مصطفیٰ خان ولد حاجی روشن خان مالک مصطفائی پریس کانپور کی تصنیف ہے اور یہ کہ مولانا فضل امام کا ''آمد نامہ'' الگ کتاب ہے، جو مکمل صورت میں تاحال شائع نہیں ہوئی [صفحہ ۱۹۳-۱۹۴] اور امام ابوداؤد کے تذکرہ میں سنن کی شرح ''عون المعبود'' جو محمد اشرف ڈیانوی کے نام سے شائع ہوئی [۹۸] اس کے بارے میں حقیقت واضح کی کہ یہ ان کے بھائی شمس الحق ڈیانوی کی تالیف ہے۔ [صفحہ ۳۹]

لیکن پروفیسر صاحب نے اس ترتیب کو کتاب کے آخری صفحات تک جاری نہیں رکھا اور بعض کتب کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں محاکمہ و تجزیہ پیش نہیں کیا، جو اسی نوعیت کی تھیں۔ مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی کے تذکرہ میں ان کی تالیف ''نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'' کا ذکر کیا [صفحہ ۲۹] لیکن اس کتاب کے نام کے بارے میں جو ہمہ گیر غلط فہمی تھی اسے رفع نہیں کیا بلکہ اسے مزید فروغ دیا۔ یہ درست ہے کہ علامہ ابن حجر کی ایک تالیف مذکورہ نام سے ایک صدی قبل دہلی و لکھنؤ سے بارہا شائع ہوئی [۹۹] لیکن محققین نے انہی ایام میں واضح کر دیا تھا کہ ابن حجر کی اس نام سے کوئی کتاب نہیں۔ اس مطبوعہ کتاب کا اصل نام ''الدرایۃ فی منتخب تخریج احادیث الھدایۃ'' ہے، جو جمال الدین زیلعی کی ''نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'' کی تلخیص ہے۔ چنانچہ یوسف سرکیس (متوفی ۱۳۵۱ھ) اس کا اصل نام لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مطبوعہ ایڈیشن پر کتاب کا نام غلط ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمہ میں خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی تلخیص امام زیلعی کی کتاب ''تخریج احادیث الھدایۃ'' سے ۸۲۷ھ میں تیار کی [۱۰۰] اور مولانا عبدالاول جونپوری (متوفی ۱۳۳۹ھ) نے ''مفید المفتی'' میں لکھا کہ ''نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ'' جمال الدین زیلعی کی تصنیف ہے۔ احمد بن حجر عسقلانی نے ''نصب الرایۃ'' کی تلخیص تیار کر کے ''الدرایۃ فی احادیث الھدایۃ'' نام رکھا [۱۰۱] جب کہ ''نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ'' جو زیلعی کی تصنیف ہے، یہ کتاب لکھنؤ میں بہت عمدہ اہتمام سے چھپ گئی ہے [۱۰۲] مولانا عبدالحی فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے ''الفوائد البھیۃ'' میں واضح کیا کہ ''نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ'' جمال الدین زیلعی کی تصنیف ہے، جس کا اختصار احمد بن حجر عسقلانی نے ''الدرایۃ فی احادیث الھدایۃ'' کے نام سے کیا۔ [۱۰۳]

عجیب یہ کہ اختر راہی نے صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی کے تذکرہ میں "نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة" کو امام زیلعی ہی کی تصنیف لکھا [صفحہ ۷۶]، جس سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں اس نام کی ایک ہی موضوع پر دو کتب ہیں، ایک زیلعی کی اور دوسری عسقلانی کی، لیکن یہ درست نہیں۔ یاد رہے کہ "مفید المفتی" اور "الفوائد البهیة" دونوں ان کے پیش نظر تھیں۔

امام بخاری کے تذکرہ میں شروح صحیح بخاری کا ذکر کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی "عون الباری" [صفحہ ۲۲۰] اور امام مسلم کے حالات میں شروح صحیح مسلم کا تعارف دیتے ہوئے انہی نواب صاحب کی "السراج الوهاج" کے نام درج کیے [صفحہ ۲۵۰] اور یہاں قارئین کو یہ نہیں بتایا کہ ان کتب کے بھوپالی کی تصانیف ہونے میں کلام ہے۔

نواب صدیق حسن خان ایک علم دوست اور اپنی مخصوص فکر کی اشاعت و ترویج میں انتہائی فعال شخصیت تھے اور بے شک انہوں نے اپنے مالی وسائل سے خوب کام لیا لیکن ان کے جید عالم دین اور عربی زبان کے عظیم ماہر ہونے میں اختلاف ہے۔ آپ خطہ ہند سے فقط ایک بار حج کے لیے باہر نکلے اور ۱۲۸۵ھ میں بھوپال سے شمالی یمن کے شہر حدیدہ پہنچے، وہاں تقریباً دو ماہ قیام کیا، جہاں مختلف اہل علم کی عربی تصانیف کے قلمی نسخے حاصل کیے، پھر حج ادا کر کے ۱۲۸۶ھ میں واپس وطن آ گئے [۱۰۴] اور دوبارہ کہیں جانے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن اب کہا جا رہا ہے کہ آپ جامعہ ازہر قاہرہ سے فارغ التحصیل تھے۔ [۱۰۵]

آپ نے ریاست میں عرب و عجم کے چند ہم خیال علماء تنخواہ پر ملازم رکھے ہوئے تھے، جو مختلف موضوعات پر کتب تصنیف کرتے، پھر یہ آپ کے نام سے شائع ہوتیں۔ علاوہ ازیں بعض متقدمین کی تصنیفات بھی نواب صاحب نے اپنے نام سے طبع کرائیں۔ کتابوں کے مشہور عرب تاجر شیخ امین بن حسن حلوانی مدنی (متوفی ۱۳۱۶ھ) جنہوں نے ہزاروں عربی مخطوطات یورپ لے جا کر فروخت کر ڈالے اور مسلمانوں کے اس علمی ورثہ کو اغیار کے سپرد کرنے پر آج تک معتوب و بدنام ہیں۔ وہ ہندوستان آئے تو نواب بھوپالی سے ملاقات و رابطہ ہوا پھر نواب صاحب نے ان سے مخطوطات کی خریداری کا سلسلہ جاری رکھا۔

ان کے ایک معاصر عالم مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس بھوپالی گروہ کے خلاف اردو و عربی میں متعدد کتب لکھیں جن میں ایک "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" ہے، جس کا تازہ

ایڈیشن شیخ صلاح محمد ابوالحاج کی تحقیق اور شیخ وہبی سلیمان غاوجی البانی دمشقی حنفی کی تقدیم کے ساتھ دارالفتح عمان اردن نے ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں شائع کیا اور خطہ نجد کے ایک قاضی شیخ حمد بن علی عتیق (متوفی ۱۳۰۱ھ) نے "رسالة الى صديق بن حسن خان ملک بهبال" لکھی جو ۱۳۸۳ھ میں شائع ہوئی، اس میں ان کی تفسیر میں موجود اغلاط پر تنبیہ کی گئی۔

"نزهة الخواطر" کے مصنف، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ حکیم سید عبدالحیٔ، جو فکری پہلو سے نواب صدیق حسن خان کے قریب اور ان کی خدمات کے معترف و مداح ہیں، انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ نواب صاحب کے حکم پر علماء نے کتب تصنیف کیں جن میں سے بعض ان کے فرزند نورالحسن بھوپالی کے نام سے شائع ہوئیں[۱۰۶] اور دورِ حاضر میں شمالی یمن کے ایک عالم اور صفِ اوّل کے مؤرخ قاضی اسماعیل بن علی اَکوَع رقم طراز ہیں کہ نواب بھوپالی نے حسین بن محمد سبعی یمنی، محمد بن اسماعیل امیر یمنی اور محمد علی شوکانی یمنی کی تصنیفات اپنے نام سے شائع کرائیں[۱۰۷] اور یمن کے ہی ایک مشہور محقق شیخ عبداللہ بن محمد حبشی مقیم ابوظہبی لکھتے ہیں کہ صدیق حسن خان بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی "التاج المكلل" مطبوعہ ہند ۱۲۹۹ھ، اصل میں شوکانی کی کتاب "البدر الطالع" ہے[۱۰۸] اس پس منظر میں اختر راہی کا مذکورہ بالا دو اہم کتب کو بلا تردد نواب بھوپالی کی تصانیف قرار دینا خود ان کی ترتیب کے منافی ہے۔

یہی صورت حال شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ میں ہے جہاں آپ کی فہرست تصانیف میں پانچ کتب "تاويل الاحاديث، همعات، عقد الجيد، التفهيمات الالهية، حجة الله البالغة" کے نام بھی دیے گئے لیکن ان کے بارے میں کوئی رائے پیش نہیں کی[صفحہ ۲۶۵] جب کہ حکیم محمود احمد برکاتی مقیم کراچی، جنہوں نے "تذکرۂ مصنفین درسِ نظامی" کے زیرِ نظر ایڈیشن میں اختر راہی کو مفید مشوروں سے نوازا[صفحہ ۲] یہی برکاتی صاحب ایک اور کتاب میں شاہ ولی اللہ کی اول الذکر تین کتب کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"شاہ صاحب کی کئی کتابوں "تاويل الاحاديث، همعات، عقد الجيد" وغیرہ میں حذف والحاق کیا گیا ہے"۔[۱۰۹]

ادھر شاہ ولی اللہ کے سوانح حیات پر اولین کتاب "القول الجلى" کے اردو مترجم مولانا حافظ تقی انور علوی نے آخر الذکر دو کتب کے متعلق یوں لکھا:

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف "تفهيمات الٰهية و حجة الله البالغة"

وغیرہ میں جو تحریفات والحاقات متعلق بہ عقائد کیے گئے اس کی نشان دہی تقریباً ایک صدی قبل ہی حضرت کے حفید سید ظہیر الدین احمد ولی اللٰہی نے کی تھی اور لوگوں کو اس فریب مسلسل سے آگاہ ومتنبہ کر دیا تھا۔ تصریح کے لیے ''انفاس العارفین'' مطبوعہ مطبع احمدی کا ''التماس ضروری'' پڑھیے''۔[۱۱۰]

اختر راہی نے شاہ ولی اللہ کی ان پانچوں کتب کا ذکر کرتے ہوئے خود اپنی ہی ترتیب کو یکسر ترک کر دیا۔

❁ صاحب ہدایہ کے تذکرہ میں ذیلی عنوان ''ہدایہ کی شرحیں'' قائم کر کے اس کے تحت نو شروح کا تعارف دیا۔ جن میں جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی کی ''نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة'' کا ذکر کیا[صفحہ ٦٧] ظاہر ہے یہ شروح میں شامل نہیں لہٰذا مذکورہ بالا عنوان کے تحت اس کا یہاں ذکر ہی بے محل ہے، جب کہ اس کے مؤلف کا نام متنازع ہے[۱۱۱]، اسے نظر انداز کر دیا۔

❁ ''تفسیر کشاف'' کے محشی وشارح علماء کے نام وسنہ وفات درج کیے [صفحہ ۸۲] ان میں ابوالحسن تاناشاہ حیدرآبادی [متوفی ۱۱۱۱ھ] کا سنہ وصال ترک کر دیا۔[۱۱۲]

❁ میر حسین میبذی کے تذکرہ میں ان کی تالیف ''شرح ہدایت الحکمت'' کے حاشیہ نگار علماء کے نام ذکر کرتے ہوئے [صفحہ ۹۴] مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی (متوفی ۱۳۴۳ھ) کا سنہ وفات نہیں دیا۔[۱۱۳]

❁ کتاب میں جن ۹۳ شخصیات کا تذکرہ ہے ان سب کے سنین وفات ہجری و عیسوی درج کرنے کا خاص اہتمام کیا، ان میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کا عیسوی سنہ وصال ۱۴۹۲ء درج نہیں کیا۔[صفحہ ۱۲۶]

❁ ''تفسیر جلالین'' پر حاشیہ لکھنے والے پانچ علماء کے نام دیے[صفحہ ۱۳۴] جن میں سے ایک مولانا محمد ریاست علی حنفی نقشبندی شاہ جہان پوری (متوفی ۱۳۴۹ھ) کا سنہ وفات ترک کر دیا۔[۱۱۴]

❁ شروح ''کنز الدقائق'' کا ذکر کرتے ہوئے ان میں سے بعض شارحین شیخ عمر بن ابراہیم المعروف بہ سراج الدین ابن نجیم (متوفی ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء)[۱۱۵]، ملا محمد مسکین معین الدین ہروی (متوفی ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء)[۱۱۶]، مولانا مصطفٰی بن سلیمان بالی زادہ (متوفی ۱۰۶۹ھ/

۱۶۵۸ء)[۱۱۷]، شیخ عز الدین یوسف بن محمود رازی ظہرانی (متوفی ۷۹۴ھ/۱۳۹۱ء)[۱۱۸] وغیرہ کے سنین وفات ترک کر دیے، جب کہ اکثر کے درج کیے[صفحہ ۱۵۸-۱۵۹] معلوم رہے کہ مذکورہ بالا علماء میں سے ثانی الذکر کی شرح ''کنز الدقائق'' کا قلمی نسخہ مکتبہ حرم مکی میں موجود ہے۔[۱۱۹]

۞ حواشی ''تفسیر بیضاوی'' کا ذکر کرتے ہوئے جن شخصیات کے نام دیے، ان میں قاضی نور اللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ) کا سنہ وفات ترک کر دیا[صفحہ ۱۶۳] جب کہ بآسانی دست یاب تھا۔[۱۲۰]

۞ ''شرح وقایہ'' کے محشی یوسف بن جنید توقاتی المعروف بہ اخی چلپی (متوفی ۹۰۲ھ یا ۹۰۵ھ) کا سنہ وفات[۱۲۱] ترک کیا۔[صفحہ ۱۶۷]

۞ ''عقائد نسفی'' کے محشی و شارحین کا ذکر کرتے ہوئے[صفحہ ۱۷۶] ان میں خلاف ترتیب ''حاشیہ بہشتی'' کے مؤلف شیخ رمضان علی بن عبد المحسن بہشتی (متوفی ۹۷۹ھ) کا سنہ وفات، نیز ان کے والد کا نام[۱۲۲] درج نہیں کیا۔

۞ کتاب میں جن شخصیات کا مفصل تذکرہ ہے، ان کے حالات میں ایک ترتیب یہ رکھی کہ ہر ایک کے والد کا نام اپنے مقام پر درج کیا لیکن چند کے نام دانستہ ترک کر دیے، جب کہ ان میں سے بعض کے والد کا نام بآسانی دست یاب تھا، مثلاً میر حسین بن معین الدین میبذی یزدی[صفحہ ۹۳][۱۲۳]، سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی[صفحہ ۱۰۲][۱۲۴]، عبد الغفور بن صلاح لاری[صفحہ ۱۵۳][۱۲۵] اور قاضی محب اللہ بن عبد الشکور بہاری[صفحہ ۲۱۰]۔[۱۲۶]

۞ شروح ''جامع ترمذی'' کا ذکر کرتے ہوئے خلاف ترتیب احمد بن محمد شاکر (متوفی ۱۳۷۷ھ) کا سنہ وفات[۱۲۷] ترک کر دیا۔[صفحہ ۲۲۴]

۞ امام مسلم کے تذکرہ میں ''شروح صحیح مسلم'' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت متعدد شروح کے بارے میں اہم معلومات دیں[صفحہ ۲۴۹-۲۵۰] ان میں دو کتب ''مختصر شرح نووی'' اور ''وشی الدیباج'' کے نام بھی دیے گئے، جن کا یہاں الگ الگ ذکر کرنا مذکورہ عنوان سے انحراف اور ترتیب کے خلاف ہے، اس لیے کہ یہ دوسروں کی شروح کا اختصار ہیں، مستقل شروح نہیں۔

۞ شارحین ''صحیح مسلم'' کا ذکر کرتے ہوئے ان میں ولی اللہ فرخ آبادی (متوفی ۱۲۴۹ھ) کا سنہ وفات درج نہیں کیا۔[۱۲۸]

۞ نصیر الدین طوسی کے تذکرہ میں امام فخر الدین رازی کا سنہ وصال یکے بعد دیگر دو سطور میں درج کیا[صفحہ ۲۵۴] جب کہ دوسری بار اندراج بلا سبب ہے۔

۞ ''مشکوۃ المصابیح '' کے مؤلف ولی الدین عراقی کے تذکرہ میں کتاب کے گزشتہ تمام صفحات کی ترتیب کو لپیٹ ڈالا۔ ان کا اصل نام محمد اور والد کا عبداللہ لکھا، پھر یوں گویا ہوئے:

''ان کے تفصیلی حالات تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھے''۔۔۔

اس کے بعد ''مشکوۃ المصابیح '' کا عمومی تعارف دیا اور پھر ایک صفحہ سے بھی کم محض تیرہ سطور پر آپ کا تذکرہ ختم کر دیا[صفحہ ۲۶۲] ادھر ہلاکو خان کے مشیر و وزیر نصیر الدین طوسی کے حالات کو ساڑھے آٹھ صفحات پر پھیلایا۔[صفحہ ۲۵۳-۲۶۱]

یہ درست ہے کہ صاحب مشکوٰۃ المصابیح کے مفصل حالات دست یاب نہیں، لیکن جس قدر میسر تھے ان کا اندراج یہاں ضروری تھا۔ آپ کا سنہ وفات، وطن، دوسری تصنیف کا نام، مشکوٰۃ کی شروح کے بارے میں معلومات موجود ہیں۔ شیخ ابو عبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی عمری نے ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء میں وفات پائی۔ ''مشکوۃ المصابیح '' کے علاوہ ایک تالیف ''الاکمال فی اسماء الرجال ''ہے، جو اول الذکر کے حاشیہ پر طبع ہوئی[۱۲۹] آپ کے شاگردوں میں ایک اہم نام شیخ امام الدین علی بن مبارک شاہ صدیقی ساوجی کا ہے۔[۱۳۰]

''مشکوٰۃ المصابیح ''پر متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے، چند کے نام یہ ہیں:

شرح مشکاۃ

شیخ شہاب الدین احمد بن محمد المعروف بہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (متوفی ۹۷۴ھ)، تقریباً چوتھائی حصہ، مخطوط۔[۱۳۱]

مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح

نور الدین ملا علی بن سلطان محمد قاری ہروی مکی حنفی (متوفی ۱۰۱۴ھ) جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع میمنیہ قاہرہ نے شائع کی۔[۱۳۲]

ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوۃ

مولانا عماد الدین محمد عارف بن عبداللہ عثمانی سندیلوی اکبر آبادی المعروف بہ عبد النبی شطاری (۱۰۲۰ھ میں زندہ)۔[۱۳۳]

اشعة اللمعات
شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ)، فارسی شرح، مطبوع

لمعات التنقیح فی شرح المشکوٰۃ المصابیح
شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، عربی۔[۱۳۴]

حاشیۃ مشکوٰۃ المصابیح
خازن الرحمہ شیخ محمد سعید سرہندی نقشبندی (متوفی ۱۰۷۰ھ)۔[۱۳۵]

مظاہر حق
نواب قطب الدین خان دہلوی مکی (متوفی ۱۲۸۹ھ)، اردو ترجمہ وشرح، مطبوع۔[۱۳۶]

حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح
مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ)، سنہ تالیف ۱۸۷۳ء، قلمی نسخے ٹونک لائبریری نیز مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع مظفرنگر نزد دہلی میں موجود ہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ شریف
مولانا وصی احمد سورتی (متوفی ۱۳۳۴ھ)، قلمی نسخہ مولانا سردار احمد فیصل آبادی کے پاس تھا۔[۱۳۷]

حاشیہ اشعة اللمعات
مولانا احمد رضا خان بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ)، غیر مطبوع۔

حاشیہ مرقاۃ المفاتیح
مولانا احمد رضا خان بریلوی، عربی، غیر مطبوع۔

حاشیہ مشکوٰۃ شریف
مولانا قاضی عبدالسبحان ہزاروی کھلابٹی (متوفی ۱۳۷۷ھ) غیر مطبوع۔

مرآۃ المناجیح
مولانا احمد یار خان نعیمی گجراتی (متوفی ۱۳۹۱ھ)، اردو ترجمہ وشرح، پہلا ایڈیشن شارح کی زندگی میں گجرات ولاہور سے شائع ہوا۔[۱۳۸]

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے اس میں درج احادیث کی تخریج پر کتاب ''ھدایۃ الروایۃ الی تخریج احادیث المصابیح و المشکاۃ'' تالیف کی[۱۳۹] اور آخر میں یہ بھی معلوم رہے کہ مکتبہ رحمانیہ لاہور نے ''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' کی

اشاعت سے قبل ''مشکوۃ المصابیح'' کا اردو ترجمہ شائع کر رکھا تھا۔[صفحہ۹]

۞ کتاب میں جن مصنفین کے مفصل حالات دیے گئے، ان سب کا اصل نام اپنے مقام پر درج کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا لیکن شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ میں یہ ترتیب جاری نہ رہ سکی اور آپ کا اصل نام احمد مذکور نہیں۔[صفحہ۲۶۳]

۞ خاتمہ کتاب پر ان کتب و رسائل کی فہرست دی گئی ہے جن سے دوران تصنیف اختر راہی نے استفادہ کیا[صفحہ۲۷۱-۲۷۷] اس میں چار کتب کے کوائف ادھورے چھوڑ دیے اور یہ واضح نہیں کیا کہ ان کے کون سے ایڈیشن سے اخذ کیا گیا، کتب یہ ہیں:

''تذکرۃ الحفاظ''از شمس الدین ذہبی، ''شرح سلم العلوم''از قاضی محمد مبارک، ''شرح سلم العلوم''از احمد عبدالحق[صفحہ۲۷۵]، ''وفیات الاعیان'' از ابن خلکان۔[صفحہ۲۷۶]

۞ مذکورہ فہرست ''کتابیات'' میں ان پانچ انگریزی کتب کے کوائف کلی طور پر ترک کر دیے جن سے تصنیف کے عمل میں استفادہ کیا گیا تھا۔[صفحہ۴۱، ۷۷، ۷۸، ۱۲۸، ۱۹۳]

۞ فہرست کتابیات میں مزید چھ کتب کے کوائف نہیں دیے گئے جن سے مدد لی گئی تھی اور پوری کتاب میں کہیں واضح نہیں کہ ان کتب کی زبان کون سی ہے اور مطبوع ہیں یا مخطوط، نام یہ ہیں:

''مخطوطات عربیہ'' پنجاب پبلک لائبریری[صفحہ۷۹]، ''تزک بابری'' از ظہیر الدین بابر[صفحہ۱۵۳]، ''سلم العلوم'' از قاضی محب اللہ بہاری[صفحہ۲۱۲]، فہرست کتب خانہ سالار جنگ، جلد اول[صفحہ۲۳۱]، ''تذکرہ کاملان رام پور'' از حافظ علی احمد خان شوق[صفحہ۲۳۲]، فہرست مخطوطات ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال[صفحہ۲۶۹] اور ان میں سے پہلی و آخری کے بارے میں یہ بھی مذکور نہیں کہ ان کے مرتبین کون ہیں۔

۞ کتاب کے پندرہ سے زائد مقامات پر درج عربی، فارسی و انگریزی نثر پر مشتمل اقتباسات بالخصوص فارسی کا ترجمہ نہیں دیا، دو چار جگہ دے دیا۔

۞ اس تحریر کے آغاز میں عرض کیا گیا تھا کہ زیر نظر ایڈیشن میں تکملہ بھی شامل ہے۔ اس میں ان شخصیات کے حالات شامل کیے گئے جن کی تصنیفات ''تذکرہ مصنفین درس نظامی'' کے پہلے کتابی ایڈیشن کے بعد پاکستان میں رائج درس نظامی میں اضافہ کی گئیں۔ تکملہ کے شروع میں ان کتب کی فہرست دی گئی جن میں کتاب کا موضوع، مصنف و کتاب کا نام درج کیا گیا[صفحہ۲۷۹-۲۸۰]

ایسی ہی ایک فہرست کتاب کے آغاز میں بھی دی گئی تھی [صفحہ ۱۸-۲۳] لیکن تکملہ میں سابقہ ترتیب کو خیر باد کہتے ہوئے، اس فہرست میں مذکور مصنفین کے سنین وفات نہیں دیے۔

۞ اس فہرست کے خاتمہ پر یوں کہا گیا:

"متذکرۃ الصدر کتب میں سے بعض کے مؤلفین کے حالات کتاب میں پہلے ہی سے موجود ہیں، باقی مصنفین کے حالات الف بائی ترتیب سے (تکملہ میں) درج کیے جا رہے ہیں"---[صفحہ ۲۸۰]

لیکن آئندہ صفحات پر اس عبارت کی پاس داری نہیں کی اور متذکرۃ الصدر کتب کے مصنفین میں سے تین کے حالات نہیں دیے، نام یہ ہیں:

"القراءۃ الرشیدہ" کے مصنف علی عمر، "طریقۃ جدیدۃ" کے محمد امین مصری اور "محیط الدائرہ" کے کرنیلیوس فندیک۔

جب کہ ان میں سے دو یعنی علی بن عمر مصری (متوفی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء) [۱۴۰] اور ڈاکٹر کرنیلیوس فندیک (متوفی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء) [۱۴۱] کے حالات تو "الاعلام" و "معجم المؤلفین" میں ہی موجود تھے، جو تکملہ لکھتے وقت اختر راہی کے پیش نظر تھیں [صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰]۔ نیز کتاب کے گزشتہ اوراق پر مذکورہ ڈاکٹر کے بیٹے ایڈورڈ فندیک کی عربی تصنیف "اکتفا القنوع بما ھو مطبوع" [۱۴۲] سے بلاواسطہ استفادہ اٹھا چکے تھے۔ [صفحہ ۲۷۵]

ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے تیسری شخصیت محمد امین مصری (متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) کے حالات اس وقت مدون نہ ہوئے ہوں، ایسی صورت میں بھی تکملہ میں اپنے مقام پر ان کا تذکرہ ممکنہ حد تک ضروری تھا تا کہ ترتیب برقرار رہتی اور اب تو محمد امین مصری کے حالات بھی گزشتہ کئی برس سے طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں جو پانچ سے زائد عربی کتب میں خود راقم الحروف کی نظر سے گزرے۔

کتابت

ملک سے شائع ہوئے والی اسلامی موضوعات کی اکثر کتب کی طرح "تذکرۂ مصنفین درس نظامی" بھی کتابت کی اغلاط سے محفوظ نہیں، یہاں ان میں سے چند ایک کی نشان دہی کی جا رہی ہے:

۞ "نور الانوار" کے مؤلف ملا احمد جیون امیٹھوی کے سنہ وصال ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء [صفحہ ۵۲] کو دوسرے مقام پر ۶۴۳ھ/ ۴۷-۱۲۴۶ء میں بدل دیا [صفحہ ۲۱] گویا ساتویں

صدی ہجری کی شخصیت تھے؟

۞ "عروض المفتاح" کے مصنف یوسف بن ابوبکر سکا کی کے سال وصال ۱۲۲۸ء[صفحہ ۲۶۸] کو ۱۳۲۸ء بنادیا۔[صفحہ ۲۳]

۞ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف "تغلیق التعلیق" [۱۴۳] میں دونوں جگہ "غ" لکھ دیا۔[صفحہ ۲۹]

۞ ابن حجر کی دوسری کتاب "الاحکام لبیان ما فی القرآن من الاحکام" میں دوسرے الاحکام کو "الابھام" بنادیا۔[صفحہ ۲۹]

۞ ابن حجر ہی کی "تبصیر المنتبة" میں سے دوسری "ۃ" حذف کردی۔[صفحہ ۳۰]

۞ آپ کی مشہور تصنیف "انباء الغمر بابناء العمر" میں دونوں جگہ "انباء" لکھ دیا۔[صفحہ ۳۰]

۞ مشہور محدث ابوالحسن محمد بن عبدالهادی سندھی کا سنہ وصال ۱۱۳۸ھ [صفحہ ۴۷] ۱۱۸۳ھ کردیا۔[صفحہ ۳۲]

۞ محسن نجفی [۱۴۴] کو محسن نخعی لکھا۔[صفحہ ۶۲]

۞ صاحب ہدایہ کے استاد ضیاء الدین محمد بن حسین بندنجی کے نام [۱۴۵] میں بندپنجی لکھ دیا۔[صفحہ ۷۴]

۞ "عنایہ شرح ھدایہ" کے مؤلف اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بابرتی [۱۴۶] کا نام محمد بن محمود البرکاتی لکھ دیا۔[صفحہ ۱۰۹]

۞ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے حالات پر مبنی کتاب "حیات غوث العالم" [صفحہ ۱۱۶] کا نام دوسرے مقام پر حیات غوث الاعظم لکھا۔[صفحہ ۲۷۲]

۞ شروح "کنز الدقائق" کے ضمن میں کتاب "البحر الرائق" کا نام "البحر الفائق" لکھ دیا۔[صفحہ ۱۵۹]

۞ شیخ عزالدین یوسف بن محمود رازی ظہرانی [۱۴۷] کے نام میں درازی طہرانی بنادیا۔[صفحہ ۱۵۹]

۞ سندھ کے حاکم مرزا شاہ حسین کا نام [۱۴۸] حسن لکھا۔[صفحہ ۱۶۳]

۞ ایک عربی اقتباس کے ترجمہ میں "ملا قطب العلماء و العرفاء" کے الفاظ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ مسلسل دوبار لکھ دیے۔[صفحہ۲۱۳]

"جامع ترمذی" کے فارسی شارح، سراج احمد سہارنپوری[۱۴۹] کے نام میں سہارنپوری کی جگہ سرہندی لکھ دیا۔[صفحہ۲۲۳]

"ترمذی" کے ہی شارح ابن سید الناس (متوفی ۷۳۴ھ) کا سنہ وفات[۱۵۰] ۷۲۴ھ لکھ دیا۔[صفحہ۲۲۳]

سلطان الہند محمد شاہ (متوفی ۱۱۶۱ھ) کا سنہ وفات[۱۵۱] ۱۶۱۱ھ بنادیا۔[صفحہ۲۴۰]

شارح "صحیح مسلم" محمد مالکی کے والد کا نام خلفہ[۱۵۲] کی بجائے خلیفہ لکھا۔[صفحہ۲۴۹]

"صحیح مسلم" کے ہی شارح عبدالغافر کا نام[۱۵۳] عبدالفاخر لکھا۔[صفحہ۲۴۹]

محمد بن عبد الرحمٰن قزوینی (متوفی ۱۳۳۸ھ) کے سنہ وفات[۱۵۴] کو ۱۳۲۸ھ بنادیا۔[صفحہ۲۶۸]

تقی الدین قلندر کی تصنیف "الروض الازھر فی مآثر القلندر" کے نام میں ایک جگہ تاثر[صفحہ۱۳۵] پھر مأثر لکھا۔[صفحہ۲۷۳]

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سفر حج ۱۲۹۵ھ[۱۵۵] کو ۱۹۹۵ھ لکھ دیا۔[صفحہ۲۹۶]

علی الجارم کی تالیف "ھاتف من الاندلس"[۱۵۶] سے "من" حذف کردیا۔[صفحہ۳۰۶]

ان کی دوسری کتاب "غادۃ رشید" میں "غاوۃ" بنادیا۔[صفحہ۳۰۶]

"معجم المؤلفین" کے مصنف کا نام عمر رضا کحالہ کی بجائے رفعت رضا کحالہ لکھا۔[صفحہ۳۲۰]

اشاعتی پہلو

کتاب کے آغاز میں ہے کہ یہ ایڈیشن ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں شائع کیا گیا[صفحہ۲] جب کہ تکملہ کتاب سے بخوبی عیاں ہے کہ یہ ۱۴۰۲ھ میں لکھا گیا[صفحہ۲۸۱] حقیقت میں یہ ایڈیشن ۱۴۰۲ھ یا اس کے بھی کئی برس بعد طبع کیا گیا۔

تکملہ میں جن سترہ شخصیات کے حالات کا اضافہ کیا گیا، کتاب کے ابتدائی صفحات پر دی گئی فہرست مطالب میں ان کے نام درج نہیں۔ یوں کتاب کے آغاز سے کسی بھی

طرح قاری کو آگاہی نہیں ہوتی کہ اس ایڈیشن میں تکملہ بھی شامل ہے جس میں درج مزید شخصیات کے حالات آئندہ صفحات پر مطالعہ کے منتظر ہیں۔ کتاب کی ورق گردانی کے بعد ہی تکملہ کی موجودگی کا اچانک انکشاف ہوتا ہے حالانکہ فہرست مطالب کے خاتمہ پر [صفحہ ۸] اتنی خالی جگہ باقی ہے کہ بغیر کسی دقت کے، فہرست تکملہ بھی یہاں درج کی جاسکتی تھی۔

۞ مصنف نے جن کتب سے دوران تصنیف استفادہ کیا، ان کی فہرست تکملہ سے قبل دی گئی، جو وسط کتاب میں گم ہو کر رہ گئی ہے، جب کہ اسے بآسانی کتاب کے آخری صفحات پر منتقل کیا جاسکتا تھا۔ [صفحہ ۲۷۱-۲۷۷]

گزشتہ صفحات پر ''تذکرۂ مصنفین درس نظامی'' کے محض چند مقامات کا تجزیاتی مطالعہ قارئین کی نذر کیا گیا، پوری کتاب کے تمام مندرجات کا جائزہ نہیں لیا جاسکا۔ ضرورت ہے کہ کتاب کے تمام مضامین پر نظر ثانی کی جائے اور اس کا معیار ہر پہلو سے بہتر بنایا جائے کیوں کہ یہ اردو زبان میں موضوع کے اعتبار سے انتہائی اہم، غیر معمولی اور منفرد کتاب ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔

حوالہ جات و حواشی

[۹۴] نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۳۲۳ [۹۵] الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۳۲۶

[۹۶] الاعلام، جلد ۶، صفحہ ۳۳۳

[۹۷] معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۲۴/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۱، صفحہ ۸۰

[۹۸] معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۴۱۰/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۳۴۴

[۹۹] معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ، صفحہ ۱۲۷/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۱، صفحہ ۸۰-۸۱

[۱۰۰] معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد ۱، صفحہ ۸۰-۸۱

[۱۰۱] مفید المفتی، صفحہ ۵۴-۱۲۶ [۱۰۲] مفید المفتی، صفحہ ۲۴۸

[۱۰۳] الفوائد البھیۃ، صفحہ ۳۷۸-۳۷۹

[۱۰۴] نزھۃ الخواطر، صفحہ ۱۲۴۷

[۱۰۵] شیوخ الازھر، عبدالمعز خطاب، طبع ۱۹۹۰ء، وزارت اطلاعات مصر، صفحہ ۱۱

[۱۰۶] نزهة الخواطر، صفحہ۱۳۹۶

[۱۰۷] هجر العلم و معاقله فی الیمن، قاضی اسماعیل بن علی اکوع، طبع اول ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء، دار الفکر بیروت و دمشق، جلد۴، صفحہ۱۹۳۳-۱۹۳۴

[۱۰۸] ماہنامہ العرب ریاض، شمارہ اگست، ستمبر۱۹۷۴ء، صفحہ۲۰

[۱۰۹] القول الجلی فی ذکر آثار الولی، مولانا محمد عاشق پھلتی، فارسی سے اردو ترجمہ مولانا محمد تقی انور علوی، طبع ۱۹۹۹ء، مسلم کتابوی لاہور، مقدمہ صفحہ۵۴

[۱۱۰] القول الجلی، صفحہ۱۰۵

[۱۱۱] الاعلام، جلد۴، صفحہ۱۴۷/حدائق الحنفیة، صفحہ۳۱۷/الفوائد البهیة، صفحہ۳۷۸-۳۷۹/مفید المفتی، صفحہ۵۴

[۱۱۲] نزهة الخواطر، صفحہ۶۸۶

[۱۱۳] نزهة الخواطر، صفحہ۱۳۱۷

[۱۱۴] نزهة الخواطر، صفحہ۱۲۳۲

[۱۱۵] الاعلام، جلد۵، صفحہ۳۹/طرب الاماثل، صفحہ۵۱۰/معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۵۵۱/مفید المفتی، صفحہ۱۲۳

[۱۱۶] معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم، صفحہ۲۷۲/معجم المؤلفین، جلد۳، صفحہ۵۸۴

[۱۱۷] الاعلام، جلد۷، صفحہ۲۳۴

[۱۱۸] الاعلام، جلد۸، صفحہ۲۵۳

[۱۱۹] معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم، صفحہ۲۷۲

[۱۲۰] الاعلام، جلد۸، صفحہ۵۲/تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۵۳۳/نزهة الخواطر، صفحہ۶۵۹

[۱۲۱] الاعلام، جلد۸، صفحہ۲۲۳/الفوائد البهیة، صفحہ۳۷۵/مفید المفتی، صفحہ۲۳۸

[۱۲۲] الاعلام، جلد۳، صفحہ۳۳

[۱۲۳] الاعلام، جلد۲، صفحہ۲۶۰

[۱۲۴] الاعلام، جلد۷، صفحہ۲۱۹/مفید المفتی، صفحہ۱۲۶

[۱۲۵] الاعلام، جلد۴، صفحہ۳۲

[۱۲۶] الاعلام، جلد۵، صفحہ۲۸۳/نزهة الخواطر، صفحہ۷۹۳

[۱۲۷] الاعلام، جلد۱، صفحہ۲۵۳

[۱۲۸] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۵۴۵/نزهة الخواطر، صفحہ۱۱۳۵

[۱۲۹] الاعلام، جلد۶، صفحہ۲۳۴ [۱۳۰] نزہۃ الخواطر، صفحہ۲۳۴

[۱۳۱] الاعلام، جلد۱، صفحہ۲۳۴

[۱۳۲] الاعلام، جلد۵، صفحہ۱۲/معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد۲، صفحہ۱۷۹۳

[۱۳۳] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۳۲۷-۳۲۸/طرب الاماثل، صفحہ۵۱۷-۵۱۸/نزہۃ الخواطر، صفحہ۵۸۱

[۱۳۴] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۲۷۷/ مفید المفتی، صفحہ۱۳۴/نزہۃ الخواطر، صفحہ۵۵۵

[۱۳۵] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۴۳۳

[۱۳۶] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۳۹۲/مفید المفتی، صفحہ۱۴۴/نزہۃ الخواطر، صفحہ۱۰۷۰

[۱۳۷] مراۃ التصانیف، جلد۱، صفحہ۳۳

[۱۳۸] مراۃ التصانیف، جلد۱، صفحہ۳۷

[۱۳۹] فہرس الفہارس و الاثبات، جلد۱، صفحہ۳۳۳

[۱۴۰] الاعلام، جلد۴، صفحہ۳۱۶-۳۱۷/معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۴۸۲

[۱۴۱] الاعلام، جلد۵، صفحہ۲۲۳/معجم المؤلفین، جلد۲، صفحہ۶۶۷-۶۶۸

[۱۴۲] معجم المطبوعات العربیۃ و المعربۃ، جلد۲، صفحہ۱۳۶۲/معجم المؤلفین، جلد۱، صفحہ۳۳۴

[۱۴۳] الاعلام، جلد۱، صفحہ۱۷۸-۱۷۹ [۱۴۴] نزہۃ الخواطر، صفحہ۹۰۳

[۱۴۵] الفوائد البہیۃ، صفحہ۲۳۱، ۲۷۳-۲۷۴

[۱۴۶] الاعلام، جلد۷، صفحہ۴۲/الفوائد البہیۃ، صفحہ۳۲۰/مفید المفتی، صفحہ۱۲۶، ۲۳۶

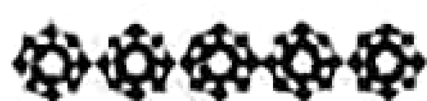
[۱۴۷] الاعلام، جلد۸، صفحہ۲۵۳ [۱۴۸] نزہۃ الخواطر، صفحہ۳۳۲

[۱۴۹] تذکرہ علمائے ہند، صفحہ۱۵۷ [۱۵۰] الاعلام، جلد۷، صفحہ۳۴

[۱۵۱] نزہۃ الخواطر، صفحہ۷۹۶ [۱۵۲] الاعلام، جلد۶، صفحہ۱۱۵

[۱۵۳] الاعلام، جلد۴، صفحہ۳۱ [۱۵۴] الاعلام، جلد۶، صفحہ۱۹۲

[۱۵۵] نزہۃ الخواطر، صفحہ۱۸۱ [۱۵۶] الاعلام، جلد۴، صفحہ۲۹۴



اصحابِ فیل اور عظمتِ کعبہ

مولانا غلام حسین قمر یزادنی

چمن زار میں فصل بہار آتی ہے تو دل فریب رعنائیوں اور کیف زا لطافتوں، روح پرور نزہتوں اور دل کش رنگینیوں کو اپنے جلو میں لے کر--- جب اس شان وقار سے بہار کا ورود ہوتا ہے تو گلشن میں گل ہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں، غنچے مہکتے ہیں، کلیاں مسکراتی ہیں، عندلیب زار بہاروں کی اس بوقلمونی پر نثار ہوتی ہے اور اپنے کیف آفرین اور دل نشیں نغمات، حسن چمن پر نچھاور کرتی ہے۔ باغ بان اپنی خوش بختی اور قسمت کی یاوری پر خوش ہوتا ہے اور کھل کھلاتے گلوں، مہکتے غنچوں اور لچکتی شاخوں پر جان دیتا ہے۔ تمام کائنات، قدرت کے ان روح پرور مظاہر اور حسن ازل کی دل فریبیوں کی داد دیتی ہے۔ اس کے ساتھ دل آویز بہاروں کا خالق بھی اپنی مخلوق کو مسکراتا دیکھ کر اپنے اس حسن تخلیق پر ناز کرتا ہے اور کائنات کے لیے رحمت و عطا کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چناں چہ خالق کائنات کے اس نظامِ فطرت کے تحت گلستانِ ہستی پر بہار جاوداں کا ورود ہونے والا ہے، نسیم رحمت کی شمیم جان فزا کے دل نواز جھونکے مشامِ ہستی کو معطر کرنے والے ہیں،

اہل چمن کسی گل رعنا کے کھلنے کے منتظر ہیں، گویا گلستان حیات میں فصل بہاری کا اہتمام ہو چکا ہے اور ذرّہ ذرّہ اس کے خیر مقدم کے لیے بے قرار ہے۔ مشاطۂ قدرت زلف گیتی کی تزئین میں مصروف ہے اور عروسِ کائنات کے چہرۂ گلگوں پر فرحت وانبساط کے آثار نمایاں ہیں۔ رحمت الٰہی کی نسیم خوش گوار رحمتوں اور لطافتوں کو اپنے جلو میں لیے ریگ زار عرب کے خطہ مقدس کا طواف کر رہی ہے۔ عالم لاہوت میں حوران وملائک، نغماتِ سرمدی سے کائنات کو مسحور کر رہے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ سرور بہاراں سے یوں گویا ہے کہ:

سماں نزہت گہِ فردوس کا ہے بزم دوراں میں
مبارک ہو نسیم حوضِ کوثر آنے والا ہے

بہارِ خلد کی رنگینیاں ہیں جس سے گلشن میں
مبارک عندلیبو! وہ گل تر آنے والا ہے

وہ نورِ لم یزل، فطرت بھی جس پر ناز کرتی ہے
وہ فخر دو جہاں، محبوبِ داور آنے والا ہے

قمر اَبْشِـــرِیٰ لَـکُـمْ کی ہر طرف تشہیر ہوتی ہے
ہے جس کی ذات شانِ حق کی مظہر، آنے والا ہے

۱۷ محرم الحرام ۵۶۹ء کا واقعہ ہے کہ چمن زار گیتی میں ورود بہار کے دن قریب ہیں، یعنی سید الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت میں ابھی باون روز باقی ہیں کہ (اس دور کا کروسیڈی ''بش'') ابرہہ بن صباح اشرم جو شاہ حبش نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اور صنعا (دار الخلافہ یمن) میں شاہ حبش کا باج گزار ہونے کے باوجود خود مختار حاکم کہلاتا تھا، جب اس نے دیکھا کہ اطراف واکناف سے لوگ مکہ مکرمہ میں کعبۂ معظمہ کی زیارت کے لیے نذر و نیاز اور تحائف لے کر آتے ہیں، چوں کہ وہ بھی مذہب عیسوی کا زبردست مبلغ تھا، کعبہ کی اس قدر عظمت دیکھ کر اس کی آتش حسد بھڑکی، اس نے فوراً صنعا میں سنگ مرمر کا ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا، جس میں تصویر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نصب کیا، یہ سب کام مکمل ہو گیا تو اہل یمن کو پہلے اس کے طواف پر مجبور کیا۔

اہل مکہ نے جب کعبۃ اللہ کے مقابل کلیسائے یمن کو دیکھا تو زہیر بن عمرو کمی نے ایک دم موقع پا کر وہاں پہنچ کر پاخانہ کر دیا۔ انہی دنوں مکہ معظمہ سے جانے والا ایک مسافر قافلہ جب صنعا کی طرف سے گزرا تو اس کلیسا کے پاس ڈیرہ لگایا۔ رات کے وقت جب اہل قافلہ نے آگ جلائی تو ایک چنگاری اڑ کر اس پر جا پڑی، جس سے وہ جل کر خاک ہو گیا۔ جب ابرہہ نے اپنے تعمیر کردہ کلیسا کی یہ بے حرمتی دیکھی تو سیخ پا ہوا اور دل میں آتش غضب بھڑکی۔ ادھر شیطان لعین کا داؤ بھی

چل گیا، اس نے ابرہہ کو یہ سبق دیا کہ یہ سب شرارت اہل مکہ کی طرف سے ہے، اس لیے بہتر ہے کہ تم ان کی عبادت گاہ کعبہ کو گرا دو۔ چناں چہ ابرہہ تدریس ابلیس پر عمل کرتے ہوئے جنگی ہاتھیوں کے ساتھ اپنے سپاہیوں کا ایک انبوہ کثیر لے کر انہدام کعبہ کی نیت سے چڑھ آیا۔ راہ میں جو کچھ آیا، برباد کر دیا۔ آخر جب یہ لشکر کعبہ معظمہ سے تین میل دور وادیٔ محسر میں پہنچا تو ابرہہ کے محمود نامی ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا، پھر دوسرے ہاتھی پر سوار ہو کر بڑھنے کا قصد کیا تو وہ بھی رک گیا، آخر مجبوراً اسی جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ عرب والوں نے کبھی ہاتھی نہیں دیکھے تھے، اس لیے ہاتھیوں اور اس بڑے لشکر کی سطوت وشوکت سے گھبرا کر اہل مکہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ صرف حضرت عبدالمطلب (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد امجد) اور ان کے خاندان کے چند افراد، وہ بھی ان کے بیٹے اور پوتے تھے، بس یہی ایک خاندان تھا، جو مکہ معظمہ میں موجود رہ گیا تھا، باقی سب بھاگ گئے۔ یہی دس بارہ افراد پر مشتمل مختصر سی فوج تھی جسے رب کعبہ کی طرف سے نصرت غیبی پر ناز تھا، جسے چند دنوں کے بعد پیدا ہونے والے اپنے خاندان کے چشم و چراغ، نازش کون ومکان اور صاحب اعجاز بیٹے کے مقام عظمت ورفعت پر فخر تھا، جسے اپنی خاندانی سعادت پر گمان تھا۔ گویا:

سپہ اولاد تھی ، والد سپہ سالار مکہ تھا
یہی کعبے کا خادم تھا ، یہی سردار مکہ تھا

اسی اثناء میں ابرہہ کے لشکری اہل مکہ کے مویشیوں کے ساتھ عبدالمطلب کے کچھ اونٹ بھی ہنکا لے گئے تو خبر ہونے پر حضرت عبدالمطلب تن تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچے۔ ابرہہ نے جب اس پیکر شرافت ونجابت اور مجسمہ تقدس وطہارت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خیر مقدم کے لیے باہر نکلا اور کمال تعظیم سے پیش آیا اور کہنے لگا۔ کہیے حضرت! آپ کا نام کیا ہے اور کیا درخواست لے کر آئے ہو؟ تو اس کے جواب میں افصح العرب حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، مجھے اہل عرب عبدالمطلب کے نام سے پکارتے ہیں اور یہاں آنے کی غرض یہ ہے کہ تیرے لشکری میرے اونٹ ہنکا لائے ہیں، وہ مجھے واپس دے دو، اس کے علاوہ اور کوئی درخواست نہیں ہے۔

یہ سن کر ابرہہ نے نخوت آمیز قہقہہ لگایا اور کہنے لگا، تمہیں معلوم ہونا چاہیے میں تمہاری قدیمی عبادت گاہ (جسے تم کعبہ کے نام سے موسوم کرتے ہو) کو گرانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں اور:

تعجب ہے کہ تم ناچیز شے کا ذکر کرتے ہو
نہیں کعبے کی فکر، اونٹوں کی اپنے فکر کرتے ہو

میں نے سمجھا تھا کہ کعبہ کو بچانے کی کوشش کے لیے آئے ہو اور اسے نہ گرانے کی درخواست کرو گے، مگر تم نے اپنے ذاتی مفاد کو پیش کیا۔

ابرہہ کی یہ بات سن کر سر چشمۂ صداقت نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اونٹ میرے ہیں اور کعبہ رب کا ہے، اس لیے:

صداقت سے یہی میں اپنی شے کا ذکر کرتا ہوں — کہ میرا مال ہیں اونٹ، اس لیے میں فکر کرتا ہوں
کرے گا فکر اپنے گھر کی، جو اس گھر کا مالک ہے — کہ جو اس گھر کا مالک ہے، وہ بحر و بر کا مالک ہے

حضرت سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا یہ متانت آمیز اور صداقت انگیز جواب سنتے ہی ابرہہ نے خاموش ہو کر اونٹ واپس کر دیے۔

آپ اپنے اونٹ لے کر گھر واپس تشریف لے آئے اور علی الصبح اپنے خاندان کی معیت میں حرم کعبہ میں تشریف لا کر جناب سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (والدہ ماجدہ آں حضرت ﷺ) کو اپنے پاس بٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔

اے کعبہ کے مالک اور اے چودہ طبق کی کائنات کے خالق! تو سمیع و بصیر ہے، تو علیم و خبیر ہے، تو جانتا ہے کہ ایک دشمن کعبہ تیرے مقدس گھر کو صفحۂ ارضی سے مٹا دینے کی نیت سے آیا ہوا ہے، اس لیے فتح و نصرت عطا فرما اور پھر حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب اشارہ کر کے دعا فرماتے ہیں کہ الٰہی:

یہ عالی شان بچہ جو ابھی ہے بطن مادر میں — بشارت تھی کہ اس کا نور چمکے گا ترے گھر میں
اسی کے واسطے سے ہم دعا کرتے ہیں اے مالک — سوا تیرے کسی سے ہم نہیں ڈرتے ہیں اے مالک
بچا لے یورش دشمن سے اپنے گھر کی حرمت کو — بچا لے آل اسمٰعیل کے سامان عزت کو

صبح کا وقت ہے، افق مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا ہے، دعا سے فراغت کے بعد حضرت سیدنا عبدالمطلب جملہ احباب و اعزہ کی معیت میں کوہ ثبیر پر چڑھ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر میں ہل چل مچی ہوئی ہے، گویا اب وہ کعبہ پر حملہ کی تیاری میں ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ابرہہ پہلے اپنے سفید ہاتھی پر آگے آگے عجب شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ اور پیچھے پیچھے اس کے لشکر نے کعبہ کا رخ کیا، جوں ہی حریم کعبہ میں آ کر ابرہہ نے اپنے ہاتھی کو بڑھایا کہ بس ایک ٹکر سے کعبہ کو مسمار کر دے،

ادھر عبدالمطلب مقابلہ کے لیے باغیظ وغضب اٹھے اور ادھر رب کعبہ کی قدرت کاملہ کی شان بے نیازی کو ملاحظہ کیجیے کہ ہاتھی بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹا اور آگے بڑھ کر ٹکر مارنے کی بجائے:

پئے تعظیم کعبہ عاجزی سے جھک گیا ہاتھی

ابرہہ ایسے وقت پر ہاتھی کی اس حرکت پر سخت برہم ہوا، جوں ہی پیچھے مڑ کر اپنے لشکریوں کو بڑھنے کے لیے کہنے لگا تو دیکھتا ہے کہ تمام لشکر بھی قطار اندر قطار رک گیا ہے اور ہاتھیوں کا یہ حال ہے کہ سب کے سب عظمت کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ مہاوت ہاتھیوں کو مارتے ہیں، اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ان کی ہر طرح جرأت ناکام ثابت ہوئی۔ اسی عجیب واقعہ کے منظر کی عکاسی حفیظ جالندھری نے اپنے شعر میں یوں کی ہے کہ:

پڑے ہیں اس طرح ہاتھی کہ جنبش ہی نہیں کرتے

کیوں؟ کس وجہ سے؟ اس لیے کہ:

خدا کا ڈر ہے دل میں، آج شیطان سے نہیں ڈرتے

آخر ابرہہ نے جب اپنے جنگی ہاتھیوں کو بھی سرنگوں دیکھا تو غضب آلود ہو کر اپنے لشکریوں کو تیغ وتبر، تیر وسناں لے کر آگے بڑھنے کے لیے کہا اور ادھر قادر مطلق کی شان بے نیازی کا منظر دیکھیے کہ دعائے عبدالمطلب کی اجابت، بحکم رب جلیل، ہزاروں ابابیل[۱] تین تین کنکریاں (دانہ مسور کے برابر) ایک ایک چونچ میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لے کر غول کی صورت میں جدہ کی طرف سے نمودار ہوئیں اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ابرہہ کے لشکر پر چھا کر سنگ ریزوں کی بارش شروع کر دی۔

اس آفت ناگہانی کو دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بدحواس ہو کر بھاگنے لگا، ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا تھا، جس سے وہ مارا گیا۔ ایک ایک کنکر ہر سوار کے سر سے نکل کر اور جانور کی پشت میں گھس کر پیٹ سے نکل جاتا تھا، ایک پل میں کعصف ماکول بن گیا، یعنی تباہ و برباد ہو گیا اور حضور پرنور شافع یوم النشور سید کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیات والتسلیمات کے قدوم میمنت لزوم کے فیوض و برکات سے کعبہ معظمہ شرِ اشرار اور یورشِ کفار سے محفوظ رہا۔ سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس واقعہ سے عرب والوں کے دل میں کعبہ کی عقیدت پہلے سے دوچند ہو گئی اور اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ظہور قدسی کی نسبت سے اس سال کو سنة الفتح و الابتھاج کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

سورۂ فیل (پارہ ۳۰) کی پہلی آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی

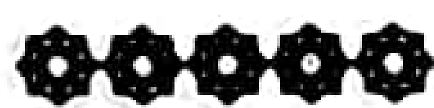
ولادت سے قبل نورِ نبوت سے اس واقعہ کو مشاہدہ فرما رہے تھے:

﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ﴾——

''اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا''——

یعنی تم نے دیکھا۔

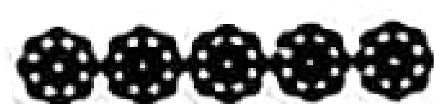
اس سے یہ ہی ثابت ہوا کہ جس طرح قبل ولادت حضور ﷺ معائنہ فرما رہے تھے، اسی طرح بعد وصال بھی مشاہدہ جاری ہے۔



[۱]...... ''ابابیل'' ان پرندوں کا نام نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان چھوٹے پرندوں کا نام نہیں بتایا گیا صرف ﴿طیـــراً﴾ ''پرندے'' فرمایا گیا ہے۔ ابابیل کا معنی ہے غول، جھنڈ، ٹکریاں،

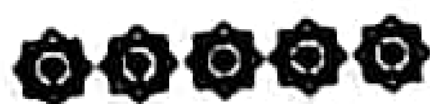
﴿............طیرا ابابیل﴾ کا معنی ہے:

''پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ''——[ادارہ]



مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کا عرس مبارک

جماعتِ اہلِ سنت کے بانی خطیبِ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا 24 واں سالانہ دو روزہ مرکزی عرس مبارک جامع مسجد گل زارِ حبیب، گلستانِ اوکاڑوی (سولجر بازار) کراچی میں حسبِ سابق ماہِ رجب کی تیسری جمعرات و جمعہ، بمطابق 2-3/ اگست 2007ء کو مولانا اوکاڑوی اکادمی (العالمی) اور گل زارِ حبیب ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام والہانہ عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ اس موقع پر سالانہ یادگاری مجلّہ ''الخطیب'' شائع ہوا۔ ملک اور بیرونِ ملک سے علماء و مشائخ اور عقیدت مند حضرات و خواتین کی بڑی تعداد نے عرس مبارک کی تقریبات میں شرکت کی۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے بھائیوں ڈاکٹر محمد سجانی اوکاڑوی، صاحب زادہ حامد ربانی اوکاڑوی، علماء و مشائخ اور عقیدت مندوں کے ہمراہ اپنے والدین کریمین علیہما الرحمہ کے مرقد مبارک پر چڑھا کر عرس مبارک کی تقریبات کا آغاز کیا۔



حاضر و ناظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گزشتہ دنوں محترم رائے فقیر محمد بھٹی (لاہور) نے اپنے گھر میں محفل میلاد مصطفیٰ منعقد کی، اس موقع پر حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے جو خطاب فرمایا، اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ مرتب: فیض نوری

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْد

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ---[الاحزاب،۳۳:۴۵]

میلادِ مصطفیٰ، عظمتِ مصطفیٰ اور ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے محترم رائے صاحب نے اس مبارک و مسعود محفل کا انعقاد کیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا قربِ خاص عنایت فرمائے--- وقت کے دامن میں اتنی گنجائش نہیں کہ تفصیل سے بات کی جائے، مختصراً معروضات پیش خدمت ہیں:

جہاں تک میلاد کا تعلق ہے، یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ میلاد کا مفہوم یہ ہے کہ ربیع الاوّل شریف (عام الفیل) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی، پھر اس نور کے فیض اور اس کی برکت سے ساری کائنات معرض وجود میں آئی، جیسا کہ حدیث جابر (رضی اللہ عنہ) سے صراحۃً مفہوم ہے---

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی تشریف آوری کا تذکرہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں فرمایا---عنوان گفتگو کے طور پر جو آیت مبارکہ تلاوت کی ہے، اس میں ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا---

''اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی)! بے شک ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا''---

'شاھد' شھود اور شھادۃ سے ماخوذ ہے---امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

الشھود و الشھادۃ: الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ---

''شہود اور شہادت کا معنی ہے، حاضر ہونا اور بصر یا بصیرت کے ساتھ (مشاہدہ کرتے ہوئے) ناظر ہونا''---

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر تمام انبیاء و رسل کے بعد دنیا میں جلوہ گر کیا، مگر آپ ﷺ اس دنیا میں آنے سے پہلے، دنیا میں تشریف فرما ہو کر اور قبر اطہر میں آرام فرما ہونے کے بعد قیامت تک، جملہ مخلوقات کے احوال سے آگاہ ہیں---

قیامت کے دن تمام انبیاء و رسل اپنی اپنی امتوں کے احوال و اعمال پر شہادت دیں گے، جس پر ان کی سزا و جزا مترتب ہوگی اور ہمارے آقا و مولا ﷺ انبیاء سابقین کی شہادت کے درست ہونے کی گواہی دیں گے---

حضور ﷺ کی عظمت کا اندازہ کریں کہ تمام نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) کی شہادت آپ ﷺ کی شہادت سے مانی جائے گی، کیوں کہ آپ ﷺ نبی الانبیاء اور جملہ امتوں کے حالات کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں---آپ ﷺ کی گواہی کے بعد کسی کو انکار کی مجال نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ﷻ نے فرمایا:

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰۤؤُلَآءِ شَھِیْدًا---[النساء، ۴:۴۱]

''تو اس وقت کیا سماں ہوگا جب ہم لائیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے''---

بلاشبہ آپ ﷺ تمام مخلوق کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں---اس سلسلے میں ایک ایمان افروز

حدیث پیش خدمت ہے:

حضرت مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ جب سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں پھینکنے کا حکم دیا، میں بہ صورت نور آپ علیہ السلام کی پشت میں قرار پذیر تھا--- آپ کو منجنیق میں رکھا جارہا تھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئے:

یَا خَلِیْلَ الرَّحْمٰنِ ھَلْ لَکَ مِنْ حَاجَۃٍ؟---

''اے اللہ کے خلیل! کوئی حاجت ہو تو فرمائیے (میری خدمات حاضر ہیں)''---

آپ نے فرمایا:

اَمَّا اِلَیْکَ فَلا---

''تیرے متعلق کوئی کام نہیں (تمہاری کوئی ضرورت نہیں)''---

چنانچہ حضرت جبریل امین علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام کو لے کر حاضر ہوئے اور دوبارہ پیش کش کی، آپ نے وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ پھر جبریل امین علیہ السلام عرض گزار ہوئے:

ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ اِلٰی رَبِّکَ؟---

''آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو فرمائیے''---

آپ نے جواب دیا:

یَا اَخِیْ جِبْرِیْلُ مِنْ شَانِ الْخَلِیْلِ اَنْ لَّا یُعَارِضَ خَلِیْلَہٗ---

''خلیل کے لائق نہیں کہ اپنے خلیل سے جرح کرے''---

یعنی محبوب حقیقی (رب جلیل) اگر میرے جلنے پر راضی ہے تو اس کا خلیل جلنے کے لیے تیار ہے---(مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ)

حضور ﷺ کی جانب سے وفا کا صلہ

حضور ﷺ (حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پشت انور میں موجود یہ مکالمہ سماعت اور مشاہدہ فرما رہے تھے، آپ ﷺ) کو جبریل علیہ السلام کی وفاداری اور بار بار کی پیش کش پسند آئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ جب مجھے مبعوث فرمائے گا تو میں جبریل کو اس کا بدلہ دوں گا---

وقت گزرتا رہا، ہزاروں سال بیت گئے--- پھر بارہ ربیع الاوّل کی وہ سہانی گھڑی آئی، جب حضور ﷺ نے اس کائنات عالم میں ظہور فرمایا--- تب انوار و تجلیات کا عجب منظر تھا، پوری کائنات نور سے بھرپور ہو گئی، جیسا کہ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

اَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

وَ ضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو زمین جگمگا اٹھی اور آپ ﷺ کے نور سے آفاق منور ہو گئے''---

پھر چالیس سال کے بعد آقا حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت کا اظہار و اعلان فرمایا، پھر معراج کی مبارک رات آئی، شب اسریٰ کے دولہا لامکان کے سفر پر روانہ ہوئے--- سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام رک گئے، حضور ﷺ نے فرمایا:

جبریل! کیا ایسے موقع پر دوست، دوست کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے؟---

جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی:

اِنْ تَجَاوَزْتُهٗ اِحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ---

''اگر میں آگے بڑھا تو تجلیات نور کی وجہ سے جل جاؤں گا''---

جبریل امین علیہ السلام کی درخواست

حضور ﷺ فرماتے ہیں، میں نے جبریل سے کہا:

هَلْ لَکَ حَاجَةٌ اِلٰی رَبِّکَ؟---

''بارگاہ رب العزت میں کوئی حاجت ہو تو بتائیے''---

بوقت ملاقات پیش کر دی جائے گی--- حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی:

روز قیامت جب آپ کی امت کو پل صراط سے گزرنے کا حکم ہو، مجھے پر بچھانے کی اجازت مل جائے تا کہ آپ کی امت میرے پروں کے اوپر سے گزرے (اور اسے کوئی گزند نہ پہنچے)---

حضور ﷺ جب بارگاہ قدس میں پہنچے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی کی شان سے اللہ رب العزت کا دیدار کیا، جلووں میں گم تھے کہ رب قدوس نے خود کرم فرمایا اور جبریل کی درخواست کے بارے میں پوچھا، آپ نے عرض کی:

اِنَّکَ اَعْلَمُ---

"باری تعالیٰ تو خوب جانتا ہے"---

اللہ تعالیٰ ﷻ نے فرمایا:

یَا مُحَمَّدُ قَدْ اَجَبْتُهٗ فِیْ مَا سَاَلَ وَ لٰکِنْ فِیْ مَنْ اَحَبَّکَ وَ اَصْحَابَکَ---[شرح المواھب للزرقانی، جلد۶، صفحہ۹۳]

"اے محمد! جبریل کی درخواست منظور ہے، لیکن صرف ان لوگوں کے لیے جبریل کو پر بچھانے کی اجازت ہوگی جو آپ اور آپ کے صحابہ کرام سے محبت رکھنے والے ہوں گے"---

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِمَنْ اَکْثَرَ مِنَ الصَّلٰوةِ وَ السَّلَامِ عَلَیْکَ---[نزہۃ المجالس، جلد۲، صفحہ۱۵۱]

"جبریل کو صرف ان لوگوں کے لیے پر بچھانے کی اجازت ہوگی جو آپ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجتے ہوں گے"---

حاضرین محترم!

اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزر جائیں تو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کریں اور کثرت سے درود و سلام کا ورد کریں--- فقط درود ہی نہیں سلام کی بھی کثرت کریں---

اس حدیث شریف سے حضور ﷺ کی قوت مشاہدہ کا پتا چلتا ہے، جو رسول اپنی ولادت سے ہزاروں سال قبل اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت انور میں خلیل و جبریل (علیہما السلام) کا مکالمہ سن سکتے ہیں، اس وقت ان کی سماعت اور مشاہدہ کا کیا عالم ہوگا جب کہ آپ کی شان یہ ہے:

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی---[الضحیٰ،۹۳:۴]

"ضرور آپ کے لیے ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے"---

ہر لحہ آپ کی شانوں اور عظمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے---

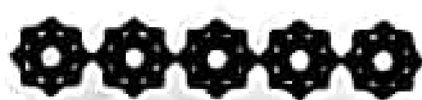
بلاشک وریب آپ ﷺ گنبد خضراء میں مکین ہو کر اپنی پوری امت کو مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اہل محبت کے درود و سلام کو سماعت فرما رہے ہیں---

حرف آخر

میلاد منانا باعث خیر و برکت، موجب سعادت اور علامت محبت ہے---محبت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا تقاضا ہے کہ ہم آقا حضور ﷺ کے احکامات پر چلیں اور اسوۂ سرکار ﷺ کے مطابق زندگی بسر کریں---آپ ﷺ ہمارے اعمال کو مشاہدہ فرما رہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ برے کاموں سے بچیں اور ایسے عمل کریں جن سے آقا حضور ﷺ ہم پر راضی ہوں---

اللہ تعالیٰ ﷻ ہمیں حضور ﷺ کا مقام سمجھنے کی توفیق بخشے، ایمان کی سلامتی کے ساتھ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت سے نوازے اور آپ ﷺ کی محبت پر موت عطا فرمائے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ وسلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحبہ اجمعین



ایک آرزو

رخصت کے وقت میرے لبوں پر میرے رفیق
کشتِ ثنا و حمد سے کلیاں اٹھائے رکھ
لکھوں گا میں لحد میں بھی اپنے نبی کی نعت
میرے قلم کو میرے کفن میں چھپائے رکھ

ریاض حسین چودھری



معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شبِ معراج ہے ، چاند اور تارے لہلہاتے ہیں
کہ مہتابِ حرم افلاک کے دورے کو جاتے ہیں

زمین و آسماں روشن ، مکان و لا مکاں روشن
جمالِ ماہِ طیبہ سے ، اُجالے جگ مگاتے ہیں

خلل آئے نہ کوئی آپ کے آرامِ اقدس میں
ادب سے حضرت جبریل علیہ السلام، آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جگاتے ہیں

حریمِ لامکان و عالمِ بالا ، مبارک ہو!
تمہارے پاس ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، تشریف لاتے ہیں

انھی نے کہکشاؤں میں گلِ تنویر مہکائے
اُنھی سے تیرہ و تاریک موسم نور پاتے ہیں

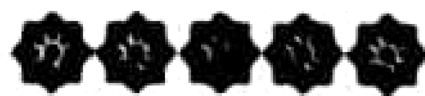
گنہگارانِ امت نے نویدِ مغفرت پائی
سرِ مژگانِ چشمِ تر ، ستارے جھلملاتے ہیں

زہے قسمت! شبِ اسرا ، پھر اپنی زیست میں آئی
پھر اپنے دیدہ و دل ، نور و نکہت میں نہاتے ہیں

ہزاروں نوریوں کے ساتھ جبریلِ امیں علیہ السلام امشب
خدا کے حکم سے خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لینے آتے ہیں

وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جن کی دید کا مشتاق ہے فیضانؔ ، خود خالق جل جلالہ
خدا عزوجل کا شکر ہے ہم بھی ، انھی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گیت کے گاتے ہیں

پروفیسر فیض رسول فیضانؔ



رفتید ولی نہ از دل ما

گل ھائے عقیدت

بخدمت اقدس فقیہ اعظم حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری قدس سرہ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا)
۲۵ ویں سالانہ عرس مبارک کی تقاریب منیر کے موقع پر

تاریخ عرس مبارک:	۱-۲/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ ۱۷-۱۸/جولائی ۲۰۰۷ء	سال وصال:	۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

قرآنی مادۂ تاریخ (سال وصال)

﴿وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ سورۃ الاحقاف

۱۹۸۳ء

"ماہ حشمت فقر مصطفیٰ"
۱۴۰۳ھ

"تاجدار کشور علم وبصیرت"
۱۹۸۳ء

"نور کا ذکر خیر"
۲۰۰۷ء

قطعۂ تاریخ (سال وصال)

بوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نیابت کا شرف یاب جلیل — مظہر غوث معظم رضی اللہ عنہ وردبستان نبی صلی اللہ علیہ وسلم
فخر اس کا نسبت سید نعیم الدیں، جو تھا — باغ حق کا پھول، ریحان گلستان نبی
عظمت حضرت ابوالبرکات کی تصویر خوب — والہ احمد رضا خاں، حافظ شان نبی
حجۃ الاسلام، نامی عالم و یکتا فقیہ — حامد پروردگار کل جل جلالہ، ثنا خوان نبی
اختر برج کمال علم و فقر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — ماہ عرفان محمد، "شمس فیضان نبی"

۱۴۰۳ھ

محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری



معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئن سٹائن کا نظریہ

ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری

Theory Of Relativity کو بیسویں صدی کی سب سے بڑی Achievement کہا جاتا ہے، سائنس دان نیوٹن Newton کا نظریۂ Mechanics کائنات میں ہر طرح کی حرکت اور سکون کی حالت کی مکمل تشریح کرسکتا ہے، لیکن بیسویں صدی میں جب Mathematical Logics نے ترقی کی تو اس سے ایک فلسفہ پیدا ہوا (جو پہلے سے بھی موجود تھا مگر اب اس میں ترقی ہوئی) اس فلسفہ کے مطابق کسی بھی چیز کی کسی طرح کی حالت کی، Reference کے بغیر تشریح نہیں کی جاسکتی۔ اگر ہم عام سی مثال لیں کہ ایک گاڑی حرکت کرتی ہے لیکن اس گاڑی کے اندر بیٹھا ہوا شخص اس حرکت کو محسوس نہیں کرسکتا، اگر اس کے اردگرد کچھ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو کہ ساکن حالت میں ہوں، مثلاً اردگرد کے درخت اور مکانات وغیرہ، یہ حالت صرف اس شخص کے لیے ہے جو گاڑی کے اندر موجود ہے، لیکن اگر ایک شخص گاڑی کے باہر سے اس کو دیکھتا ہے تو اس کے لیے ان References کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ اس گاڑی کی حرکت کو اس کے اردگرد کے ماحول کے حوالے کے بغیر بھی محسوس کرسکتا ہے۔ فرض کریں کہ گاڑی کے اردگرد کچھ بھی نہیں تھا، جس کی وجہ سے اس کے اندر والا شخص کوئی حرکت محسوس نہیں کرسکا، لیکن باہر موجود شخص نے اس حرکت کو مکمل طور پر محسوس کیا، ریاضی کی زبان میں دونوں کے مشاہدات میں اس فرق کی وجہ ان کے مختلف Frames Of References ہیں۔ گاڑی کے اندر بیٹھے ہوئے شخص کے لیے گاڑی کا اندرونی حصہ Frame تھا، مگر باہر

کے شخص کے لیے پوری زمین Frame تھی، گاڑی کے اندر والے شخص کا پورا Frame حرکت کر رہا تھا جب کہ باہر والے شخص کے Frame میں موجود ایک چیز یعنی گاڑی حرکت کر رہی تھی، ریاضی کا یہ فلسفہ یہ بات بتاتا ہے کہ ایک Frame کی حرکت اس کے اندر رہنے سے محسوس نہیں ہو سکتی، اس کے لیے اس سے نکل کر کسی بڑے Frame کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

اس جگہ یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں مشاہدات کو کس طرح سے یکجا کیا جائے اور اس طرح کا فارمولا دریافت کیا جائے کہ Frame کے اندر ہی رہ کر اس کی حرکت کو معلوم کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر اگر کائنات کی مجموعی حرکت کو محسوس یا Record کرنا ہو تو اس کے لیے کائنات سے باہر نہیں نکلا جا سکتا، اس مسئلے کا حل آئن سٹائن کی Theory Of Relativity نے پیش کیا، اس Theory نے گاڑی کے اندر اور باہر والے شخص کے مشاہدات کو ریاضی کے بعض کلیات کی مدد سے یکجا کر دیا، اس Theory نے Frame کا نام بدل کر Relativistice رکھ دیا، مزید ترقی نے اس Theory کے دو حصے کر دیے، ایک کو General Theory Of Relativity کہا گیا اور دوسرے حصے کو Special Theory Of Relativity کہتے ہیں۔

آج کے دور میں Special Theory Of Relativity کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کی وجہ اس کے تین Postulates ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

Mass Increment: $M=\frac{MO}{\sqrt{1-V2}}$ .1

Lough Contraction: $L=TO\frac{LO}{\sqrt{1-V2/C2}}$ .2

Time Delation: $To=\frac{TO}{\sqrt{1-V2/C2}}$ .3

ان تین Postulates میں سے پہلا اور تیسرا حصہ، دونوں ایک دوسرے سے اخذ کیے جا سکتے ہیں، یعنی اگر ایک حصہ درست ہے تو دوسرا حصہ بھی لازمی طور پر درست ہے، جب کہ دوسرے Postulate کی وضاحت دوسری طرح کی گئی ہے، ان تینوں Postulates میں جو ایک ساتھ مشترک ہے وہ $\sqrt{1-V2/C2}$ کا حصہ ہے، ان میں V کسی چیز کی رفتار کو ظاہر کرتی ہے اور C روشنی کی رفتار کو ظاہر کرتی ہے، جب کہ روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے، اگر ہم پہلے Postulate کو دیکھیں یعنی $M=\frac{MO}{1-V2/C2}$، اس میں MO کسی چیز کی حالت سکون میں کمیت یعنی مادے کی مقدار ہے، اگر اس چیز کی رفتار V کی قیمت بڑھا کر C کے برابر کر دی جائے، یعنی اس کو تین لاکھ کلومیٹر کی رفتار سے چلایا جائے، تو اس فارمولے سے درج ذیل نتیجہ نکلتا ہے:

$(V=C)$ $\quad M = \dfrac{M_0}{\sqrt{1-C^2/C^2}}$

$M = \dfrac{M_0}{\sqrt{0}}$ $\quad M = \dfrac{M_0}{\sqrt{1-1}}$

M= ریاضی کا ایک بڑا فارمولا یہ ہے کہ اگر رقم کو صفر پر تقسیم کیا جائے تو وہ لامحدود ہو جاتی ہے، اس طرح سے اس چیز کی کمیت لامحدود ہو جاتی ہے، اس Theory کا یہ حصہ Mass Increment تجربات سے ثابت ہو چکا ہے، ان تجربات میں Protons اور دوسرے ایٹموں کو مختلف طریقے سے Accelerators ایک طرح کی مشین میں Electrons بہت تیز رفتاری سے حرکت دی گئی اور یہ محسوس کیا گیا کہ جوں جوں ان کی رفتار روشنی کی رفتار کے قریب ہوتی گئی ان کی کمیت یعنی M میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ پہلے اور تیسرے Postulates کی ایک ہی بنیاد ہے، تو ہم اس سے اخذ کرتے ہیں کہ اس طرح سے Time Delation بھی ثابت ہو جاتی ہے، Time Delation اس کلیے میں $T = \dfrac{T_0}{\sqrt{1-V^2/C^2}}$ سے حرکت دیں، T0 ایک چھوٹا سا لمحہ ہے، چنانچہ ہم کسی چیز کو روشنی کی رفتار تو وہ لمحہ جس کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہو جاتی ہے، وہ اسی جگہ رک جاتا ہے، لیکن Theory Of Relativity کے اس Special Concept پر مزید 40 سال کے کام نے یہ بتایا کہ یہ لمحہ صرف ساکن ہی نہیں ہو جاتا بلکہ Dilate ہو کر ماضی، حال اور مستقبل کی تینوں حالتوں پر حاوی ہو جاتا ہے، چنانچہ وہی ایک لمحہ ماضی بھی ہوتا ہے، حال اور مستقبل بھی ایک Time Delation کی یہ حالت صرف اس Relativistice Frame کے لیے ہوتی ہے، جو روشنی کی رفتار سے حرکت کرتا ہے، جب کہ باقی دنیا کے لیے وقت اسی طرح سے چلتا رہتا ہے۔ اس ایک "لمحے" کا وقت کی تینوں حالتوں پر حاوی ہو جانے کو ریاضی والوں نے یوں کہا ہے کہ Relativistice Mass ایسا Frame ہے، جو Time Barrier کو توڑ دیتا ہے، Time Barrier ایک بہت اونچی اور لمبی دیوار کی مانند ہے، جس سے دوسری طرف جانے کے لیے صرف ایک دروازہ ہے اور کوئی شخص ایک طرف سے دروازے سے گزرتا ہوا دوسری طرف چلا جاتا ہے، جب وہ پہلی طرف تھا تو وہ دوسری طرف کے حالات سے ناواقف تھا اور وہ جب دوسری طرف گیا تو وہ پہلی طرف کے حالات سے ناواقف ہو گیا، لیکن کوئی قوت اگر اس کو دیوار کے اوپر بٹھا دیتی ہے تو وہ دونوں طرف کے حالات کو دیکھ سکتا ہے۔

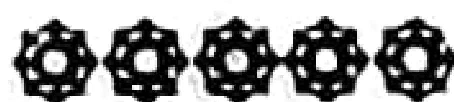
Time Barrier بھی اس طرح کی ایک وقت کی دیوار ہے، جس میں ایک طرف ماضی

ہے، دوسری طرف مستقبل اور دروازہ حال کو ظاہر کرتا ہے، ایک شخص ماضی میں ہوتا ہے اور وہ اس دروازے یعنی حال سے گزر کر مستقبل کی طرف چلا جاتا ہے۔

جب Time Deflation ہوتی ہے تو ہم فرض کر سکتے ہیں کہ Relativistice Frame اس وقوع سے Time Barrier کے اوپر پہنچ جاتا ہے، جس سے ماضی بھی نظر آتا ہے، حال یعنی دروازہ بھی اور دوسری طرف مستقبل بھی۔ معراج کے واقعہ کو Time Delation کی بنیاد پر Explain کیا گیا تھا، حضور نبی کریم ﷺ کے لیے ایک لمحہ، جس کو قرآن نے سورۂ اسراء کی پہلی آیت میں رات کا قلیل حصہ کہا ہے، Dilate ہو گیا تھا، جس میں حضور نبی کریم ﷺ ماضی میں تھے، حال میں بھی اور مستقبل میں بھی تھے اور یہی لمحہ Dilate ہو رہا تھا، جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے قدرت کی نشانیاں، ماضی کی قوموں کے حالات، مستقبل میں پیش آنے والے حادثات و واقعات ملاحظہ فرمائے۔

ایک برطانوی نو مسلم نے اپنے مضمون ''معراج شریف اور Time Delation'' میں اس بات کا خود اعتراف کیا کہ Concept اس واقعہ کو پوری طرح سے واضح نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ Theory خود ہی بتاتی ہے کہ Dilated Time Frame اور Dilate Time صرف اور صرف حال کی حالت میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اس کو اس مثال سے واضح کیا جاتا ہے کہ ''قاتل سے ناواقف ہیں'' ہم اپنا کوئی سا بھی لمحہ Dilate کر کے ماضی کو دیکھ سکتے ہیں مگر خود مداخلت کر کے مقتول کو بچا نہیں سکتے، کیوں کہ اس کے لیے ہمیں اپنی ذات کو اس حصے میں منتقل کرنا پڑے گا، جس میں وہ قتل ہوا ہو گا اور اس میں منتقلی کے لیے ہمیں اپنے Dilated Time Frame کو چھوڑ کر ماضی کے Non - Dilated Time میں داخل ہونا پڑے گا، جب کہ جونہی ہم اپنے Dilated Time Frame سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے، ہم اپنی اصلی زندگی میں آ جائیں گے جو کہ حال میں ہے جب کہ حضور ﷺ نے تو ماضی کی حالت میں قدم رکھا تھا اور تمام انبیاء کی امامت کی، اس طرح آپ نے مستقبل میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور جنت اور دوزخ میں جزا و سزا پاتے دیکھا، اسی صورت حال پر بے ساختہ علامہ اقبال کی زبان میں بندہ پکار اٹھتا ہے:

سبق ملا ہے معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں



عروج کی آخری منزل

حافظ مظہر الدین

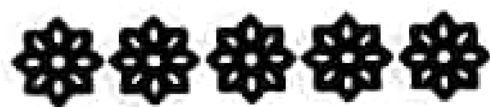
معراج نام ہے عروج کی آخری منزل کا--- جس کے بعد بلندیوں کا تصور ممکن نہ ہو--- آدم علیہ السلام کی معراج کا مقام جنت تھا----- ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سماویہ وارضیہ دکھائے گئے تھے--- یونس علیہ السلام کے لیے مچھلی کا پیٹ تجلی گاہ بنا تھا--- موسیٰ علیہ السلام کو یہ جلوہ طور پر نظر آیا تھا--- یہ تمام مقامات انبیاء علیہم السلام کے لیے تجلی گاہ بنے تھے، یہ ان کی معراج تھی--- مشاہدات اپنی کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے خواہ کتنے بھی مختلف النوع کیوں نہ ہوں، ان کے معراج ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا--- اس لیے کہ معراج نام ہی مشاہدے کا ہے، یہ مشاہدہ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ--- آئینۂ جمال، خواہ کلام بنے یا ملکوت سماویہ وارضیہ میں نظر آنے والا نور--- طور کی تجلی ہو یا جنت کا حسن و جمال--- یہ سب ذات واجب الوجود کے حسن و جمال کے آئینے ہیں اور ان کی رؤیت کا نام معراج ہے---

انبیاء علیہم السلام کو یہ کیفیتیں بیداری میں نصیب ہوئی تھیں--- کلیم اللہ نے بیداری میں جلوہ دیکھا تھا--- آدم کی سیر جنت بھی کوئی خواب کا واقعہ نہ تھا--- ابراہیم کا مشاہدہ بھی ظاہری آنکھوں سے تھا--- اور--- یونس کے قلب پر وحی بن کر گرنے والی تجلی بھی انہیں بیداری ہی میں نصیب ہوئی تھی--- انبیاء علیہم السلام کی معراج کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس حضور ﷺ کی معراج کو کیسے ایک کشفی اور نومی کیفیت قرار دے سکتا ہے؟--- وہاں جلوہ بیداری میں تھا تو یہاں خواب میں کیسے ہو سکتا ہے؟--- کیا خواب حقیقتوں کا مثیل ومماثل ہو سکتا ہے؟--- یہ شرف تو حضور ﷺ کو بخشا ہی اس لیے گیا تھا کہ معراج کے جس سلسلے کی ابتداء

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَهٗ

آدم علیہ السلام کی سیر جنت سے ہوئی تھی اور وہ کلیم اللہ علیہ السلام کو نظر آنے والی تجلی پر پہنچ کر فتح ہوا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچ کر مکمل ہو جائے --- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کی تکمیل ہی نہیں کی، معراج کی تکمیل بھی کر دی --- آدم علیہ السلام کی سیر ابتداء تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیر انتہا:

مسیح بر فلک چار میں قرار گرفت   کلیم بر جبل طور اعتبار گرفت
غلام ہمت آنم کہ فوق کون و مکاں   براق عزم دوانید و دست یار گرفت

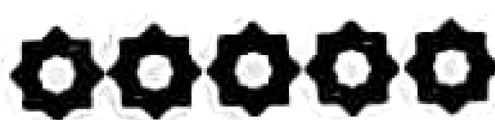


"نغمۂ معراج"

عالم قدس میں ہے نور و ضیا آج کی رات   عازم عرش ہوا شمس ضحیٰ آج کی رات
اپنے محبوب سے کہتا ہے خدائے برحق   خلوت ناز میں اک بار تو آ، آج کی رات
دونوں عالم میں ہے اک نور و ضیا کا عالم   سیر کو نکلا ہے اک بدر دجیٰ آج کی رات
بزم کونین میں ہر سمت ہے جلووں کا ہجوم   پیکر حسن ہوا جلوہ نما آج کی رات
بوئے عشرت سے معطر ہوئے ذروں کے دماغ   عطر افشاں ہے دو عالم کی فضا آج کی رات
عرش اعظم بھی ہے مشتاق قدوم عالی   فرط بہجت سے ہے سجدے میں جھکا آج کی رات
گلشن دہر کا ہر پتہ ہے مائل بہ درود   اور ہر ذرہ ہے معروف ثنا آج کی رات
عرش اعظم پہ بلایا ہے باانداز جمیل   دیکھیے شان شہ ارض و سما آج کی رات
روئے عرفاں سے حجابات اٹھے ہیں سارے   کھلنے ہی والے ہیں اسرار دنیٰ آج کی رات
"بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی"   خود خدا نے یہ محمد سے کہا آج کی رات
مل گئیں آپ کو منہ مانگی مرادیں ساری   عام ہے لطف و کرم، جود و سخا آج کی رات

بخت جاگے ہیں قمر! آج سیہ کاروں کے
ذکر ان کا ہے سر عرش علیٰ آج کی رات
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قمر یزدانی



معراج مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ....الآیۃ﴾---

یہ آیت کریمہ نعت پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گنجینہ ہے، اس میں واقعہ معراج کا اجمالی ذکر ہے۔

تین باتیں اس جگہ قابل غور ہیں:

1. معراج کیوں ہوئی؟
2. کس طرح ہوئی؟
3. اس سے کیا نصائح حاصل ہوئیں؟

معراج چند مصلحتوں سے ہوئی

اوّلاً یہ کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جو مراتب فرادیٰ فرادیٰ ملے، وہ سب جمع ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے۔

- حضرت خلیل علیہ السلام پر آگ گل زار ہوئی، تو جس دستر خوان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست مبارک پونچھے، وہ تنور میں نہ جلا۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ فرمایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دو فرزند زندہ ہوئے۔[خر پوتی]
- حضرت مسیح علیہ السلام نے مردے کو زندہ کر کے اپنی گواہی لی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوکھی لکڑیوں اور کنکریوں سے اپنا کلمہ پڑھوالیا۔
- حضرت کلیم علیہ السلام نے عصا مار کر پتھر سے پانی پیدا کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پیدا ہوئے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ دم فرمادیا تو شوربا اور بوٹیاں اور آٹے میں برکت ہوئی، بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں یہ طاقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی توجہ سے آئی کہ سیکڑوں آدمیوں کا کھانا پکالیا۔
- چوں کہ حضرت کلیم علیہ السلام نے طور پر رب تعالیٰ سے کلام کیا، حضرت مسیح علیہ السلام چہارم آسمان پر تشریف لے گئے تو ضرور تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ملے، جو سب سے بڑھ کر ہو۔

کلیم اللہ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے، کلمۃ اللہ علیہ السلام چہارم آسمان پر، کلمات اللہ، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش سے آگے۔کلمات اللہ کے برکات یہ ہیں کہ اس میں بلندی ہے۔

ثانیاً تمام نبیوں نے خدا کی ذات وصفات، جنت ودوزخ کی گواہی دی، مگر کسی نے آنکھ سے نہ دیکھا تھا اور شہادت کی تکمیل یہ ہے کہ یا تو شاہد نے واقعہ خود دیکھا ہو یا دیکھنے والے سے سنا ہو۔لہٰذا ضرورت تھی کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں ایک ہستی ایسی بھی ہو جس نے یہ تمام چیزیں اپنی آنکھ سے دیکھی ہوں۔

﴿اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے اور اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم الانبیاء کہا گیا ہے۔یہ شہادت ختم ہو چکی، گویا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی خبریں اسناد تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ اسناد ختم ہوئی۔

ثالثاً خدائے قدوس نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ﴾---

اللہ خریدار ہے، مسلمان بائع اور سودا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت سے۔ضروری ہے جس کی معرفت سے سودا ہو وہ قیمت اور مال خود دیکھے۔تو فرمایا گیا کہ اے محبوب! تم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو ملاحظہ فرمالیا، اب آؤ جنت ودوزخ کی سیر بھی کر لو، ہم نے تم کو دیکھا، تم بھی ہم کو دیکھ لو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیکھنا مسلمانوں کا دیکھنا ہے۔قراءۃ الامام لہ قراءۃ

رابعاً عرش وفرش اور تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمادیے گئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

﴿اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾---

اسی لیے جنت کے دروازے پر، پتہ پتہ اور ڈالی ڈالی پر لکھا ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ---

یعنی یہ تمام چیزیں کارخانہ قدرت الٰہیہ کی بنی ہوئی ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں دی ہوئی ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کی چیز اسی کا نام منظور الٰہی ہوا کہ مالک کو اس کی ملکیت دکھا دی جائے۔

خامسًا

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

معراج کس طرح ہوئی؟

نبوت کے گیارہ برس چھ ماہ بعد رجب کی ۲۷ تاریخ کی آخر شب یعنی شب دوشنبہ کو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی، جس کا مختصر واقعہ یہ ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں بیان ہوا ہے کہ رجب کی ستائیسویں رات ہے، شب کا آخری حصہ ہے، حضور سید عالم ﷺ اپنی ہمشیر ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ میں آرام فرما ہیں کہ حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام براق اور برات لے کر حاضر ہوئے، پیغام الٰہی لائے، اپنے کافوری بازو مبارک تلووں سے مل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جگایا، رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا، سینہ بے کینہ کو چاک فرما کر آب زم زم سے قلب پاک کو دھویا، پھر اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھرا، پھر آب کوثر سے غسل کرایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دولہا بنایا، حلہ بہشتی پہنایا، براق حاضر کیا، جس کی رفتار عقل سے باہر ہے:

تھا براق نبی یا کہ نور نظر ؏ یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے لگام پکڑی، اسرافیل علیہ السلام پیچھے ہوئے، ملائکہ علیہم السلام نے چاروں طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے اس نرالے دولہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی، آن کی آن میں بیت المقدس آیا، وہاں تمام انبیاء و رسل و ملائکہ علیہم السلام کو موجود پایا کہ استقبال کے لیے حاضر ہیں اور نماز کی تیاری ہے۔ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتظار ہے۔ دولہا کا پہنچنا تھا کہ سب نے سلامی مجرا ادا کیا، تمام انبیاء اور فرشتے مقتدی بن کر صف بستہ پیچھے کھڑے ہو گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی۔ سبحان اللہ! کیا نماز ہے کہ انبیاء علیہم السلام مقتدی، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام امام، پہلا قبلہ جائے نماز، ملائکہ مقربین موذن، جبریل امین علیہ السلام نے اذان و تکبیر کہی:

نمازِ اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہوں معنئ اوّل و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اس نماز سے فارغ ہونا تھا کہ سفرِ آسمان تیار تھا، وہ ہی براق، وہ ہی برات، وہ ہی دولہا، وہ ہی براتی، آن کی آن میں پہلا آسمان آ گیا، حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے استقبال کیا، اپنے فرزند کی بلائیں لیں، مدتوں بعد تمنا بر آئی، مرحبا کہا، پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے، گزرتے گئے، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام زیارتِ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے۔ یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا، یہ سدرہ حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے سدِّ راہ بن گیا، پھر یہ حال ہوا:

بغور صدا سما یہ بندھا، یہ سدرہ اٹھا، وہ عرش جھکا
صفوف سمانے سجدہ کیا، ہوئی جو اذاں تمہارے لیے

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آگے جانے سے معذرت کی، فرمایا کہ جبریل! یہ طریقہ ہم راہی نہیں کہ ساتھ چھوڑ دو۔ عرض کیا:

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

آگے یا تو لے جانے والا رب جانے یا جانے والے محبوب، کہ کہاں گئے، وہاں گئے، جہاں، کہاں ہی ختم ہو چکا تھا:

کسے ملے گھاٹ کا کنارا، کدھر سے گزرے، کہاں اتارا
بھرا جو مثل نظر طرارا، وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

رب نے کیا دیا، محبوب نے کیا لیا، رب نے کیا فرمایا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سنا اور حبیب و محبوب، طالب و مطلوب میں کیا راز و نیاز ہوئے، یہ تو وہ دینے والا اور یہ لینے والا جانیں۔ قرآن کریم نے بھی یہ بھید نہ کھولا، بلکہ فرمایا:

﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾---

ہاں! اتنا پتا لگا ہے کہ وہاں امت گنہگار کا ذکر بھی آیا اور رب کی طرف سے دن و رات میں پچاس نمازوں کا مبارک تحفہ ملا، واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر پانچ پانچ کم ہو کر صرف پانچ باقی رہیں۔ نیز اسی سفر میں جنت و دوزخ کی سیر بھی فرمائی کہ جو واقعات بعد قیامت ہونے والے تھے،

وہ اسی شب ملاحظہ فرمائے۔ چناں چہ ایک جماعت کو گرم پتھر کھاتے ملاحظہ فرمایا، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، یہ بخیل مال دار ہیں جو مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ ایک شخص کو خون کے دریا میں کھڑا دیکھا تو جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا، یہ سود خور ہیں جو غریبوں کا خون چوستے تھے۔ ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا، ان کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ بے عمل عالم ہیں، جن کے کردار گفتار کے مطابق نہیں تھے۔ بعض لوگوں کو دیکھا، جن کے ناخن تانبے کے ہیں، جن سے وہ اپنے جسم و چہروں کو زخمی کررہے ہیں۔ حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ یہ چغل خور اور غیبت کرنے والی قوم ہے۔

واقعہ معراج میں حسب ذیل نکات ہیں

① نبوت کی مدت ۲۳ سال ہے، جس کے نصف ساڑھے گیارہ سال میں معراج ہوئی۔ نبوت کا سال ربیع الاوّل سے شروع ہے، جس کے بالکل وسط میں رجب واقع ہے۔ ہفتہ شرعی جمعہ سے شروع ہوتا ہے، دوشنبہ بالکل اس کے وسط میں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ اس نبی کا دین درمیانی دین ہے اور امت امتِ وسط ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا...... الآیۃ﴾ لہٰذا معراج ماہ رجب، دوشنبہ کی شب میں ہوئی۔

② حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت، ہجرت، مدینہ منورہ میں داخلہ، عطاء نبوت، معراج اور وفات تمام امور دوشنبہ کو ہوئے، اسی لیے اس دن کا نام یوم الاثنین ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درجہ ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

غرض یہ کہ دوسرے درجہ والا، دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا، اسی لیے اردو والے اس دن کو پیر کہتے ہیں کہ تمام ایام ہفتہ اس سے مستفیض اور یہ فیاض ہے۔

③ معراج رات میں ہوئی، وہ بھی آخری رات ۲۷ کی، کہ نہ دشمنوں کو علم ہوا اور نہ دوستوں کو خبر۔

دو وجہ سے:

اوّل: تو اس لیے کہ معراج میں وصال ہے اور ہر وصال کے لیے رات موزوں، اسی لیے عبادات اور راز و نیاز کے لیے رات موزوں مانی گئی ہے۔

دوم: اس لیے کہ آج حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اصل رنگ میں جلوہ گر ہے، کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو دیکھ سکے، ہاں ملائکہ کی آنکھ ہی ہے جو اس جلوے کی متحمل ہو۔ ان میں بھی حسب طاقت ہی ساتھ دے سکے، اس شب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال آفتاب کی سی تھی کہ جوں جوں چڑھتا ہے، نور بڑھتا ہے:

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب، سدرہ آیا، کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جو عرش خدا پایا

④ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی کہ آپ نبی الانبیاء اور امام الحرمین کے لقب سے کتب سابقہ میں ملقب ہیں۔ نیز ارشاد ہوا:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ﴾---

آج اس کا ظہور ہے کہ سلاطین اولین مقتدی بن کر پیچھے حاضر ہیں۔

⑤ انبیائے کرام علیہم السلام سے آسمانوں پر ملاقات ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ براق کی رفتار بایں تیزی سے بھی انبیاء کرام کی رفتار زیادہ تھی، انبیائے کرام علیہم السلام ابھی بیت المقدس میں تھے اور ابھی استقبال کے لیے اپنے اپنے مقامات پر آسمان میں پہنچ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ارواح مقدسہ کی رفتار نگاہ کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔

⑥ اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی، پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بار بار عرض کرنے پر پانچ رہیں، اس میں چند حکمتیں تھیں:

اوّل تو یہ کہ لوگ جان جاویں کہ ارواحِ مقدسہ بعد موت کے بھی زندوں کی امداد کرتی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی امداد سے پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں۔

دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ملاحظہ فرمالیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ درجہ عطا ہوا ہے کہ بے تکلف بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاویں، نہ روزوں کی قید اور نہ نعلین پاک کے اتارنے کا حکم۔

سوم یہ کہ عرش معلیٰ کو بار بار قدم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یابی کا موقع ملے۔

چہارم اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا، ﴿رَبِّ اَرِنِیْ﴾ اس وقت موقع نہ ملا، آج بتوسط مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوب خدا کا دیدار کر لیں۔

اعتراضات

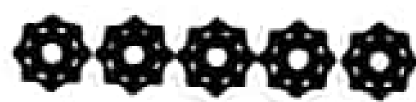
معراج پر ناواقفوں کے کچھ اعتراض ہیں:

اوّلاً یہ کہ جسم ثقیل اوپر نہیں حرکت کر سکتا، دوم یہ کہ درمیان میں آگ اور زمہریر ہے، وہاں سے انسان کا گزرنا ممکن ہے، سوم یہ کہ آسمان میں دروازہ نہیں، کس طرح داخلہ ہوا، چہارم یہ کہ ہزار سال کا راستہ اتنی دیر میں کس طرح طے ہوا کہ واپسی پر زنجیر ہل رہی تھی اور بستر پاک گرم تھا۔ ان سب کا جواب فقیر کے پتھر کی طرح صرف ایک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور ہیں اور نور کے لیے یہ کوئی بات نہیں۔ نور نظر عینک میں سے نکل جاتا ہے، بغیر دروازے کے آنا فانا آ جائے، آسمان پر

ہو کر لوٹتا ہے، نہ جلتا ہے، نہ سرد پڑتا ہے۔

آیت کے نکات

اس آیت کو ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ﴾ سے اس لیے شروع کیا گیا کہ آئندہ مضمون بہت تعجب انگیز ہے اور عرب کا قاعدہ ہے کہ تعجب کی بات کو سبحان اللہ سے شروع کرتے ہیں، نیز منظور یہ ہے کہ کوئی اعتراضات مذکورہ کی بنا پر معراج کا انکار نہ کر بیٹھے، اس پر نگاہ کرے کہ رب تعالیٰ مجبوری اور معذوری سے پاک ہے اور اسی کا یہ فعل ہے۔ اس جگہ حضور کو ﴿عبدہ﴾ فرمایا، ﴿رسولہ﴾ یا ﴿نبیہ﴾ نہ فرمایا، اس لیے کہ حسب موقع لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ خدا کے پاس سے دنیا میں آویں گے تو رسول کی حیثیت سے اور دنیا سے خدا کی بارگاہ میں حاضری ہے تو شان عبدیت سے۔ نیز عبد، فنافی المولیٰ ہوتا ہے کہ ذات اور مال سب مولیٰ کا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درجہ فنا فی اللہ عطا فرمایا گیا، جو ولایت کا درجہ اعلیٰ ہے۔ سفر معراج کی ابتدا ﴿من المسجد الحرام﴾ ہے اور انتہا ﴿الی المسجد الاقصٰی﴾ یعنی دور والی مسجد خواہ بیت المقدس ہو، خواہ بیت المعمور، غایت ﴿لنریہ﴾۔



وفیات

گزشتہ دنوں علامہ احمد قصوری صدر مرکز اہل سنت پاکستان اور ڈاکٹر بشیر احمد سلیمی، لاہور کی ہمشیر---

پیر طریقت حضرت سید محمد حسین شاہ، چک سادہ شریف گجرات---

حافظ دلمیر حسین، منڈی احمد آباد کی ہمشیر---

محمد جاوید نوری، ٹیچر بصیر پور کے والد محترم---

حافظ محمد عباس نوری، چک 413/E.B بوریوالا کی والدہ محترمہ---

مولانا انوار الحسن نوری، بھیڈیاں چوکی کے برادر مکرم---

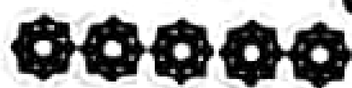
حافظ خلیل احمد نوری، بہاول داس دیپال پور (متعلم دار العلوم) کے والد محترم---اور

حافظ عبد الوحید، 306/H.R مروٹ (متعلم دار العلوم) کی دادی صاحبہ قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین



تذکرۂ روح القدس علیہ السلام

افکار رضا کی روشنی میں

مولانا محمد شہزاد مجددی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آسمان علم و فضل کے وہ نیر تاباں ہیں، جن کی علم و تحقیق سے معمور شعاعوں نے ایک عالم کو منور اور درخشندہ کر رکھا ہے۔ نعتیہ شاعری کے میدان میں آپ مرتبۂ امامت پر فائز ہیں اور اہلِ ادب آپ کے نعتیہ کلام میں فکر کی بلندی اور امکانات کی گہرائی کے حوالے سے نئے نئے آفاق تلاش کرنے میں مشغول ہیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیتے ہیں، لہٰذا جادۂ مدحت کے اس ہفت خواں کو کامیابی سے طے کرنے کے لیے آپ نے قرآن کریم کو مرشد و ہادی اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اپنا استاذ و رہبر قرار دیا ہے۔ ایک جگہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر اسلام اور مداحِ دربارِ رسالت ہیں، آپ رضی اللہ عنہ

مقبولِ بارگاہِ رسالت بھی ہیں اور حمایت یافتۂ جبریل امین علیہ السلام بھی ہیں۔ جناب حسان رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ کر محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں بیان کرتے اور آپ کی عزت و ناموس کا دفاع کرتے ہوئے منکرین شانِ رسالت کا ردِ بلیغ فرماتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر دعائیہ کلمات سے ان کا حوصلہ بڑھاتے۔ کبھی ارشاد ہوتا:

یَا حَسَّان! اَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ---[بخاری، کتاب الادب، رقم ۵۶۸۶]

''اے حسان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دے''---

کبھی فرمان ہوتا:

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ---[مسلم، فضائل الصحابۃ، رقم ۴۵۳۹]

''اے اللہ! روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرما''---

کبھی زبانِ رسالت سے یوں نکلتا:

اُھْجُ الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ مَعَکَ---

[بخاری، رقم ۴۰۳۵/ مسند احمد، رقم ۱۷۷۹۵]

''مشرکوں کی مذمت کر، بے شک جبریل تیرے ساتھ ہے''---

یوں تائید جبریل، حضرت حسان کے شامل حال ہوتی اور انھوں نے اپنے ممدوح کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے روح الامین علیہ السلام کی شان میں بھی اشعار کہے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں، چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

وَ جِبْرِیْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیْنَا
وَ رُوْحُ الْقُدُسِ لَیْسَ لَہٗ کِفَاءٌ

''اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جبریل علیہ السلام ہم میں موجود ہیں اور روح القدس کی کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے''---

اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے ممدوح و رہبر کی پیروی میں ممدوحِ انبیاء و رسل حضرت جبریل علیہ السلام کی شان میں جا بجا اشعار کہے اور قرآن و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے کتب سیر و تواریخ پر نگاہ رکھتے ہوئے روح القدس کے تذکار سے اپنے کلام کو مزین کیا:

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم [حدائق: ۲۷]

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اپنے افکارِ عالیہ کو ایک محدثِ کبیر کے انداز میں کامل احتیاط کے ساتھ کتبِ حدیث و سیرت پر نگاہ رکھتے ہوئے شعری قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔

آپ جبریلِ امین علیہ السلام کو بارگاہِ رسالت کا محرمِ راز اور مشیرِ اعظم قرار دیتے ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَما وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَ مِیْکَائِیْلُ ---

[حاکم مستدرک، عن ابی سعید/ مشکوٰۃ، کتاب المناقب]

''آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر جبریل و میکائیل ہیں'' ---

چوں کہ وزیر و مشیر بھی اہلِ خدمت میں سے ہوتے ہیں، لہٰذا حضرت جبریلِ امین علیہ السلام بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وزارت و مشاورت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی، بیہقی، طبرانی، ابوالشیخ کے حوالے سے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور جبریلِ امین علیہ السلام کے ساتھ سرگوشی میں مشغول تھے کہ اچانک آسمان کا ایک کنارہ پھٹا، جبریلِ امین علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے، دیکھا تو ایک فرشتہ تھا جو اس راستے سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو کھڑا ہو گیا اور عرض کی:

''یارسول اللہ! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں اور چاہیں تو (شان و شوکت) والے بادشاہ نبی بنیں'' ---

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریلِ امین علیہ السلام کی طرف دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے عاجزی و انکساری کرنے کا اشارہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے مشورہ دے رہے ہیں، لہٰذا میں نے کہا:

''میں نبی عبد بنوں گا'' --- [الحبائک فی اخبار الملائکہ، صفحہ ۵]

مسند احمد (رقم: ۱۴۰۷) میں یہ روایت حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حضرت روح القدس علیہ السلام ملائکہ رسل میں سے ہیں اور فرشتوں کی سیادت و قیادت کے منصب پر فائز ہیں، بارگاہِ الٰہی کے مقربِ خاص اور محرمِ راز ہیں، قرآن پاک اور کتبِ حدیث و سیرت میں آپ کے القاب و اسماء اور صفات و مناقب کا تذکرہ مختلف مقامات پر ملتا ہے۔ بلاشبہ کثرتِ اسماء و القاب آپ کے بلند مراتب کی دلیل ہے۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسروِ خیلِ ملک ، خادمِ سلطانِ عرب

آیات قرآنی کی روشنی میں

کلامِ پاک میں حضرت روح القدس علیہ السلام کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ آپ کا اسمِ گرامی

'جبریل' تقریباً ۳ بار آیا ہے:

۱)......البقرۃ:۹۷ ۲)......البقرۃ، آیت نمبر:۹۸

۳)......تحریم:۴ میں لفظِ 'جبریل' سے یاد کیا گیا ہے۔

'روح القدس' کے لقب سے پانچ مقامات پر یاد کیا گیا ہے:

۱)...... البقرہ:۲۵۲ ۲،۳)......البقرہ:۸۷ میں دوبار

۴)......المائدہ:۱۱۰ ۵)......النحل:۱۰۲

'روح الامین' کی صفت سے آپ کا تذکرہ سورۃ الشعراء:۱۹۳ میں ملتا ہے۔

'الروح' کے وصف کے ساتھ تقریباً پانچ مقامات پر متصف کیا گیا ہے:

۱)...... الغافر:۱۵ ۲)...... المجادلہ:۲۲ ۳)......المعارج:۴

۴)......النبا:۳۸ اور ۵)...... القدر:۴

جب کہ بعض جگہ 'الروح' کے اطلاق میں مفسرین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔

سورۂ مریم:۱۷ میں 'رُوْحَنَا' اور 'بَشَرًا سَوِيًّا' کہہ کر یاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت سیدنا جبریل امین علیٰ نبینا وعلیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معزز رسول بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے رسول منتخب فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰۤئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾---[الحج:۷۵]

"اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چن لیتا ہے"---

اور جبریلِ امین علیہ السلام کو تو قرآن نے رسول کریم کہا ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝﴾---[التکویر:۱۹]

"بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے"---[کنزالایمان]

سورہ التکویر کی دیگر آیات میں آپ کو درج ذیل صفات والقابات سے یاد کیا گیا ہے:

۱)......'ذِىْ قُوَّةٍ' طاقت ور، مضبوط گرفت والا

۲)......'مُطَاعٍ' اور: ۳)......'اَمِيْنٍ'

یعنی جبریلِ امین علیہ السلام اپنی خلقت کے اعتبار سے قوت وہیبت وجبروت کے مالک ہیں اور آسمان والوں کے پیشوا اور قائد ہیں، بارگاہِ الٰہی میں قربِ خاص اور وجاہت کے حامل ہیں اور آپ کو حریمِ ذات کے ستر پردوں تک بلا اذن اندر جانے اختیار حاصل ہے۔[ابن کثیر]

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے جبریل علیہ السلام کو 'امین' کہہ کر خود ان کی امانت و دیانت کی گواہی دی ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''اس مقام پر رب العالمین ﷻ نے اپنے رسولِ بشری اور ملکوتی (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کیا ہے''---

سورہ النجم میں بھی اسی انداز سے حضرت جبریل علیہ السلام کی امتیازی حیثیت کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیo ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰیo﴾---[النجم:۵،۶]

''انھیں سکھایا سخت قوتوں والے، طاقت ور نے، پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا''---[کنزالایمان]

یہاں آپ کو 'شَدِیْدُ الْقُوٰی' یعنی زبردست، مضبوطی اور طاقت والا کہا گیا ہے، 'ذُوْ مِرَّۃٍ' کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں، بعض مفسرین نے خوب صورتی اور حسن و جمال سے بھی اسے تعبیر کیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی رفعتِ شان کا کیسا اظہار ہو رہا ہے کہ آپ اللہ کے حکم سے حضور ﷺ کو قرآن اور وحی کی تعلیم دینے پر مامور تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷻ و ﷺ) کے مابین واسطہ وسند کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے شاید اسی آیت کو مدنظر رکھ کر فرمایا ہے:

''وہ (جبریل) من وجہ نبی اکرم ﷺ کے استاد ہیں، اس لیے ان کا احترام اور ان کے مقام و مرتبے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے''---

[اعتقاد الاحباب فی الجمیل و المصطفیٰ و الآل و الاصحاب]

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بعض واعظ حضرات ان کے بارے میں واقعۂ معراج بیان کرتے ہوئے نامناسب انداز اختیار کر جاتے ہیں، انھیں احتیاط کرنی چاہیے''---

[مطالع المسرات، ترجمہ اردو، صفحہ ۲۱۷، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور]

حدیث و سیرت کے ذخائر میں بھی جنابِ جبریلِ امین علیہ السلام کے تذکرے جا بجا ملتے ہیں۔ حرا کی خلوتوں سے لے کر بابِ جبریل تک مجالست و مصاحبت کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کے درمیان طائف کی وادی، مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی مسافت، سدرۃ المنتہیٰ کی بلندیاں، دنٰی فتدلّٰی کے مرحلے، بدر و احد کے معرکے اور دین کے اسرار و رموز جیسے کئی موڑ آتے ہیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہے جہاں، بلبلِ شیدا ہو کر

دوسری جگہ مرغِ سدرہ کا تذکرہ ایک اور انداز سے کرتے ہوئے کلکِ رضا نے مضامینِ قرآنی

کوانوکھے انداز سے شعری قالب میں ڈھالا ہے، فرماتے ہیں:

عرش سے مژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے قدم قدم پر جنابِ جبریل علیہ السلام کی بارگاہِ رسالت سے وابستگی کوملحوظ رکھتے ہوئے مضامینِ نو کے پھول کھلائے ہیں اور شعر برائے شعر کہنے کی بجائے احادیث وسیرت کے ذخیرے پر محدثانہ نگاہ رکھتے ہوئے اہلِ فکر ودانش کی روحانی وعلمی ضیافت کا سامان بہم پہنچایا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ لاہوت وملکوت کے بحرِ بے کنار کی غواصی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ جبریلِ امین علیہ السلام کی عظمت وہیبت اور جلال و جبروت کو پوری آب وتاب سے اہلِ نظر کے سامنے لانے کی جوکاوش کرتے ہیں تو اس دوران لمحہ بھر کے لیے بھی وہ اپنے ممدوحِ اعظم اور آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے نگاہ نہیں ہٹاتے، بلکہ اس سارے اہتمام کا مقصد ہی شرحِ کمالاتِ نبوت معلوم ہوتا ہے کہ آؤ پہلے جبریل کی شان وعظمت کو اچھی طرح سمجھ لو پھر جبریل کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خود ہی کھل جائے گی۔ فرماتے ہیں:

تمہارے وصفِ کمال و جمال میں جبریل
مجال ہے کہ مجال و مساغ لے کے چلے [حدائق:۵۱]

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی بارگاہِ رسالت سے وابستگی اور کمال تعلق ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے، یہی سبب ہے کہ احادیث وسیرت میں بھی جبریلِ امین علیہ السلام کا تذکرہ اور احوال وآثار کثرت سے ملتے ہیں۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلِ امین علیہ السلام سے حد درجہ محبت اور گہرا تعلقِ خاطر تھا، جس کا اظہار موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف مواقع پر ہوا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روح القدس علیہ السلام کی باتیں سنایا کرتے تھے اور ان کا تعارف وتذکرہ بنفسِ نفیس فرما کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذوقِ ایمانی کو تقویت پہنچایا کرتے تھے۔ اسی شوق انگیز تذکرے اور تعارف کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جبریلِ امین علیہ السلام کی زیارت وملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور کچھ خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روح الامین علیہ السلام کا دیدار بھی کیا اور کچھ نے ان کی باتیں سن کر تسکین پائی۔

احادیث کی روشنی میں

زبانِ نبوت سے جبریلِ امین علیہ السلام کے صفات وکمالات اور شکل وشباہت کا بیان کس طرح سے ہوا ہے، اس کے لیے کچھ احادیث وروایات سے استفادے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

روایت بحوالہ ابوالشیخ نقل فرماتے ہیں:

اِنَّ جِبْرِیْلَ اِمَامُ اَهْلِ السَّمَاءِ---

[الحبائک فی اخبار الملائک، صفحہ۶/روح المعانی، جلد:۱، صفحہ۳۳۳]

''بے شک جبریل آسمان والوں کے امام ہیں''---

طبرانی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا:

الا اخبرکم بافضل الملائکۃ؟ جبریل---[الحبائک، صفحہ۶/روح المعانی، ایضاً]

''کیا میں تمہیں سب سے افضل فرشتے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ جبریل ہیں''---

مسندِ احمد میں حضرت علی بن حسین (زین العابدین ؓ) سے مروی ہے:

''حضرت جبریل علیہ السلام کا نام عبداللہ اور حضرت میکائیل علیہ السلام کا نام عبید اللہ ہے''---[مسند احمد، رقم:۹۷۸۸]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام کو سبز جبہ میں زمین و آسمان کو ڈھانپے ہوئے دیکھا''---

حضرت ابن مسعود ؓ سے دوسری روایت میں ہے:

رَاٰی جِبْرِیْلَ فِیْ صُوْرَتِهٖ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ---

''آپ ﷺ نے حضرت جبریلِ امین (علیہ السلام) کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر (بازو) تھے''---

ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام سے دریافت کیا:

هَلْ تَرٰی رَبَّکَ؟ قَالَ اِنَّ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِنْ نَارٍ وَ نُوْرٍ لَوْ رَأَیْتُ اَدْنَاهَا لَاحْتَرَقْتُ---

''کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو جبریل نے کہا، بے شک میرے اور میرے رب کے مابین ستر پردے آگ اور نور کے ہیں، اگر میں ان میں سے پہلے پردے کو بھی دیکھ لوں تو جل جاؤں''---

نبی کریم ﷺ جب آسمانوں کی سیر فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں ایسے دیکھا کہ ان کے پروں پر زمرد، یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے یوں لگا کہ ان کی پیشانی نے آسمان کے ایک حصے کو ڈھانپ لیا ہے، اس سے پہلے میں انھیں مختلف صورتوں میں دیکھتا رہا تھا اور اکثر اوقات میں نے جبریل کو دحیہ (صحابی) کی صورت میں دیکھا اور گاہے میں نے جبریل کو ایسے بھی دیکھا جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی کو (کپڑے کی باریک) چلمن میں سے دیکھتا ہے''---

احمد، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَرَ جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَيْنِ اَمَّا وَاحِدَةً فَاِنَّهٗ سَاَلَهٗ اَنْ يُّرِيَهٗ نَفْسَهٗ فَاَرَاهُ نَفْسَهٗ فَسَدَّ الْاُفُقَ، فَاَمَّا الْاُخْرٰى، فَلَيْلَةُ الْاِسْرَاءِ عِنْدَ السِّدْرَةِ---[الحبائک فی اخبار الملائک، صفحہ ۷]

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام کو ان کی حقیقی صورت میں سوائے دو بار کے نہیں دیکھا، ایک بار اس وقت جب آپ ﷺ نے خود جبریل امین سے فرمایا کہ مجھے اپنی اصلی صورت دکھاؤ، تو انھوں نے آپ ﷺ کو اپنی حقیقی صورت دکھائی، جس سے آسمان چھپ گیا اور دوسری بار معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک''---[مسند احمد، رقم:۳۸۶۱]

سدرۃُ المنتہیٰ کہاں ہے؟

سدرہ، لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہیٰ کے معنی انتہا کی جگہ، ساتویں آسمان پر عرشِ رحمٰن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے۔ مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتایا ہے اور دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔[معارف القرآن، بحوالہ قرطبی]

اس کو منتہیٰ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے۔ بعض روایات کے مطابق احکامِ الٰہیہ ابتدا میں عرشِ رحمٰن سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں، وہاں سے حق تعالیٰ کے سامنے پیشی کی کوئی دوسری صورت ہوتی ہے۔ مسند احمد میں یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول و مروی ہے۔[ابن کثیر]

یاد رہے کہ سدرۃ المنتہیٰ وہی مقام ہے، جہاں جبریلِ امین علیہ السلام معراج کی رات رک گئے تھے اور حضور ﷺ کے استفسار پر جواب دیا تھا:

اگر یک سرِ موی برتر پرم
فروغِ تجلیٰ بسوزد پرم

''حضور! اگر یہاں سے بال برابر بھی آگے بڑھا تو تجلیات ذاتیہ کی حدت سے میرے پر جل جائیں گے''---

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

کتبِ تفاسیر، احادیث اور سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے واقعہ معراج کے اس اہم موڑ پر پیش آنے والی اس کیفیت پر غور کیا جائے تو یوں لگتا ہے، جیسے 'سدرۃ المنتھیٰ' حریم ذات کی طرف جانے والے راستے کی آخری 'چیک پوسٹ' کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں سے آگے ہر مخلوق کا داخلہ ممنوع ہے۔ اسی لیے تو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تھکے تھے روح الامیں کے بازو، چھٹا وہ دامن، کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے [حدائق:۸۹]

دوسری جگہ امام اہل سنت اسی مضمون کو دوسرے انداز میں بیان فرماتے ہیں:

نہ روحِ امیں، نہ عرشِ بریں، نہ لوحِ مبیں، کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں، جو رمزیں کھلیں، ازل کی نہاں تمہارے لیے

سچ ہے یہ اسرار خاص، خاصانِ بارگاہ کے لیے ہی خاص تھے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف ایک منتخب ہستی کے لیے تھی جو اوّلین و آخرین کے امام اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ واقعہ معراج کے اسرار و رموز تک رسائی کے لیے جس کمال معرفت اور لطافت روحانی کی ضرورت ہے، فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا کلام اس کی شہادت دیتا ہے، واقعہ معراج کی تحیر خیزی کو آپ نے کیسے عارفانہ کمال سے بیان کیا ہے، ایک شعر دیکھیے:

قصرِ دنیٰ کے راز میں، عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے، تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں [حدائق:۳۱]

حضرت روح القدس کی بارگاہِ رسالت سے وابستگی کی کئی جہات اور مختلف پہلو ہیں۔ کبھی وہ سفیرِ ذات باری بن کر آتے ہیں، کبھی وزیر و مشیر بن کر بیٹھتے ہیں، کبھی رازداری و غم گساری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، تو کبھی معلم و استاد بن کر صحابہ کو دین سکھا رہے ہوتے ہیں۔ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی حضور کریم ﷺ سے یہی ہمہ پہلو وابستگی انھیں اہل محبت کی توجہ کا مرکز بناتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی دید کے مشتاق رہتے ہیں اور خود سرکار کونین ﷺ اپنی محفل میں ان کا تذکرہ کرتے اور سنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے جبریل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جبریل کے دو کندھوں کا درمیانی فاصلہ ایک تیز رفتار پرندے کی پانچ سو سالہ پرواز کے برابر ہے''---

ابن جریر، حضرت حذیفہ، ابن جریج اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں:

''جبریلِ امین ﷺ کے دو پر ہیں اور پروں پر مرصع موتیوں کی جھالریں ہیں، ان کے اگلے دانت چمک دار اور پیشانی روشن ہے، ان کا سر گویا وہ ایک ہیرا ہے اور برف کی مانند سفید ہے اور ان کے پاؤں سبزی مائل ہیں''---[الحبائک]

امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''جبریل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حاجتوں پر مامور ہیں، جب بندۂ مومن دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے جبریل! میرے بندے کی حاجت کو روکے رکھ، کیوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کی آواز مجھے پسند ہے''---

اور جب کوئی کافر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے جبریل! اس شخص کی حاجت جلد پوری کر، کیوں کہ میں اس سے بغض رکھتا ہوں اور اس کی آواز مجھے ناگوار ہے''---

حضرت سیدنا جبریل امین ﷺ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کی کیفیات اور آداب کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پورے انہماک سے دیکھتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ چناں چہ کتبِ احادیث میں مروی مشہور حدیث جسے 'حدیثِ جبریل' بھی کہتے ہیں، اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ حضور ﷺ نے مکالمہ کے اختتام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

هٰذَا جِبْرِیْلُ جَاءَ کُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ---

''یہ جبریل ہیں، جو تمھیں تمہارا دین سکھانے آتے ہیں''---

مسند احمد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے ہی کسی موقع پر یہ الفاظ مروی ہیں:

مَا رَأَیْنَا رَجُلًا اَشَدَّ تَوْقِیْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ هٰذَا---

''ہم نے کسی کو بھی اس شخص سے بڑھ کر حضور ﷺ کی توقیر و تعظیم کرتے نہیں دیکھا''---

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

تاجِ روح القدس کے موتی، جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ، پاکیزہ گوہر ایڑیاں [حدائق:۳۰]

حضرت سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام حضور ﷺ کے محرم راز، غم گسار ساتھی اور مصاحب تھے۔ جب کبھی آپ ﷺ مغموم یا متفکر ہوتے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام آ کر آپ ﷺ کو تسلی دیتے اور آپ کی دل جمعی کا سامان بہم پہنچاتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ایک دن جبریلِ امین علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ اہلِ مکہ کی ایذا رسانی کے باعث غم گین بیٹھے تھے، جبریل علیہ السلام نے پوچھا، آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے انھیں اپنے زخم دکھا کر فرمایا:

''دیکھو! ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور آگے کیا کرنے والے ہیں؟'' ---

تو جبریل علیہ السلام نے کہا 'کیا آپ ﷺ پسند فرمائیں گے کہ میں آپ ﷺ کو ایک نشانی دکھاؤں؟' آپ ﷺ نے فرمایا 'ہاں' تو جبریل علیہ السلام نے دور وادی میں ایک درخت کی طرف دیکھ کر فرمایا 'اس درخت کو بلایئے' تو آپ ﷺ نے اس درخت کو پکارا وہ درخت چلتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ پھر جبریل نے کہا 'اب اسے حکم دیجیے، واپس لوٹ جائے' آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا، چناں چہ آپ ﷺ نے مطمئن ہو کر فرمایا 'بس، مجھے اطمینان ہو گیا ہے'' --- [احمد، رقم: ۱۱۸۵۷]

حضرت معاویہ بن معاویہ المزنی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کا وصال ہو گیا اور حضور ﷺ سفر کے باعث کسی دوسرے شہر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا ''معاویہ بن معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اشتیاق رکھتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا 'ہاں' تو جبریل علیہ السلام نے اپنا پر زمین پر مارا تو کوئی درخت اور تنکا ایسا نہ رہا جو الٹ پلٹ نہ ہو گیا ہو، جب آپ ﷺ نے نگاہ اٹھائی تو جنازے کی چارپائی آپ ﷺ کے سامنے تھی، آپ ﷺ نے تکبیر کہی، جب کہ آپ ﷺ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں، جن میں سے ہر ایک صف میں ستر ہزار فرشتے تھے'' ---

نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

''اے جبریل! معاویہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس درجۂ قرب تک کیسے پہنچا؟'' ---

تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا:

''سورۃ الاخلاص (قل ھو اللّٰہ) کی محبت کے باعث اور اس سورت کی اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے ہر حال میں تلاوت کے سبب اسے یہ مقام ملا ہے'' --- [مجمع الزوائد، رقم: ۱۹۰۴۷]

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کو سرکارِ دو عالم ﷺ سے تعلق خاطر کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت

سے بھی محبت ہے۔ آپ اس امت کے عاصیوں کی بخشش اور مغفرت کی دعائیں بھی کرتے ہیں اور قیامت کے دن حضور ﷺ کے امتیوں کے لیے پل صراط پر اپنا پر بھی بچھائیں گے، تاکہ وہ سہولت سے یہ سخت ترین مرحلہ طے کرسکیں۔ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس کیفیت کو یوں منظوم کیا ہے:

پل سے اتارو ، راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو ، پر کو خبر نہ ہو [حدائق:۴۷]

عرصۂ محشر کے ہنگاموں میں امتِ نبوی کی دست گیری اور مشکل کشائی کے حوالے سے اسی مضمون کو بڑے لطیف پیرائے میں بانداز دگر یوں ادا فرماتے ہیں:

اہلِ صراط روحِ امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امتِ نبوی ، فرش پر کریں

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام جس گھر میں بار بار وحی لے کر اترتے تھے، اس گھر کے مکینوں سے بھی انھیں خاص انس تھا۔ خصوصاً ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو محرمِ اسرارِ نبوت تھیں، اس حوالے سے سرفہرست ہیں۔ حجرۂ عائشہ میں کثرتِ آمد و رفت کے باعث اس کے ایک دروازے کو بابِ جبریل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حضرت جبریلِ امین علیہ السلام حضور ﷺ کی وساطت سے امہات المومنین کو سلام پیش کیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ جبریل تمھیں سلام کہہ رہے ہیں''---

آپ فرماتی ہیں، میں نے کہا:

وَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ---

''ان پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت''---

''حضور! آپ ﷺ وہ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے''---[مسلم، رقم:۶۱۰۶]

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اسی خصوصیت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی حضور ﷺ علیل ہوتے تو جبریل آکر آپ ﷺ کو دم کیا کرتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اُرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ دَاءٍ یَشْفِیْکَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ عَیْنٍ---[مسند احمد، رقم:۲۴۸۷۴]

حضور ﷺ کے اہل بیت خصوصاً حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کو بہت لگاؤ تھا۔ ابوالفرج اصبہانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے:

کَانَ عَلَی الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ تَعْوِیْذَتَانِ حشوھُمَا مِنْ زَغْبِ جَنَاحِ جِبْرِیْلَ علیہ السلام---[الاغانی، صفحہ ۱۷۹۳]

"امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو تعویذ تھے جن میں جبریلِ امین علیہ السلام کے پروں کے نرم ریشے بھرے ہوئے تھے"---

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے پروں کی برکات تو کیا کہنا؟ آپ کے پاؤں سے چھو جانے والی مٹی بھی ایسی حیات بخش تھی کہ بنی اسرائیل کے سامری نے اس مٹی کے ذریعے بولنے والا سونے کا بچھڑا تیار کر لیا تھا، قرآن پاک میں اس کی تفصیل اور صداقت موجود ہے۔

سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام کے ان کمالات کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ امام الانبیاء ﷺ کے ہم نشین وجلیس ہیں اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَمِیْرِیْ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ جِبْرِیْلُ---

"فرشتوں میں میرا معتمد خاص جبریل ہے"---

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جبریل خواب میں آئے، سوائے پانچ اولوالعزم رسولوں کے۔ ایک قول کے مطابق جبریل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ۲۱ مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس ۴۳ مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ۴۸ مرتبہ، حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ۴ مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ۳ مرتبہ اور نبی پاک ﷺ کے پاس ۲۴ لاکھ ۲۰ ہزار مرتبہ تشریف لائے۔[مطالع المسرات (مترجم)، صفحہ: ۷۲۰]

امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ترے در کا درباں ہے جبریل اعظم
ترا مدح خواں ہر نبی، ہر ولی ہے

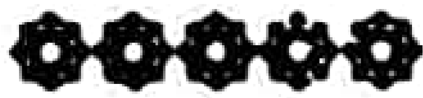
حضرت سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول اور ملائکہ مقربین میں سے ہیں۔ قرآن پاک میں آپ کی صفات وخصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے خالق کائنات نے آپ کے دشمنوں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے اور محبت جبریل کو اہل ایمان کی علامت فرمایا ہے۔

ہمارے آقا ومولیٰ امام الانبیاء ﷺ کے ارشادات سے بھی حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی رفعت شان اور مراتب عالیہ کا اندازہ ہوتا ہے اور ایمان بالملائکہ تو عقائد اسلامیہ کا لازمی جز ہے۔ یعنی فرشتوں کے وجود اور صفات وکمالات پر ایمان رکھنا مسلمان ہونے کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔

لٰہذا ملائکہ کرام علیہم السلام خصوصاً جبریلِ امین علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلامی عقائد ونظریات اور زبان وبیان کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کی دینی ضرورت اور ایمانی تقاضا ہے۔

مآخذ و مراجع

۱......قرآن پاک (کنزالایمان)
۲......صحیح بخاری
۳......صحیح مسلم
۴......مسند احمد
۵......الحبائک فی اخبار الملائک، امام جلال الدین سیوطی
۶......مجمع الزوائد للھیثمی
۷......تاج العروس، علامہ مرتضی الزبیدی
۸......حدائق بخشش، امام احمد رضا بریلوی
۹...... کتاب الأغانی، ابوالفرج اصبہانی
۱۰......مطالع المسرات (مترجم) علامہ فاسی
۱۱......معارف القرآن، مفتی محمد شفیع
۱۲......معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم



طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب

زینتِ خلدِ بریں ، مرغِ سلیمانِ عرب
سب فرشتوں سے حسیں، مرغِ سلیمانِ عرب

بلبلِ باغِ دنیٰ ، نغمہ گرِ حمد و ثنا
"طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب"

مرسلِ ربِّ علا ، حاملِ وحیِ مولا
یعنی جبریلِ امیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

زمزمہ خوانِ علق، مجلیٔ آیاتِ فلق
طوطیٔ ماہ جبیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

پر کشا رہتا ہے لاہوت کی پہنائی میں
برجِ سدرہ کا مکیں، مرغِ سلیمانِ عرب

مستعد رہتا ہے فرمان بجا لانے کو
عرشِ اعلیٰ کے قریں، مرغِ سلیمانِ عرب

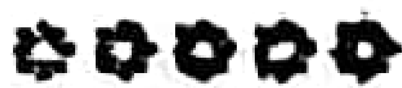
نور تھا ، نورِ خدا ، نور کی جانب لایا
صورتِ وحیِ مبیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

بابِ جبریل جو ہے روضۂ اقدس کے قریں
ٹھہرا کرتا تھا یہیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

آرزو ہے ترے دیدار کی دل میں لیکن
دید کی تاب نہیں ، مرغِ سلیمانِ عرب

تیرے اشعار سے شہزاد یہی لگتا ہے
تو نے دیکھا ہے کہیں، مرغِ سلیمانِ عرب

محمد شہزاد مجددی



معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo﴾---[الاسراء:۱]

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو تھوڑی سی رات میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ دکھائیں بندہ کو اپنی نشانیاں، بے شک وہ سننے اور دیکھنے والا ہے"---

قرآن کریم کی یہ دو سطریں ہیں کہ آج تیرہ سو برس سے ہر قرن و صدی میں تفسیریں لکھی گئیں، مجلد کے مجلد تیار ہو گئے، مگر سچ یہ ہے کہ حق تفسیر ادا نہ ہو سکا۔

اعجاز قرآن دیکھو! کہ واقعہ کی تصویر کشی، مخالفین کی نکتہ چینی کا دندان شکن جواب، موقع، اہتمام وغیرہ، کثیر مضامین کو جن کے لیے ہمیں دفتر بھی کافی نہیں، چند لفظوں میں کہہ سنایا۔

آیئے! اور اس ازلی کلام کو دیکھیے، جس میں دو سطروں نے ہم کو دفاتر سے مستغنی کر دیا ہے اور

روحانیت بھرے دلائل سے واقعہ کی صورت کو بے حجاب فرمادیا ہے۔فرمایا:

﴿سُبۡحٰنَ﴾ یعنی پاک ہے---

اللہ اللہ! کیا شانِ اعجازِ قرآن ہے کہ مولا تبارک وتعالیٰ کے تمام صفاتِ کمالیہ سے منتخب فرما کر، یہاں لفظِ 'سُبۡحٰنَ' فرمایا گیا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مسئلہ معراج پر تقریر کرنے سے پہلے اس مضمون کا عنوان 'سُبۡحٰنَ' قرار پایا ہے۔

بات یہ ہے کہ 'سُبۡحٰنَ' کا مادہ عربی قاعدہ سے 'س، ب، ح' ہے اور لغت میں اس کے معنی میں تیز رفتاری داخل ہے۔اہل عرب 'سبح، سبوحا' اس وقت کہتے ہیں کہ جب گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا نکل جائے۔

'سُبۡحٰنَ' کی سرخی نے بتادیا کہ آئندہ جو مضامین بیان ہوں گے ان میں کسی خاص تیز رفتاری کا ذکر ہوگا۔اسی مقام پر بیان کی جانے والی تیز رفتاری کے امکان کا سوال پیدا ہوتا ہے، لہٰذا فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡۤ اَسۡرٰی﴾ یعنی جو لے گیا---

لفظ 'لے گیا' کے لیے عربی میں 'اذھب اور ذھب' کثیر الاستعمال ہے اور قرآن کریم میں جابجا یہ لفظ آیا ہے، لیکن اس کو ترک فرما کر لفظ 'اَسۡرٰی' اس جگہ پر فرمایا گیا ہے۔بات یہ ہے کہ 'اَسۡرٰی' اور 'اذھاب' یا 'ذھاب' میں ایک باریک لغوی فرق ہے، یعنی اگر لے جانے والا خود بھی ساتھ ہے تو 'اَسۡرٰی' کہا جاتا ہے اور 'اذھاب' وغیرہ میں یہ ضروری نہیں۔یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ سفر معراج میں قدرت کی زبردست طاقت ہمراہ تھی اور لے جانے والا، جانے والے کے ساتھ تھا۔

اگر تم قدرت کی زبردست آزادی اور اس کے نت نئے نرالے جلوے اور انوکھے مظاہرے کو جانتے بوجھتے محسوس کرتے ہو تو بلاشبہ تیز رفتاری کے مسئلہ کا امکان بلکہ وقوع اسی ایک لفظ سے ہوگیا، ورنہ مجھے اجازت دی جائے کہ آپ کو کسی مشہور ڈاکٹر یا تجربہ کار حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دوں۔کیا دنیا میں ایسا کوئی بھی عقل مند انسان ہے کہ کمزور انسان سے امید رکھتے ہوئے (کہ موجودہ تیز رفتار چیزوں سے زیادہ تیز رفتار چیز بھی بنا سکتا ہے) قدرت کو ایسا معاذ اللہ لولا لنگڑا سمجھتا ہے کہ اس سے غیر معمولی رفتار کی خلقت سے مایوس ہے؟ اگر کوئی ایسا ہے تو مجھے اس کو انسان کہنے میں بہت تکلف ہے۔

مسئلۂ وقوع تیز رفتاری کے کامل حل کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہے:

اوّل: معلوم ہوجائے کہ تیز رفتار کون ہے؟ ہم ترتیب بتایا گیا ہے کہ 'بعبدہ' اپنے بندے کو۔

آؤ! آؤ! روحانی معراج کے سرمایہ داروں کا جائزہ لو اور دیکھو کہ قرآن ان کو کتنے پانی میں بتاتا ہے؟ پوچھو اور ہاں ہاں ضرور پوچھو کہ 'عبد' کس کو کہتے ہیں؟ کیا بندہ سے مراد روح ہے؟ ہاں نہ کہنا، ورنہ تمہارا نوکر ہر کام میں کہہ دے گا کہ بندہ نواز! روح بازار میں کام کرنے گئی ہے، میرا جسم

خدمت نہیں کرسکتا، بندہ نے نوکری تو کی ہے مگر آپ تو خود کہتے ہیں کہ بندہ روح کا نام ہے۔ پھر کیا جسم لفظ بندہ سے مراد ہے؟ ہرگز نہیں، ورنہ موت کے بعد بھی نعش سے مالک کام کی فرمائش کرے گا اور عدم تعمیل کے جرم میں سزا دیا کرے گا۔ سلیم طبیعتیں سمجھ گئیں کہ 'عبد' یعنی بندہ یا نوکر، ان الفاظ کو اطلاق جسم مع روح پر ہے اور یہی صورت مشکلات کو دفع کرتی ہے۔ قرآن کریم کے ایک لفظ نے ظاہر فرمایا کہ معراج کا سفر خواب وخیال تھا نہ جنازہ برداری، بلکہ معراج والے آقا ﷺ جسم وروح دونوں کے ساتھ مرتبہ قرب پر فائز ہوئے تھے۔ صَلٰوةُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ

مدت سفر ظاہر فرمانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

'لَیْلًا' تھوڑی رات میں۔ عربی زبان میں 'لَیْلًا' نکرہ ہے اور اس کے معنی میں کمیِ وقت کی شان پائی جاتی ہے۔ اس لفظ نے جہاں قلت وقت کو صاف بیان کردیا ہے، وہاں مدعیانِ معراج روحانی پر دوسرا قہر یہ ڈھایا ہے کہ اگر روح کی تیز رفتاری کو اس واقعہ سے تعلق ہے تو تھوڑی سی رات میں یہ کون سا عجب واقعہ ہے، جس کے بیان میں ایک ایک لفظ میں ہزاروں اہتمام رکھے گئے ہیں۔ دنیائے خواب اور عالمِ تصور میں روح اتنی مسافت طے کرتی رہتی ہے، جس کے بیان کی قلت کے لیے 'لَیْلًا' کا لفظ بھی کافی ہے اور جس کی مقدار وہی فلسفہ کا 'جزء لا یتجزی' ہے۔ کیا قرآنِ کریم کو کلامِ الٰہی مانتے ہوئے لفظ 'لَیْلًا' سے روحانی معراج کی تائید کرنا، اس معجزہ نما کلام مقدس سے مضحکہ (مذاق) نہ سمجھا جائے گا؟

احادیثِ صحیحہ نے 'لَیْلًا' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ واپسی پر زنجیر مبارک متحرک اور بستر شریف گرم تھا۔ باقی رہا یہ مرحلہ کہ مسافتِ سفر کتنی تھی، اس کے متعلق کہا گیا 'مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا' مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، مسجد حرام مکہ معظمہ کا دوسرا نام ہے اور اس پر عامہ اہل اسلام کا اتفاق ہے اور مسجد اقصیٰ جمہور کے نزدیک 'بیت المقدس' سے تعبیر ہے، لیکن محققین کا ایک مقدس گروہ مسجد اقصیٰ کا دوسرا ترجمہ کرتا ہے۔ ان کے نزدیک مسجد کا معنی 'مقام سجود' ہے اور اقصیٰ کا ترجمہ 'منتہیٰ' ہے۔ یعنی وہ منتہائے مقام سجود جس کے بعد مکان، عالم امکان میں غیر موجود ہے اور ایسا مقام عرشِ اعظم ہے۔ اس تحقیق پر مقدار مسافت مکہ سے شروع ہو کر عرشِ اعظم پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی تائید میں آگے کے یہ الفاظ پیش کیے جاتے ہیں 'اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ' وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے۔

کہتے ہیں کہ مسجد 'بیت المقدس' کی برکت وعظمت پر ایمان ہے، لیکن اس کے گردوپیش کے برکات منصوص نہیں ہیں اور عرشِ اعظم کے گرد مقربین ملائک کی جبہہ سائی، انوار وبرکات کی کثرت شریعت نے ظاہر فرمادی ہے، لہٰذا اس مقام پر مسجد اقصیٰ عرشِ اعظم کا مرادف ہے۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مسجد اقصیٰ سے اس مقام پر یقیناً عرشِ اعظم ہی مراد ہے اور نہ ہی محققین کا ارشاد ہی محض بے بنیاد ہے، لیکن اتنے حصہ پر اجماع ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سفر منطوق ہے اور سفر کے اتنے حصے سے انکار کرنا صریحاً بے دینی ہے۔ بقیہ سفر کو بھی قرآن کریم نے دوسری جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

﴿دَنٰی o فَتَدَلّٰی o فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی o﴾---

''قریب ہوئے تو نزدیک پہنچے، پس دو کمانوں کی مقدار تھی، بلکہ اس سے زیادہ قریب ہوئے''---

جمہور ائمہ اسلام نے (جن کے خلاف کہنا سخت جہالت اور خرقِ اجماع ہے) اس آیۂ کریمہ سے حضور سید عالم ﷺ کا آسمانی سفر مراد لیا ہے۔ چناں چہ اسی سلسلۂ کلام میں اس عبد مقدس (روحی له الفداء) کا تذکرہ (جس کے سفر معراج کی تصویر کشیٔ قرآنی تم ابھی پڑھ چکے ہو) یوں فرمایا:

﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی o﴾---

''پس دکھایا اپنے بندے کو جو کچھ سکھایا''---

اللہ اللہ! کیا وجد میں لانے والا ارشاد ہے؟ یعنی قادرِ مطلق کے اختیار و قدرت اور حضور اقدس ﷺ فداه ابی و امی کی استعداد و قابلیت کا تصور کرو اور خود سمجھ لو کہ مالک نے کتنے علوم دیے ہوں گے اور محبوب نے کس قدر زیورِ علم سے اپنے آپ کو آراستہ کیا ہوگا۔ حضور ﷺ کے وفورِ علم کے منکرین یا تو قادر کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے یا سرکار ﷺ میں قابلیت و استعداد کی نسبت کو کمزور جانتے ہیں۔ فَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

خوب کہا ہے:

لکھے نہ پڑھے جناب والا
شاگردِ رشید حق تعالیٰ

بات دور جا پڑی، کہنا صرف اس قدر تھا کہ ایک طرف لفظ 'عبد' کو دونوں آیتوں میں یاد رکھو، دوسری طرف احادیث شہیرہ و صحاح مروّجہ پیش نظر رکھو تو آسمانی معراج کے منکرین پر ضلالت کا فتویٰ، ائمۂ اسلام کی حق پسندی پر مبنی ہے۔

کسی سفر نامہ کی تکمیل، جب تک غایت سفر بیان نہ کر دی جائے، ناقص ہے۔ قرآنِ کریم نے انھیں دو سطروں میں اس کو بھی واضح کر دیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ ''تا کہ دکھائیں ہم اس بندہ کو اپنی نشانیاں''---

عربی قاعدہ کی رو سے آیات جمع ہے اور ضمیر متکلم کی جانب مضاف ہے اور اصول میں مبرہن ہو چکا

ہے کہ ایسی صورت میں استغراق کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور لفظ 'من' کا یہاں بمعنی بعض ہونا غیر معقول ہے۔ اس بنا پر آیہ کریمہ کا منشا یہ ہوا کہ سفر معراج تمام قدرتی نشانیوں کے مشاہدہ کے لیے ہوا تھا۔

گزشتہ اوراق کے اس مضمون کو یاد کرو کہ جناب اقدس ﷺ کے علوم میں جہاں اس بلند و بالا سرکار ﷺ کی کامل و اکمل قابلیت کو دخل ہے، وہاں قدرت قادر مطلق کامل و اکمل (ﷻ) کا ظہور ہے اور جس طرح قدرت کے لیے تعلیمی نقصان عیب ہے، جب کہ تعلیم کا ارادہ ہو، اسی طرح طریقہ تعلیم کی کمزوری بھی نازیبا ہے۔ لہٰذا وحی سے زیادہ قوی طریقہ اختیار کیا گیا اور ما کان و ما یکون کا مشاہدہ کرادیا گیا، جو اعلیٰ ترین طریقہ تعلیم ہے اور اسی مشاہدہ و معائنہ کے لیے وہ اہتمام کیا گیا، جس کو لکھنا مضمون کو دہرانا ہے۔ ختم مضمون پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ''بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے''---

اس ارشاد کا انداز بھی عجیب و غریب ہے۔ 'انہ' میں ضمیر ہے، جس کا مرجع یا تو لفظ 'عبد' ہے یا لفظ 'سبحن' ہے اور ہر اعتبار سے معنی جداگانہ ہیں اور صحیح محمل پر ہیں اور ایسی حالت میں 'اصولیین' کے نزدیک دونوں معنی معتبر و منصوص ہوتے ہیں، اگر مرجع لفظ 'عبد' ہے اور اس شق کو ترجیح قرب کے سلسلے سے حاصل ہے تو آیت کا ترجمہ ہوگا، 'بے شک وہ بندہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے'۔

اس خاتمہ بیان میں مدعیانِ معراج روحانی کی مزید خبر گیری ہے کہ یہ سفر مجموعہ روح و جسم کا ہوا، تو سکنہ و غفلت کا بھی اس میں شائبہ نہ تھا، بلکہ مسافر نواز، معراج والا آقا آواز کو سنتا اور ہر مرئی کو دیکھتا جاتا تھا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اور اگر مرجع ضمیر 'سبحن' ہے تو معنی یہ ہوئے کہ 'بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے'۔ اور اس کو تمام اندازِ قرآنی سے ترجیح ہے۔

جن لوگوں کو تلاوتِ قرآن کریم کا فہم معنی کے ساتھ شرف حاصل ہے، ان کو اس فقرہ میں اگر مضامین سابقہ کے اعتبار سے اجنبیت معلوم ہو تو مقام تعجب نہیں ہے۔ قرآن کا طریقہ بیان ہے کہ جس مقام پر جس واقعہ و احکام وغیرہا کو بیان کیا ہے اور اس موقع پر حضرت حق (ﷻ) کی جس صفت کمال کا تعلق ہے، اسی صفت سے مولیٰ تعالیٰ کی صفت کی جاتی ہے۔

اس اندازِ کلام کا تقاضا تھا کہ واقعۂ معراج کے بعد قدرت مطلقہ کا بیان ہوتا اور فرمایا جاتا:

﴿و اللّٰه علی کل شیء قدیر﴾ لیکن اس صفت کو ترک فرما کر صفت سمع و بصر کو بیان کرنا، جس کو واقعہ معراج سے بظاہر کوئی تعلق نہیں، ظاہر بین نگاہوں میں بالکل اجنبی ہے۔ فرمان کے اس ٹکڑے کا ذوق حاصل کرنے میں آپ کو جان بازانِ عشق کے آستانہ پر حاضری کی تکلیف دوں گا اور سرمستان بادۂ وحدت کی نیاز مندی کی طرف دعوت دوں گا۔ ہاں ہاں! کیا آپ کا دل محبت سے

خالی ہے؟ کیا آپ نے مجازی محبت کا مزا بھی نہیں چکھا؟ محروموں سے بحث نہیں؟ ورنہ اقل درجہ باپ اور بیٹے، ماں اور فرزند کی محبت کا تماشا، کون ہے جو رات دن نہیں دیکھتا؟ اگر تم کو کبھی اس منظر کا لطف حاصل ہوا ہے کہ پیارا فرزند یا کوئی محبوب سفر کر رہا ہے اور چاہنے والے، آنے والے فراق کے زمانے اور ستانے والی جدائی کی گھڑیاں یاد کر کے آب دیدہ ہو کر کہہ پڑتے ہیں کہ:

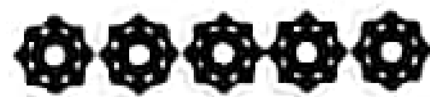
"اے مسافر! جا بخیریت جا، اللہ تیرا محافظ و نگہبان ہے، تجھے خدا کو سونپا، جو تیری بات کا سننے اور دیکھنے والا ہے"---

تم کو اس جملہ کا صحیح مطلب کھل جائے گا کہ سفر معراج درپیش ہے، رات کا وقت ہے، اعزا و اقرباء موجود نہیں ہیں، احباب سو رہے ہیں، کون الوداعی اڈریس پڑھے؟ کون رخصتی کے کلمات کہے؟ کون خدا حافظ و نگہبان کہے؟ اس وقت کا سفر بھی طویل ہے، راستہ دیکھا نہیں ہے، منزلیں نامعلوم ہیں، مسافت کا پتا نہیں، ہمراہی غیر جنس ہے، ماں باپ ہوتے تو فال نیک کے کلمات بولتے، اعزاء و اقرباء ہوتے تو باطمینان رخصت کرتے، احباب ہوتے تو رفاقت ہی کرتے۔ ایسے وقت ازلی محبت کے دریا میں جوش پیدا ہوتا ہے اور اس کی ایک ایک لہر پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

اے مسافرِ زمین و آسمان مبارک ہو ﴿انہ ھو السمیع البصیر﴾ گھبراؤ نہیں، تمہارا چاہنے والا وہی مولیٰ تمہارا نگہبان و حافظ ہے، تمہاری ہر بات کا سننے والا اور ہر کام کو دیکھنے والا ہے۔ یہ کارخانہ محبت کا جلوہ ہے کہ خود بلاتے ہیں، اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اپنے پاس لے جاتے ہیں، خود رخصت کرتے ہیں اور خود ہی میزبان بھی ہیں۔ یعنی آسمانی سفر میں ہر آسمان پر جشن استقبال، درجاتِ جنت و طبقاتِ دوزخ کا معائنہ، جبریل علیہ السلام کی رفاقت کا قطع ہونا، رحمت و جلال کا ابھار، ہیبت و جلال کا رعب، قربِ خاص، شفاعتِ امت کامل، وصال، راز و نیاز، عطائے خلعت، فرضیت نماز و روزہ وغیرہ ہر عنوان مبسوط تحریر کا متقاضی ہے اور قصیدۂ معراجیہ میں حضور امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طولِ تحریر سے مستغنی کر دیا ہے:

کس شان سے دو جہاں کا سرور — پہنے ہوئے حلۂ منور
کھولے ہوئے گیسوئے معنبر — باندھے ہوئے شملۂ معطر
بازینت و جاہ، شوکت و فر — گھوڑے پر چلے سوار ہو کر
ادریس مقیم چرخ اخضر — بولے کہ قسیم حوض کوثر
گر بسر و چشم من نشینی — نازت کشم کہ نازنینی

اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ



معراج النبی ﷺ

امام الانبیاء ﷺ کے معجزاتی سفر کے اسرار و نکات

مولانا محمد ناصر خان چشتی

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

امام احمد رضا خاں بریلوی

اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو بے شمار معجزات سے شرف یاب فرمایا، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات، کمالات، اوصاف، مکارم و محاسن اور علوم آپ کی ذات میں جمع فرما دیے۔ اس لیے آپ کو جامع المعجزات، جامع الکمالات اور جامع الصفات پیغمبر کہا جاتا ہے۔ ان تمام معجزات میں سے ایک بہت بڑا اور عظیم الشان معجزہ 'معجزۂ معراج' ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اخص خصائص اور اشرف فضائل و کمالات اور روشن ترین معجزات و کرامات سے یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کو فضیلتِ اسراء اور معراج سے وہ خصوصیت، شرافت اور عظمت و فضیلت عطا فرمائی ہے، جس کے ساتھ اور کسی نبی اور رسول کو مشرف و مکرم نہیں فرمایا اور جہاں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچایا، کسی کو وہاں تک پہنچنے کا شرف نہیں بخشا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے جو راتوں رات لے گیا اپنے (خاص) بندے کو، مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے آس پاس ہم نے (بہت) برکتیں نازل فرمائیں، تا کہ ہم (اپنے) اس (بندۂ خاص) کو اپنی قدرت کی خاص نشانیاں

دکھائیں، بے شک وہی سننے والا ہے دیکھنے والا ہے"---[بنی اسرائیل:۱]

معراج النبی کا معنیٰ و مفہوم

لغت میں معراج 'سیڑھی' یا 'سیڑھی کے ڈنڈے کے مشابہ چیز' کو کہتے ہیں، جس کو پکڑ کر روحیں اوپر چڑھتی ہیں اور معرج اس راستے کو کہتے ہیں جس پر فرشتے چڑھتے ہیں، اس کی جمع 'معارج' ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سفر 'اسراء' ہے اور وہاں سے آسمانوں تک کا سفر 'معراج' ہے اور آسمانوں سے مقام قاب قوسین تک کا سفر 'اعراج' کہلاتا ہے۔

آسمانی معراج کہاں تک ہوئی، اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ تک حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ عرش تک حضور ﷺ کو معراج ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فوق العرش تک گئے۔ جب کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ طرف عالم تک تشریف لے گئے، یعنی عالم اجسام کی وہ انتہاء جس کے پیچھے کچھ بھی نہیں۔ نہ ہوا، نہ زماں و مکاں، بلکہ عدم محض ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ 'اسراء' یعنی مسجد حرام سے بیت المقدس تک حضور اکرم ﷺ کا بیداری کی حالت میں اور جسم اطہر کے ساتھ تشریف لے جانا قطعی اور یقینی ہے، اس کا منکر مبتدع ہے اور آسمانوں کی طرف معراج ہونا احادیث مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق اور ضال و مضل ہے۔ پھر آسمانوں سے جنت کی طرف اور عرش یا فرش کے علاوہ فوق العرش تک یا لامکاں تک جانا اخبار احاد سے ثابت ہے، اس کا منکر سخت آثم اور گناہ گار ہے۔[مقالات کاظمی بہ حوالہ شرح عقائد]

واقعۂ معراج کی تاریخ

جمہور علماء کے نزدیک معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور یہ عظیم الشان اور معجزاتی سفر ۲۷ رجب المرجب ۱۲ نبوی ﷺ اور پیر کے دن ہوا۔

سفر معراج--- سات چیزیں

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت مبارکہ جس میں حضور سید عالم ﷺ کے معجزاتی سفر یعنی "سفر معراج" کا ذکر بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہ (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے جو راتوں رات لے گیا اپنے (خاص) بندے کو، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے آس پاس ہم نے (بہت) برکتیں نازل فرمائیں، تا کہ ہم (اپنے) اس (بندۂ خاص) کو اپنی قدرت کی خاص نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے"---[بنی اسرائیل:۱]

اس آیت مبارکہ میں حضور سید عالم ﷺ کے معراج کا ذکر ہے۔ یہ عظیم سفر رات کے انتہائی

قلیل سے حصے میں ہوا۔ یہ سفر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لاریب ولا فانی اور قدیم کلام قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ عام طور پر سفر نامہ میں سات چیزوں کا تذکرہ ضروری ہوتا ہے، یعنی:

۱......سفر کس نے کیا؟
۲......سفر کس نے کرایا؟
۳......سفر کہاں سے ہوا؟
۴......سفر کہاں تک ہوا؟
۵......سفر کس وقت ہوا؟
۶......سفر کتنی دیر میں ہوا؟
۷......سفر کس لیے ہوا؟

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غایتِ اعجاز کے ساتھ ان ساتوں چیزوں کا ذکر فرما دیا ہے:

1......سفر کس نے کیا؟ فرمایا: اس کے عبدِ خاص (حضرت محمد ﷺ) نے کیا۔
2......سفر کس نے کرایا؟ فرمایا: سبحان (اللہ تعالیٰ) نے کرایا۔
3......سفر کہاں سے ہوا؟ فرمایا: مسجد حرام سے ہوا۔
4......سفر کہاں تک ہوا؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک ہوا۔
5......سفر کس وقت ہوا؟ فرمایا: رات کے وقت ہوا۔
6......سفر کتنی دیر میں ہوا؟ فرمایا: رات کے انتہائی قلیل حصہ میں ہوا۔
7......سفر کس لیے ہوا؟ فرمایا: تاکہ اپنی قدرت کی خاص نشانیاں دکھائے۔

عموماً یہ ہوتا ہے کہ بڑے افسر سفر کرتے ہیں تو ماتحت اس سفر کو بیان کرتے ہیں۔ وزراء سفر کریں تو ان کے ساتھ صحافی اس سفر کو بیان کرتے ہیں۔ مالک سفر کرے تو خادم اور غلام اس سفر کو بیان کرتے ہیں۔ یہاں طرفہ تماشہ یہ ہے کہ سفر بندے نے کیا اور بیان اس کا مولیٰ کر رہا ہے۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہوتا تو وہ اس سفر کی تمام جزئیات کو بڑے کیف اور وجد سے بیان کرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اے محبوب! آپ کے اس سفر کو میرے علاوہ اور کوئی بھی پوری طرح نہیں جانتا، اس لیے میرے سوا اس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جبرائیل امین علیہ السلام اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پورے سفر میں تو وہ بھی ساتھ نہیں رہے تھے، بلکہ سدرۃ المنتہیٰ پر وہ بھی یہ کہہ کر ساتھ چھوڑ گئے کہ اگر میں ایک پورے کے برابر بھی آگے گیا تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔

لفظ عبدہٗ کے اسرار

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سبحان (ہر عیب اور نقص سے پاک) ہے وہ جو اپنے عبد خاص کو راتوں لے گیا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں رسول کا ذکر کیوں کیا؟ یوں کیوں نہیں

فرمایا کہ سبحان ہے وہ جو اپنے رسول کو لے گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے بندوں کی طرف آئے اور عبد وہ ہے جو بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا موقع تھا، اس لئے یہاں رسول کا ذکر نہیں بلکہ عبد کا ذکر مناسب تھا۔

مزید براں یہ کہ 'عبد' کا اطلاق 'روح مع الجسد' پر کیا جاتا ہے، فقط روح پر عرب کی لغت اور محاورات میں عبد کا اطلاق نہیں کیا جاتا، سو سفر معراج کے ذکر میں عبد کا ذکر کر کے یہ بیان فرمادیا کہ یہ معراج جسمانی تھی، روحانی نہیں تھی۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ کو محض عبد نہیں فرمایا بلکہ 'عبدہٗ' فرمایا ہے، یعنی اس کا بندہ، عبد تو دنیا میں لاکھوں، کروڑں ہیں، لیکن کامل عبد وہ ہے، جس کو مالک خود کہے کہ یہ میرا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کا جہاں بھی ذکر فرمایا، اپنی طرف اضافت و نسبت کر کے فرمایا، مثلاً:

ارشاد خداوندی ہے:

''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے اپنے بندۂ خاص پر کتاب نازل فرمائی'' --- [الکھف:۱]

''سو، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی، جو وحی کی'' --- [النجم:۱۰]

اور جب اللہ تعالیٰ اپنا ذکر فرماتا ہے، تو اپنی اضافت اور نسبت آپ ﷺ کی طرف فرماتا ہے، مثلاً:

''(اور یاد کیجیے اے محبوب!) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا'' --- [البقرہ:۳۰]

''اپنے رب کے کا ذکر بہ کثرت کیجیے'' --- [آل عمران:۴۱]

''قسم ہے آپ کے رب کی'' --- [النساء:۶۵]

اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کی نسبت اپنی طرف کر کے یہ ظاہر فرمادیا کہ اے پیارے محبوب! تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی البغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ) اپنی شہرۂ آفاق تفسیر 'روح المعانی' میں اس آیت 'وَ لِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا' [البقرہ:۱۴۸] کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ اس آیت سے مراد ہے کہ ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے، مقربین کا قبلہ 'عرش' ہے، روحانیین کا قبلہ 'کرسی' ہے، کروبیین کا قبلہ 'بیت المعمور' ہے اور آپ ﷺ کا قبلہ 'کعبۃ اللہ' ہے اور یہ آپ ﷺ کے جسم کا قبلہ ہے اور آپ ﷺ کی روح کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ ﷺ کی ذات ہے۔

قبلہ، مرکز توجہ اور محور التفات کو کہتے ہیں، یعنی آپ ﷺ کی روح میری طرف متوجہ رہتی

ہے اور میں آپ ﷺ کی طرف ملتفت رہتا ہوں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ جب آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے تو اپنی طرف اضافت (نسبت) کرتا ہے اور جب اپنا ذکر فرماتا ہے تو آپ ﷺ کی طرف اضافت فرماتا ہے۔[روح المعانی، جلد۲، صفحہ۲۳/شرح صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ۶۹۰]

گلدستۂ سفر معراج

حضور نبی کریم ﷺ کے معجزاتی سفر یعنی سفر معراج کو علماء امت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مکہ سے حضور سید عالم ﷺ کا بیت المقدس تک رات کے ایک انتہائی قلیل حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق اور گمراہ ہے۔ معراج شریف بہ حالت بے داری اور جسم اطہر و روحِ پُرفتوح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، یہی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام کی کثیر جماعتیں اور حضور ﷺ کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد ہیں، نصوص، آیات اور احادیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا براق لے کر حاضر ہونا، حضور سید عالم ﷺ کو غایت اکرام واحترام کے ساتھ سوار کرنا، حضور ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا جانا، حضور ﷺ کا انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمانا، پھر وہاں سے سیر سماوات کی طرف متوجہ ہونا، جبریل امین علیہ السلام کا ہر آسمان کے دروازے کھلوانا، ہر ہر آسمان پر وہاں صاحب مقام انبیاء کرام علیہم السلام کا شرف زیارت حاصل کرنا اور حضور اکرم ﷺ کی تکریم وتعظیم بجالانا، تشریف آوری کی مبارک بادیں دینا، حضور اکرم ﷺ کا ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا، آسمانوں پر سوال وجواب کا ہونا، وہاں کے عجائب دیکھنا اور تمام مقربین کی نہایت منازل 'سدرۃ المنتہیٰ' کو پہنچنا، جہاں سے آگے کسی مقرب فرشتے کو بھی مجال نہیں ہے، حضور ﷺ کو جبرائیل امین کا سدرۃ المنتہیٰ پر دودھ پیش کرنا، جبریل امین کا وہاں معذرت کر کے رہ جانا، پھر مقام خاص قرب میں حضور ﷺ کا ترقیاں فرمانا اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک، خلق کے اوہام وافکار بھی پرواز سے عاجز ہیں، وہاں مورد رحمت وکرم ہونا اور انعامات الٰہیہ اور خصائص نعم سے سرفراز فرمانا، حضور ﷺ کا دیدار الٰہی سے شرف یاب ہونا اور ملکوت سماوات وارض اور ان سے افضل و برتر علوم پانا اور امت کے لیے پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور پھر اس میں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تخفیف کرا کر) پانچ کا رہ جانا، حضور سید عالم ﷺ کا شفاعت فرمانا، جنت ودوزخ کی سیریں اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا، معراج سے واپسی پر حضور اقدس ﷺ کا اس عظیم الشان واقعہ کے اظہار وبیان میں تامل کرنا اور صبح کفار مکہ کا تمسخر اڑانا اور تعجب وانکار کرنا اور بعض ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کا مرتد ہوجانا، واقعہ معراج

کی سب سے پہلے اور بغیر کسی تردد و توقف کے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تصدیق کرنا اور اس پر ان کو بارگاہ مصطفوی ﷺ سے 'صدیق' کا عظیم لقب عطا ہونا اور اس واقعہ کی خبریں دینا، کفار مکہ کا اس واقعہ پر شورش مچانا اور بیت المقدس کی عمارت کی نشانیاں اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور ﷺ سے دریافت کرنا اور حضور ﷺ کا یہ سب کچھ بتانا اور قافلوں کے جو احوال حضور ﷺ نے بتائے، قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا وغیرہ، یہ تمام امور صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہیں اور بہ کثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کی تفاصیل سے لبریز ہیں۔

ساتوں آسمانوں کی سیر

جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک پہنچے اور پھر وہاں سے لامکاں کے سفر کی طرف توجہ فرماتے ہوئے پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا، وہاں کے دربان نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبریل امین نے کہا، میں جبریل ہوں، پھر پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرائیل امین نے کہا، جناب حضرت محمد ﷺ ہیں، انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبریل امین علیہ السلام نے انہیں بشارت سنائی، انہوں نے مرحبا کہا، پھر آسمان کا دروازہ کھولا گیا۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام کو موجود و منتظر پایا۔ جبریل علیہ السلام نے ان کا تعارف کرایا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کریں، آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے جواباً سلام کیا اور کہا:

''اے صالح ابن صالح! مرحبا''---

اسی طرح ہر آسمان پر یہی معاملہ ہوتا رہا، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اسی طرح حضور سید عالم ﷺ منازل طے کرتے ہوئے اور ہر آسمان کے ملائکہ اور صاحب مقام انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی زیارت سے شرف یاب فرماتے ہوئے اور ان کی تحیت و تسلیم کی نذریں قبول فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر آپ ﷺ کے سامنے فرشتوں کا قبلہ 'بیت المعمور' لایا گیا، وہاں حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو دودھ، شہد اور شراب کے تین جام پیش کیے، تو آپ ﷺ نے 'دودھ' کا جام قبول فرمایا، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، آپ ﷺ نے دین فطرت کو قبول فرمایا ہے۔

استاذی المکرم حضرت علامہ سعیدی صاحب دام فیوضہم رقم طراز ہیں:

''مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ

آسمانوں پر تشریف لے گئے، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰی علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ہر آسمان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، مگر دروازہ نہیں کھلا اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ ان کے ساتھ حضرت سیدنا محمد ﷺ ہیں تو سب آسمانوں کے دروازے کھلتے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو عزت و کرامت کی جس مخصوص شاہراہ سے لے جایا جا رہا تھا، یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب اپنا نام لیا تو آسمان کا دروازہ نہیں کھلا اور جب نام محمد ﷺ لیا، تو دروازہ کھل گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ عزت و کرامت کا کوئی دروازہ آپ ﷺ کے نام کے بغیر نہیں کھلتا۔ اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ نام محمد ﷺ سے کھلتا ہے، توبہ کی قبولیت ان ہی کے در پر آنے سے اور ان ہی کا نام لینے سے ہوتی ہے، قبر میں اجالا اسی نام سے ہوتا ہے، شفاعت کا دروازہ بھی نام محمد ﷺ سے کھلے گا اور جنت کا دروازہ بھی اسی نام سے کھلے گا"---[شرح صحیح مسلم، جلد ا، صفحہ ۷۶۵]

تحفۂ معراج

رات کے ایک قلیل لمحہ میں اتنی عظیم الشان سیر کرا کر واپس لے آنا، عادۃً محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرما دیا کہ مخلوق کے لیے تو یہ محال ہے، اگر خالق کے لیے بھی یہ محال ہو تو یہ خالق کے لیے نقص اور عیب ہوگا اور خالق 'سبحان' ہے، یعنی وہ ہر نقص اور عیب سے پاک و منزہ ہے، اس لیے بعض علماء کرام نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں لفظ 'سبحان' ذکر کر کے واقعہ معراج کو ثابت فرما دیا ہے۔ اس مبارک سفر کے ذکر کی ابتداء 'سبحان' سے ہوئی، سبحان، اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا ذکر ہے، جب کہ اس مقدس سفر کے ذکر کے آخر میں فرمایا:

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ---

"بے شک وہ سمیع و بصیر ہے"---

سمیع و بصیر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا ذکر ہے، سو اس سفر معراج کی ابتداء بھی ذکر الٰہی سے ہوئی اور انتہا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہوئی۔ سفر معراج سے آپ ﷺ نماز کا تحفہ لے کر آئے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

مادی انسانوں نے ترقی کی اور ان کی معراج یہ ہے کہ وہ 'چاند' پر پہنچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ

چاند پر بھی مٹی ہے اور وہ مٹی کے ڈھیلے بہ طور سوغات وہاں سے ساتھ لائے، تو یہ مٹی سے چلے اور مٹی تک پہنچے، جو لے کے آئے، وہ بھی مٹی ہے اور حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے چلے، اللہ تعالیٰ کے ذکر تک پہنچے اور جو تحفہ لے کر آئے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس معلوم ہوا کہ مادی معراج میں انسان مٹی سے آگے نہیں نکل سکا اور روحانی معراج میں انسان خدا تک جا پہنچتا ہے۔ [شرح صحیح مسلم، جلد ا، صفحہ ۶۹۰]

حضور سید عالم ﷺ معراج سے اپنی امت کے لیے نماز کا عظیم الشان تحفہ لے کر آئے اور فرمایا:

''تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو'' ---

اور معراج کا حاصل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور اس کا دیدار ہے اور دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اس طرح نماز پڑھے کہ حسن الوہیت کے جلووں میں ڈوب جائے۔ گویا کہ آپ ﷺ نے خود ایک مرتبہ معراج کی اور اپنی امت کے لیے دن میں پانچ مرتبہ معراج کا تحفہ لے کر آئے۔

عارفین کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی معراج کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت وہ ہے جب آپ ﷺ حطیم کعبہ سے مسجد اقصیٰ گئے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی، اس کی نمائندگی نماز میں حالت قیام ہے۔

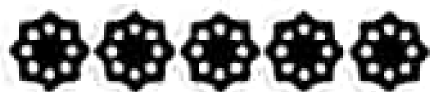
دوسری حالت وہ ہے جب آپ ﷺ پہلے آسمان سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، اس کا اظہار نماز میں حالت رکوع میں ہے۔

تیسری حالت وہ ہے کہ جب آپ ﷺ عرش عظیم سے ماوراء ﴿دَنٰی فَتَدَلّٰی o فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی o﴾ تک پہنچے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا وہ قرب حاصل ہوا کہ جس سے بڑھ کر قرب کا تصور نہیں ہو سکتا، اس کے قائم مقام نماز میں حالت سجدہ ہے کیوں کہ سجدہ میں بندہ کو اپنے رب کا وہ قرب حاصل ہوتا ہے کہ جس سے بڑھ کر قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

[شرح صحیح مسلم، جلد ا، صفحہ ۶۷۷]

شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

نوٹ: سفر معراج کی مزید تفصیلات اور نکات کے لیے شرح صحیح مسلم (از حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم) کا مطالعہ مفید رہے گا۔



معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ---[۱]

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی، کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے"---

عبدہ

تفسیر کبیر وروح المعانی میں ہے:

لَمَّا وَصَلَ مُحَمَّدٌ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِلَی الدَّرَجَاتِ الْعَالِیَۃِ وَ الْمَرَاتِبِ الرَّفِیْعَۃِ فِی الْمَعَارِجِ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ یَا مُحَمَّدُ بِمَ اُشَرِّفُکَ قَالَ یَا رَبِّ بِاَنْ تُنْسِبَنِیْ اِلٰی نَفْسِکَ بِالْعُبُوْدِیَّۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ---[۲]

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج میں جب بلند درجوں اور اونچے مراتب پر پہنچے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ اے محمد! بہت تعریف کیے گئے، کس چیز

کے ساتھ میں آپ کو شرف دوں؟ آپ نے عرض کی، یارب! میرے عبد ہونے کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمانے کے ساتھ، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان میں آیت ﴿سبحٰن الذی اسریٰ﴾ اتاری"---

علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ نے حدیث مذکور روایت کرنے کے بعد فرمایا:

"چونکہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم اور تمام صفات کے مظہر اتم ہیں، اس لیے لفظ "عبـــده" کا اطلاق حقیقۃً صرف آپ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کے ماسوئی دوسرے حضرات کو مجازاً عبدہ کہا جاتا ہے---[۳]

لفظ عبد کو دیکھ کر اپنے جیسا کہنے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ مطلقاً عبد نہیں فرمایا، بلکہ عبدہٗ فرمایا گیا، عبد کا معنی ہے، بندہ اور عبدہٗ کا معنی اس کا خاص بندہ۔ اور اس خصوصیت کا بیان مواہب کی عبارت سے ہو ہی چکا ہے۔ علامہ اقبال نے عبد اور عبدہٗ کا فرق کیا خوب نمایاں کیا:

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر
ایں سراپا انتظار او منتظر

انہٗ کی ضمیر

یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور یہ بھی مفسرین نے ذکر فرمایا کہ "انـہ" کی ضمیر کا مرجع آں حضرت ﷺ ہیں۔ جس طرح مختلف تفاسیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر روح البیان اور اعراب القرآن میں ہے۔ ساتھ ہی السمیع البصیر کی تفسیر ان تفاسیر میں بایں الفاظ ہے:

اَلسَّمِیْعُ لِکَلَامِنَا اَلْبَصِیْرُ لِذَاتِنَا---[۴]

"بے شک آں حضرت ﷺ ہی سننے والے ہیں، ہماری کلام کو، دیکھنے والے ہیں، ہماری ذات کو"---

الیواقیت والجواہر اور فتوحات مکیہ میں ہے کہ انـہ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے، باری تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹتی---[۵]

اس تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ سے حضور ﷺ کے لیے خداوند قدوس کا دیدار ثابت ہوا---

آسمان و زمین کا سجایا جانا

ابن جوزی نے کتاب الماجریات فی الاسئلۃ و الجوابات میں نقل کیا کہ شب معراج، عالم بالا میں ندا کی گئی:

یَا جَنَّۃَ عَدْنٍ تَزَیَّنِیْ یَا دَارَ النَّعِیْمِ تَکَوَّنِیْ وَ یَا حُلَلَ الْاِنْعَامِ تَلَوَّنِیْ وَ یَا حُوْرُ تَبَخْتَرِیْ وَ یَا سَمٰوٰتُ افْتَخِرِیْ---

''اے جنت عدن! مزین ہوجا، اے نعمتوں کے گھر! خوشی سے جھوم، اے انعام کی پوشاکو! خوب رنگین ہوجاؤ، اے حورو! ناز سے چلو، اے آسمانو! فخر کرو''---

انھوں نے کہا:

اِلٰھَنَا مَا الْخَبَرُ؟---

''اے ہمارے معبود! کیا ہے خبر؟''---

فرمان الٰہی ہوا:

اَللَّیْلَۃَ یَقْدِمُ لِزِیَارَتِنَا خَیْرُ الْبَشَرِ---[۶]

''اس رات تمام انسانوں سے بہتر میری زیارت کے لیے آرہے ہیں''---

خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کُنْتُ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ نَائِمًا فَاسْتَیْقَظْتُ فَرَاَیْتُ الدُّنْیَا بَیْضَاءَ مِثْلَ النَّھَارِ---

''میں اس رات سو رہا تھا، پس بیدار ہوا، تو دنیا کو دن کی طرح سفید دیکھا، میں نے سوچا کہ اعلان کردوں کہ قیامت قائم ہوگئی''---

اتنے میں ہاتف نے کہا:

اَمْسِکْ یَا ابْنَ عَفَّانَ فَقَدْ رُقِیَ بِالْمَحْبُوْبِ اِلَی الْحَبِیْبِ---[۷]

''اے ابن عفان! ٹھہرو، کیوں کہ محبوب کو حبیب کی بارگاہ میں لے جایا گیا ہے''---

الغرض آسمانوں اور زمینوں کو خوب مزین کیا گیا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے عالم بالا و سفلی کے سجائے جانے کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

وہاں فلک پر، یہاں زمیں میں، رچی تھی شادی، مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے، ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

براق کا انتخاب

علامہ نسفی علیہ الرحمہ نے زہرالریاض اور ملا معین کاشفی نے معارج النبوۃ میں تحریر فرمایا کہ جب اللہ رب العالمین نے جبریل امین کو براق لینے کا حکم فرمایا، تو وہ بہشت میں گئے، وہاں چالیس ہزار ایسے براق پائے، جن کی پیشانی پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر تھا، ان میں سے ایک

براق الگ ہو کر رورہا تھا، کھانا پینا ترک کر چکا تھا، جبریل امین علیہ السلام کے دریافت کرنے پر عرض کی:

سَمِعْتُ بِاسْمِ مُحَمَّدٍ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً فَمَنَعَنِی الشَّوْقُ اِلَیْهِ عَنِ الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ---[۸]

"چالیس برس ہوئے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک سنا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق نے مجھے کھانے پینے سے روک دیا"---

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اسی براق، صاحب الم وفراق کو پیارے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے منتخب فرمایا---

لفظ براق کا ماخذ

بعض علماء نے فرمایا کہ لفظ براق کا کوئی ماخذ نہیں، بلکہ ابتداء ہی سے مخصوص سواری کا نام براق رکھا گیا۔ بعض نے فرمایا، بریق بمعنی روشنی سے لفظ براق اخذ کیا گیا ہے، کیوں کہ وہ سفید و منور تھا۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ڈبی بکری کو شاۃ برقاء کہا جاتا ہے۔ چونکہ براق بھی دورنگا تھا، اس لیے اسے براق یعنی ڈبا کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ براق کا مشتق منہ برق ہے۔ برق کا معنی ہے، بجلی، چونکہ وہ مرکوب بھی بجلی کی مانند تیز تھا، اس لیے اس کا نام براق رکھا گیا۔ یہ تمام وجوہ مواھب اللدنیہ، الانوار المحمدیہ اور مدارج النبوت سے ماخوذ ہیں۔ آخری وجہ (براق بمعنی بجلی) میں تیز رفتاری مذکور ہے---[۹]

صحیح بخاری، صحیح مسلم شریف، نسائی شریف وغیرہ کتب احادیث میں براق کی سرعت رفتار کا بیان بایں الفاظ ہے:

یَضَعُ خُطْوَہٗ عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِہٖ---[۱۰]

"وہ اپنا پاؤں اپنی منتہائے نگاہ پر رکھتا ہے"---

اونٹ، گھوڑا وغیرہ جب اونچائی پر چڑھیں یا اس سے اتریں تو سوار کو مشقت ہوتی ہے۔ اللہ اللہ! پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے براق برق رفتار کی شان بے مثال و باکمال کا ملاحظہ کرو---

ابو یعلی و بزاز نے جلیل الشان صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کی، جس میں براق والاشان کا تذکرہ اس طرح ہے:

اِذَا اَتٰی عَلٰی جَبَلٍ اِرْتَفَعَتْ رِجْلَاہُ وَ اِذَا ھَبَطَ اِرْتَفَعَتْ یَدَاہُ---[۱۱]

"پہاڑ پر چڑھتے وقت براق کے پچھلے پاؤں لمبے ہو جاتے اور اترتے وقت

اگلے پاؤں لمبے ہوجاتے"---

یہ اس لیے کہ پیارے محبوب ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔اس حدیث کا مفہوم تفسیر روح المعانی میں بھی ہے---[۱۲]

نزول ملائکہ و عمامۂ نور

نزہۃ المجالس میں ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے لے کر رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوں اور کتاب مذکور میں ہے کہ بہشت والے فرشتوں کے سردار رضوان، جنت سے سبز سندس کی پوشاک اور نورانی دستار لائے، جس پر چار سطروں میں تحریر تھا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، محمد نبیُّ اللّٰہ، محمد حبیبُ اللّٰہ، محمد خلیلُ اللّٰہ

رضوان فرشتے کی معیت میں چالیس ہزار ملائکہ نازل ہوئے:

وَ کَانُوْا قَبْلَ ذَالِکَ یُصَلُّوْنَ عَلٰی صَاحِبِ الْعِمَامَۃِ قَبْلَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ---[۱۳]

"یہ فرشتے اس سے پہلے قبل از پیدائش آسمان و زمین، دستار والے پر درود بھیجتے تھے"---

یعنی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی صَاحِبِ الْعِمَامَۃِ کہتے تھے۔جب رضوان نے بہشت سے اس دستار کو اٹھایا، تو دیگر ملائکہ نے بھی خداوند قدوس سے آں حضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کی اجازت حاصل کی---

معارج النبوۃ میں ہے:

شب معراج ساٹھ ہزار فرشتے براق کے دائیں اور ساٹھ ہزار بائیں کھڑے تھے، ہر ایک کے ہاتھ میں نور عرش سے منور شمعیں تھیں، وہ اتنی روشنی تھیں کہ لاکھوں چاند ستارے اور سورج جمع ہوجائیں تو بھی اتنی روشنی نہ ہو---[۱۴]

امام اہل سنت نے فرمایا:

تجلّی حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

مواہب لدنیہ، زرقانی اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ شب معراج، جبریل امین علیہ السلام نے

براق کی رکاب اور میکائیل نے لگام پکڑی---[۱۵]

مقام غور

اگر واقعۂ معراج کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ ملائکہ مقربین، بالخصوص جبریل امین نے آں حضرت ﷺ کی نوکری و خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ تو معلوم ہوا کہ جس طرح انسان آپ ﷺ کے امتی ہیں، یونہی فرشتے بھی امتی ہیں اور آپ ﷺ کی مملکت و حکومت صرف زمین والوں پر ہی نہیں، بلکہ آسمان والے بھی اس در کے گدا ہیں---

ترمذی شریف میں ہے:

اَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَ مِیْکَائِیْلُ وَ اَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ---[۱۶]

''آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر، جبرائیل و میکائیل ہیں اور زمین والوں سے ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہم) ہیں''---

زمین و آسمان سے وزرائے گرامی قدر منتخب کرنے سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کی شاہی و سلطنت میں آسمان و زمین دونوں داخل ہیں۔ کیوں کہ یہ بین الاقوامی اصول ہے اور تمام ممالک کا دستور ہے کہ جو صوبہ مملکت میں داخل نہ ہو، اس سے وزیر کا انتخاب نہیں کیا جاتا---

جبریل کے کافوری ہونٹ

حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام کا قالب کافور جنت سے پیدا ہوا، وہ سوچا کرتے تھے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ شب معراج اس کی حکمت ظاہر ہوئی اور وہ اس طرح کہ جب سیدنا حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ جبریل امین علیہ السلام حیران ہوئے کہ کس طرح بیدار کروں، آں حضرت ﷺ کے مبارک پاؤں پر بوسہ دیا، کافور جنت کی ٹھنڈک سے آپ ﷺ بیدار ہوئے---[۱۷]

حوروں کا حسن اور جنت کا رنگ و روغن

معجزۂ شق صدر کے بعد آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔ زرقانی علی المواہب میں ہے:

اِنَّ جِبْرِیْلَ وَضَّاَہٗ بَعْدَ غَسْلِ قَلْبِہٖ---[۱۸]

''دل پاک کو غسل دینے کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو کرایا''---

نزہۃ المجالس میں ہے:

بامرالٰہی جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی میکائیل کو دیا، میکائیل نے عزرائیل کو، اس نے اسرافیل کو اور اس نے رضوان کو دیا، جس نے وہ پانی بہشت میں پہنچا دیا:

فَاَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْحُوْرَ الْعِیْنَ اَنْ یَّمْسَحْنَ بِهٖ وُجُوْهَهُنَّ فَفَعَلْنَ فَازْدَدْنَ نُوْرًا وَ حُسْنًا---[۱۹]

''پس اللہ تعالیٰ نے حورعین کو حکم فرمایا کہ یہ پانی اپنے چہروں پر لگائیں، انھوں نے یونہی کیا، تو ان کا نور و حسن بڑھ گیا''---

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس پانی کی تقسیم کے بارے اپنا تخیل اس طرح بیان فرمایا:

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے، وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
بچا جو تلووں کا ان کے دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولہا کی پائی اترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے
جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن، لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو، یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

مقام مقربین میں نماز

خداوند قدوس اور اس کے رسول مقبول علیہ التحیۃ والسلام کو صالحین کے آثار بہت پسند ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ہے:

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی---[۲۰]

''اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بنالو''---

ارشاد فرمایا گیا ہے، اپنی اس پسند کو مسنون فرمانے کے لیے مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ کو جاتے ہوئے آں حضرت ﷺ نے براق سے اتر کر ان مقامات مقدسہ میں نماز ادا فرمائی---

مدینہ منورہ

سب سے پہلے یہاں نماز ادا فرمائی، کیوں کہ یہ مقام خود سرکار دو عالم افضل الخلق ﷺ کا

دارالہجرۃ ہے، جسے قرآن میں الایمان، الدار اور ارض اللّٰہ سے تعبیر فرمایا گیا---

۲ مدین

حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن ہے، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہاں پر آٹھ برس رہے---

۳ بیت اللحم

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے---

ان تین مقامات کا ذکر شداد بن اوس کی اس حدیث میں ہے، جسے مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی نے بحوالہ بزاز وطبرانی و دلائل النبوۃ، بیہقی نقل کیا ہے اور فرمایا کہ بیہقی نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے---[۲۱]

٤ طور سینا

جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرف ہم کلامی حاصل ہوا---[۲۲]

معلوم ہوا کہ آثار محبوبان خدا، اس کی بارگاہ میں محبوب ہیں اور وہاں نماز پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔ ایک پنجابی شاعر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں کیا خوب لکھا ہے:

حشر تک اوہ پاک راہواں سجدہ گاہواں بن گیاں
جہاں راہواں تے میرے آقا دا پھیرا ہو گیا

استقبال کرنے والی جماعت

مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ ایک جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں الفاظ سلام کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا آخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَاشِرُ---[۲۳]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا۔ جبریل نے عرض کی، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ سلام کہنے والی جماعت حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات پر مشتمل ہے۔ زرقانی میں ہے کہ زیادتی محبت کی وجہ سے تین مرتبہ سلام کہا گیا---

آپ اول ہیں: پیدائش میں--- روز قیامت مرقد انور سے باہر تشریف لانے میں---اور---دخول جنت میں---

آپ آخر ہیں: کیونکہ اس دنیا میں آپ کا ظہور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہوا، آپ کے حاشر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ آپ

تمام کے امام ہوں گے---

قبر میں نماز

صحیح مسلم شریف اور نسائی شریف وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَرَرْتُ عَلٰی قَبْرِ مُوْسٰی لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَ ھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ---[۲۴]

''یعنی شب معراج میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا، اس حال میں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے''---

فائدہ

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ---[۲۵]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، روزی دیا جاتا ہے''---

یونہی بیت المقدس میں انبیاء کا جمع ہونا اور آسمان و زمین کے مختلف مقامات پر فرداً فرداً ملنا بھی اس امر پر شاہد صادق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں مقید نہیں بلکہ وہ جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں---

مسجد اقصیٰ

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہو معنی اول آخر!
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر، جو سلطنت آگے کر گئے تھے

حضور سید عالم ﷺ جب مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے تو انبیائے کرام الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مواہب لدنیہ میں ہے:

فَعَرَفْتُ النَّبِیِّیْنَ مَا بَیْنَ قَائِمٍ وَ رَاکِعٍ وَ سَاجِدٍ---[۲۶]

''پس میں نے تمام نبیوں کو پہچانا کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع کر رہا ہے اور کوئی سجدہ میں ہے''---

زرقانی میں ہے:

جبریل نے اذان دی، آسمان سے فرشتے اترے اور تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے فرشتوں اور رسولوں کو نماز پڑھائی---[۲۷]

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کیا ہی نرالی شان بخشی۔ رسول تمام مخلوق کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسولوں کا بھی امام بنادیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل

اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

کروڑھا فرشتوں کی طرف سے استقبال

کتب احادیث وتفاسیر میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ پہلے آسمان کے قریب پہنچے تو اس آسمان کے محافظ اسماعیل فرشتے نے بمع اپنے عملہ کے آں حضرت ﷺ کا استقبال کیا، عملہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ تفسیر ابن جریر اور دلائل النبوت میں تعداد مذکور ہے:

وَ کَانَ بَیْنَ یَدَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ مَعَ کُلِّ مَلَکٍ جُنْدُہٗ مِائَۃُ اَلْفٍ---[۲۸]

''اسماعیل فرشتے کے سامنے ستر ہزار ایسے فرشتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کا لشکر ایک لاکھ تھا''---

ستر ہزار کو ایک لاکھ سے ضرب دیں تو سات ارب بن جاتا ہے اور یہ تو قرآن کریم میں ہے:

یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ---[۲۹]

''اور فرشتوں کو جو حکم دیا جاتا ہے، وہی کرتے ہیں''---

معلوم ہوا کہ اللہ احکم الحاکمین کے حکم سے ملائکہ کے اس عظیم اجتماع نے آسمان دنیا سے پہلے، حبیب ﷺ کا استقبال کیا۔ پھر جب آسمانوں سے گزرے تو ہر آسمان میں ایک یا دو نبیوں سے ملاقات ہوئی اور ان فرشتوں کا تو شمار ہی نہیں، جنھوں نے آں حضرت ﷺ کا ہفت افلاک میں استقبال کیا، ساتویں آسمان پر آپ ﷺ کی اقتداء میں کثیر التعداد ملائکہ نے دو رکعت نماز پڑھی---

نزہۃ المجالس میں ہے:

ثُمَّ اَقْبَلَتِ الْمَلَائِکَۃُ زُمَرًا زُمَرًا یُسَلِّمُوْنَ عَلَیَّ---[۳۰]

''نماز کے بعد فرشتے جماعت جماعت آکر مجھ پر سلام پڑھتے رہے''---

قیام تعظیمی

نزہۃ المجالس میں ہے:

حضور ﷺ نے آسمان میں ایک فرشتہ دیکھا، جو کرسی پر بیٹھا تھا۔ آپ نے اسے سلام کہا، اس نے جواب دیا، لیکن آپ کے لیے کھڑا نہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا:

''اے فرشتے! تجھ پر میرا حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ سلام فرماتا ہے اور تو بیٹھا ہوا ہی جواب دیتا ہے؟ میری عزت و جلال کی قسم! ایک قدم پر کھڑے ہو کر پیارے محبوب ﷺ کو سلام عرض کر، پھر قیامت تک تجھے بیٹھنے کی اجازت نہیں---[۳۱]

جدّ الانبیاء سے ملاقات

زرقانی میں ہے:

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہنا اور انہیں خبر دینا کہ بے شک بہشت پاکیزہ مٹی اور میٹھے پانی والا ہے۔ اس کی کھیتی ''سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر'' ہیں۔ یعنی یہ کلمات جتنی مرتبہ پڑھے جائیں، اتنے ہی بہشت میں پڑھنے والے کے لیے درخت پیدا ہو جاتے ہیں---[۳۲]

جبرائیل کی حاجت روائی

مواہب لدنیہ بمع زرقانی میں ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ سَلُوْنِیْ عَنْ عِلْمٍ لَا یَعْلَمُهٗ جِبْرِیْلُ وَ لَا مِیْکَائِیْلُ---

''سوال کرو مجھ سے ایسے علم کا، جسے نہ جبریل جانے اور نہ میکائیل''---

کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''معراج کی رات حضور ﷺ کو جو معلومات حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض آپ نے مجھے بتائیں''---

حضور ﷺ نے فرمایا:

میں ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں نور تھا۔ جب آپ کو آگ میں ڈالنے کے لیے منجنیق میں رکھا گیا تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر عرض کی:

''اے اللہ کے خلیل! کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟''---

آپ نے فرمایا: ''تیرے متعلق کوئی حاجت نہیں''---

دوبارہ جبرائیل امین، میکائیل کو ساتھ لائے، تو آپ نے فرمایا:

''نہ تیری طرف کوئی حاجت اور نہ میکائیل کی طرف''---

تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا اور کہا:

''اپنے رب کی طرف کوئی حاجت ہے؟''---

آپ ﷺ نے فرمایا:

''خلیل کی شان نہیں کہ اپنے محبوب سے کوئی جرح کرے''---

حضور ﷺ نے فرمایا:

اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے بولنے کی اجازت دی، میں نے کہا، اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا اور رسالت کے ساتھ چنا تو میں جبریل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بار بار حاضر ہونے کا بدلہ دوں گا---

معراج کی رات ایک ایسا مقام آیا، جہاں جبریل رک گیا، میں نے کہا، اے جبریل! کیا ایسے مقام میں دوست اپنے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟ جبریل نے عرض کی:

اِنْ تَجَاوَزْتُهٗ اِحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ---

''اگر میں اس مقام سے گزروں، تو نور کے سبب جل جاؤں''---

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا جِبْرِيْلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ اِلٰى رَبِّكَ---

''اے جبریل! کیا تجھے اپنے رب کی طرف کوئی حاجت ہے''---

جبریل نے عرض کی:

''روز قیامت جب پل صراط سے آپ ﷺ کی امت کا گذر ہو گا، تو مجھے پر بچھانے کی اجازت ہو کہ ان پروں کے اوپر سے آپ ﷺ کی امت گزرے''---[۳۳]

مظہر اتم

الیواقیت والجواہر میں ہے:

حضور ﷺ اسمائے الٰہیہ کی خاص جلوہ گاہوں کے پاس سے گزرے تو ان صفات کے ساتھ متخلق بنتے گئے۔ مثلاً جب اسم ''الرحیم'' سے گزرے، تو آپ ﷺ رحیم بن گئے۔ جب اسم ''الغفور'' کی جلوہ گاہ سے گزرے، تو غفور بن گئے۔ جب ''الکریم'' کے مقام سے گزرے، تو

کریم بن گئے۔اسی طرح آپ ﷺ تمام صفات کے پورے پورے مظہر بن گئے---[۳۴]

یار غار کی آواز

مواہب لدنیہ، زرقانی میں ہے:

فَعِنْدَ ذَالِکَ نَادَانِیْ مُنَادٍ بِلُغَةِ اَبِیْ بَکْرٍ قِفْ اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّیْ---

''اس وقت مجھے ابوبکر کی آواز میں منادی نے ندا کی کہ ذرا ٹھہریں، بے شک آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے''---

میں اس تفکر میں تھا کہ ابوبکر یہاں کیسے آئے؟ اچانک اللہ رب العالمین کی طرف سے ندا آئی:

اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ لِیَدْنُ الْحَبِیْبُ---[۳۵]

''اے سب مخلوق سے بہتر! قریب ہو جایئے، اے احمد! قریب آ، اے محمد! قریب آ، قریب آیئے حبیب!''---

امام اہل سنت ﷫ نے اس ندا کو بیان فرمایا:

بڑھ اے محمد! قریں ہو احمد! قریب آ سرور مجد

نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا، یہ کیا مزے تھے

جب حضور سید عالم ﷺ مقام قاب قوسین پر پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میری صلوٰۃ یہ تھی کہ میں کہہ رہا تھا:

سُبْحَانِیْ سُبْحَانِیْ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ---[۳۶]

''پاک ہوں میں ہر عیب سے، میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے''---

اور حضرت ابوبکر کی آواز کے بارے میں فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام کا اُنس عصا کے ساتھ تھا، اس لیے بوقت مناجات ﴿وَ مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰی﴾ [۳۷] کہہ کر عصا سے مشغول کیا اور آپ ﷺ کا انس آپ کے صاحب ابوبکر کے ساتھ ہے، اس لیے ہم نے ایک فرشتہ پیدا کیا، جس نے ابوبکر کی آواز میں آپ ﷺ کو خطاب کیا۔ جبریل کی حاجت کے بارے میں فرمایا کہ وہ بھی منظور ہے، لیکن ان اشخاص کے حق میں، جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے محبت کریں---

نزہۃ المجالس میں یہ روایت بھی درج کی:

لِمَنْ اَکْثَرَ مِنَ الصَّلٰوۃِ وَ السَّلَامِ عَلَیْکَ---[۳۸]

''آپ پر زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کے لیے جبریل کے پر بچھیں گے''---

کلیم و حبیب

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پہاڑ پر رب تعالیٰ کو عرض کی کہ مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما تو حکم ہوا:

لَنْ تَرَانِیْ وَ لٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ---[۳۹]

''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا، لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنے مقام پر قائم رہا، تو عنقریب مجھے دیکھ لے گا''---

کلیم نے آرزو کی مگر زیارت نہ ہو سکی۔ پیارے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار پکار کر اپنے قریب فرمایا اور دیدار خاص سے نوازا۔ کلیم نے صرف تجلی دیکھی اور وہ بھی چھوٹی انگلی کے پورے برابر---

طبقات کبریٰ شعرانی میں ہے:

سوئی کے سوراخ کے ننانویں حصے کے برابر دیکھا اور وجد میں آ کر گر گئے---[۴۰]

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی پورے پورے تثبت سے زیارت کی، فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی---[۴۱]

''آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی''---

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

کشف تمام

شفا شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا تَجَلَّی اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ لِمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَبْصُرُ النَّمْلَۃَ عَلَی الصَّفَا فِی اللَّیْلَۃِ الظَّلْمَاءِ مَسِیْرَۃَ عَشَرَۃِ فَرَاسِخَ---[۴۲]

''جب اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی، تو آپ اندھیری رات میں دس فرلانگ یعنی تیس میل کی مسافت میں پتھر پر چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے''---

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند قدوس کی ذات کا دیدار نہیں ہوا، صرف تجلی دیکھی اس کے باوجود جب ان کے علم و کشف میں اتنی فراخی ہوئی تو حضور ﷺ جنہوں نے رب تعالیٰ کی زیارت فرمائی، کے علم اور کشف تام کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ فرشتے ہماری نسبت غیب ہیں اور ان فرشتوں سے رب تعالیٰ غیب ہے۔ یعنی فرشتے غیب ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب الغیب ہے، جیسے کہ تفسیر کبیر میں ہے---[۴۳]

تو حضور ﷺ پر جب غیب الغیب مخفی نہ رہا تو اور کون سا غیب ہے، جو پوشیدہ رہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود

زیارت خداوندی کے علاوہ معراج شریف میں علوم کا منکشف ہونا، صراحتاً بھی وارد ہے، مواہب لدنیہ اور نزہۃ المجالس میں ہے:

میری زبان پر ایسا قطرہ آیا، جس سے زیادہ میٹھی کوئی چیز کسی نے نہیں چکھی:

فَاَنْبَاَنِیَ اللّٰہُ بِھَا نَبَاَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ---[۴۴]

''پس اس قطرے کے سبب پہلے اور پچھلے لوگوں کی خبروں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے خبردار کیا''---

مدارج النبوۃ میں اسی حدیث کو ذکر فرمایا اور کہا:

وحاصل شد مرا خبر اولین وآخرین---[۴۵]

''مجھے اگلوں اور پچھلوں کی خبر حاصل ہوگئی''---

پھر مدارج النبوۃ میں فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''بتمامہ علوم ومعارف وحقائق......الی......بداں محیط نا تواند شد''---[۴۶]

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تمام علم، معرفتیں، حقیقتیں، خوش خبریاں، اشارے، خبریں، آثار وکرامات اور کمالات جو ''مَا اَوْحٰی'' کے ابہام میں داخل ہیں، ان کی کثرت وعظمت کی وجہ سے ابہام واجمال کے رنگ میں بیان فرمایا۔ اشارہ ہے کہ اللہ علام الغیوب اور رسول محبوب ﷺ کے علم کے سوا کسی اور کا علم ان معلومات کا احاطہ نہیں کرسکتا---

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

وسیلۂ جلیلہ

نزہۃ المجالس میں مقام قاب قوسین کے مکالمہ مبارکہ کی ایک طویل حدیث ہے۔اس سے وہ جملے ذکر کرتا ہوں،جن میں آں حضرت ﷺ کا حضرات انبیاء کرام کے لیے وسیلہ جلیلہ ہونا ثابت ہے:

❶ یَا مُحَمَّدُ لَوْلَا اَنَّہٗ اَشْرَقَ عَلَیْہِ نُوْرُ سِرِّکَ الَّذِیْ تَقَادَمَ مَا قُلْنَا لِلْمَلَائِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ---

"اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اگر آپ کے سابق راز والا نور حضرت آدم علیہ السلام پر نہ چمکتا تو ہم فرشتوں کو "اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" نہ فرماتے---

❷ اِنَّمَا رُفِعَ اِدْرِیْسُ اِلَی السَّمَاءِ لِیَنْظُرَ اِلَیْکَ---

"حضرت ادریس علیہ السلام آسمان کی طرف آپ کی زیارت کے لیے اٹھائے گئے"---

❸ لَوْلَا اَنَّہٗ اَقْسَمَ عَلَیْنَا بِجَمَالِکَ لَمَا نَجَا---

"اگر نوح علیہ السلام ہمیں آپ کے جمال کی قسم نہ دیتے تو وہ نجات نہ پاتے"---

❹ یَا اَعَزَّ الْمَخْلُوْقَاتِ وَ یَا اَشْرَفَ الْمَوْجُوْدَاتِ لَوْلَا اَنَّہٗ اَشْرَقَ عَلَیْہِ نُوْرُ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ مَا نَجَا مِنْ نَارِ النُّمْرُوْدِ وَلَا فُدِیَ ابْنُہٗ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ---[۴۷]

"اے تمام مخلوقات سے زیادہ معزز،اے تمام موجودات سے زیادہ بزرگ! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ کے کریم چہرے کا نور نہ جگمگاتا،تو وہ نمرود کی آگ سے نجات نہ پاتے اور ان کے لڑکے اسماعیل کا فدیہ ذبح عظیم نہ بنتا"---

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب فرمایا:

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

امداد بعد از وصال

باوجود اختلاف الفاظ و معانی،احادیث معراج کو دیکھنے سے یہ امر قدر مشترک حد تواتر کو پہنچتا

ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو امت کے لیے پچاس نمازیں عطا ہوئیں۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، وہ تخفیف کرانے کا مشورہ دیتے۔ آپ ﷺ واپس جاتے۔ متعدد بار اس طرح آنے جانے کے بعد پانچ نمازیں باقی رہیں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری مدد نہ فرماتے تو ظاہر ہے کہ ہمیں پچاس نمازیں پڑھنا پڑتیں اور بے نمازوں کو پچاس نمازیں ترک کرنے کا گناہ ہوتا۔ باوجود یکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کو ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، انہوں نے مدد فرمائی اور وہ مدد کامیاب بھی ثابت ہوئی، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ مقربین خداتعالیٰ اس دنیا سے پردہ پوش ہونے کے بعد بھی مدد کرتے ہیں---

عظیم تحفہ

اگر بادشاہ کی طرف سے کسی کے پاس تحفہ پہنچے اور اس تحفہ کی قدر نہ کرے، تو بادشاہ ناراض ہو جاتا ہے۔ شہنشاہ حقیقی خداوند قدوس نے ہمارے لیے پنج گانہ نماز کا تحفہ بھیجا۔ اب اگر باقاعدہ نمازی نہ بنیں، تو ظاہر ہے کہ اس میں رب العالمین اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کی ناراضگی ہوگی---

شان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

شب معراج جبریل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ کو عرض کی کہ آپ ﷺ کی تصدیق ابوبکر کرے گا، وہ بڑا سچا ہے---

مدارج النبوۃ میں ہے:

حضور سید عالم ﷺ نے علی الصبح جب خبر دی کہ آج رات بیت المقدس سے آیا ہوں۔ ایک کافر دوڑتا ہوا، ابوبکر صدیق کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا کہ اب بھی تم اپنے صاحب کی تصدیق کرو گے؟ وہ کہتا ہے کہ میں ایک ہی رات میں بیت المقدس سے ہو کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں تصدیق کرتا ہوں اور کہا:

واگر گوید کہ بر آسمان رفتم و باز آمدم تصدیق مے کنم چہ جائیکہ بیت المقدس--- [۴۸]

"اگر فرمائیں کہ میں آسمان پر گیا اور واپس آیا ہوں تو بھی تصدیق کروں گا"---

عرش حق

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی

رسول اکرم ﷺ کے عرش پر پہنچنے کے متعلق بعض حضرات نے کہا کہ صحیح حدیث سے ثابت

نہیں مگر شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے فتوحات مکیہ میں اور علامہ شعرانی نے فتوحات سے الیواقیت والجواہر میں صحیح حدیث کو نقل کیا ہے:

حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوٰى---[۴۹]

''حتی کہ میں مستوی پر پہنچا''---

مستوی سے مراد عرش معلیٰ لیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے عرش تک کی مسافت تین لاکھ سالوں کی بتائی گئی ہے، جس طرح تفسیر روح المعانی اور نزہۃ المجالس میں مذکور ہے---[۵۰]

یہ ایک ظاہری و عقلی اندازہ ہے ورنہ حضور سید عالم ﷺ کا مقام اس سے کہیں اونچا ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عرش پہ جا کے مرغ عقل تھک کے گرا غش آ گیا

اور ابھی منزلوں پرے پہلا ہی آسمان ہے

اتنی مسافت بعیدہ اور مشاغل جلیلہ کے باوجود حضور سید عالم ﷺ جب واپس آئے، تو اپنے بستر کو گرم پایا---[۵۱]

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ اجمعین و بارک و سلم

حوالہ جات

۱......بنی اسرائیل، ۱:۱۷ ۲......تفسیر کبیر، جلد۲۰، صفحہ۱۴۶/ روح المعانی، جلد۱۵، صفحہ۴

۳......مواہب لدنیہ (قسطلانی)/ زرقانی، جلد۶، صفحہ۱۰۵

۴......روح المعانی، جلد۱۵، صفحہ۱۴/ روح البیان، جلد۵، صفحہ۱۰۶/ اعراب القرآن برحاشیہ جمل، جلد۳، صفحہ۴۶۸ ۵......الیواقیت والجواہر، جلد۲، صفحہ۳۴/ فتوحات مکیہ، جلد۳، صفحہ۶۱

۶......کتاب الماجریات فی الاسئلۃ و الجوابات لابن جوزی

۷......نزہۃ المجالس، جلد۲، صفحہ۱۲۵ ۸......زہر الریاض/ معارج النبوۃ، رکن۳، صفحہ۹۱

۹......مواہب لدنیہ قسطلانی، جلد۶، صفحہ۳۵/ الانوار المحمدیہ للنبہانی/ مدارج النبوۃ، جلد۱، صفحہ۱۶۱

۱۰......صحیح بخاری، کتاب المناقب الانصار، باب المعراج/ صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ۹۳/ سنن نسائی، جلد۱، صفحہ۷۷ ۱۱......زرقانی، جلد۶، صفحہ۳۶

۱۲......روح المعانی، جلد۱۵، صفحہ۱۱ ۱۳......نزہۃ المجالس، جلد۲، صفحہ۱۲۶-۱۲۴

۱۴......معارج النبوۃ، رکن۳، صفحہ۹۴

۱۵......مواہب لدنیہ، زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۳۶/ مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۱

۱۶......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۲۸ ۱۷......معارج النبوۃ، رکن ۳، جلد ۴، ۸

۱۸......زرقانی علی المواہب، جلد ۶، صفحہ ۲۴ ۱۹......نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶

۲۰......البقرہ ۲: ۱۲۵ ۲۱......مواہب لدنیہ قسطلانی، جلد ۶، صفحہ ۳۹/ نسائی، جلد ۱، صفحہ ۷۸

۲۲......زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۴۰

۲۳......مواہب لدنیہ زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۴۰/ مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۲

۲۴......صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۲۶۸/ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، حدیث نمبر ۱۶۱۳/

زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۴ ۲۵......ابن ماجہ، صفحہ ۱۱۸

۲۶......مواہب لدنیہ زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۳۹ ۲۷......ایضاً، صفحہ ۵۰

۲۸......تفسیر ابن جریر، جلد ۱۵، صفحہ ۱۱/ دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۹......التحریم، ۶۶: ۶

۳۰......نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۳۹ ۳۱......ایضاً، صفحہ ۱۳۴

۳۲......زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۱۷ ۳۳......مواہب لدنیہ مع زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۹۳

۳۴......الیواقیت والجواہر، جلد ۲، صفحہ ۳۶ ۳۵......مواہب لدنیہ زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۹۳

۳۶......ایضاً، جلد ۶، صفحہ ۹۴/ مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۸ ۳۷......طٰہٰ: ۱۷

۳۸......نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۵۱ ۳۹......الاعراف: ۱۳۹

۴۰......طبقات کبریٰ للشعرانی، جلد ۱، صفحہ ۱۵۳ ۴۱......النجم: ۱۷

۴۲......شفا شریف، صفحہ ۱۴۳ ۴۳......تفسیر کبیر، جلد ۱، صفحہ ۱۴۲

۴۴......مواہب لدنیہ زرقانی، جلد ۶، صفحہ ۹۵/ نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۴۵

۴۵......مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۹ ۴۶......ایضاً، صفحہ ۱۷۰

۴۷......نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۵۷ ۴۸......مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱

۴۹......فتوحات مکیہ، جلد ۳، صفحہ ۶۱/ الیواقیت والجواہر، جلد ۲، صفحہ ۳۷

۵۰......روح المعانی، جلد ۱۵، صفحہ ۱۱/ نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۶۰

۵۱......روح المعانی، جلد ۱۵، صفحہ ۱۲/ نزہۃ المجالس جلد ۲، صفحہ ۱۶۰



"اولیاءاللہ"

یہ ولی ، راستہ مولا کا دکھانے والے
آدمی کو ہیں یہ اِنسان بنانے والے
فتح کرتے ہیں محبت سے دلوں کی دنیا
یہ ہیں ہر ایک کو سینے سے لگانے والے
حق نے قوت انھیں وہ دی ہے کہ تیرِ جستہ
راہ سے ہیں اسے موڑ کے لانے والے
فقر سلطان دوعالم سے ہے نسبت ان کو
اسی باعث ہیں یہ مشہور خزانے والے
ان کے انفاس کی برکت سے کرم ہے سب پر
ان کے ممنون کرم سارے زمانے والے
یہی خاصان خدا ہیں ، کہ جو اذن حق سے
تخت بلقیس کو اِک پل میں ہیں لانے والے
اِن کے دروازے پہ آئیں، جو ہیں طالب رب کے
یہ ہیں معبود سے عابد کو ملانے والے

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

